کمیونزم اور کسان

ایشیائی ملکوں میں اجتماعی زراعت کا حقیقی مفہوم

رام سروپ

مکتبہ تحریک، 9 - انصاری مارکیٹ - دریا گنج - دہلی

اشاعتِ اوّل

قیمت دو روپے آٹھ آنے

مطبوعہ
خواجہ برقی پریس - دہلی

فہرست

خاکہ

باب اوّل

انقلابی مراحل اور داویپچ کا نظریہ

کسانوں کا شمار سرمایہ داروں کی آخری صف میں — چھوٹے پیمانے پر پیداوار اور سوشلزم کا تضاد — کسانوں اور کمیونزم کا اختلاف اور تضاد لاینحل ہے۔

دوسرا باب

سماجی ارتقا کا نظریہ

مارکس کا نظریہ کہ وسیع پیمانے پر پیداوار کا مرتکز نظام برتر نظام ہے صنعت سے اخذ کردہ نتائج کا زراعت پر اطلاق — پیداوار کے مختلف نظام، مختلف طبقاتی روابط اور مختلف نظریات کی تخلیق کرتے ہیں — سٹالن کا برعکس نظریہ — سوشلسٹ نظریے اور سوشلسٹ طریقے سوشلسٹ نظام پیداوار کی تخلیق کرتے ہیں — بورژوا انقلاب اور پرولتاری انقلاب کا موازنہ — مارکسی انقلاب اور سٹالنی انقلاب

تیسرا باب

مشترکہ کاشت کا دیباچہ

جنگی کمیونزم کا دور — خودرو زرعی انقلاب اور پرولتاری انقلاب کا موازنہ — زمین کے مالک کسان اور پیداوار کی مالک حکومت

چوتھا باب

دیہات میں "سوشلزم" کے کارنامے

خون آشامی کا دور — اجتماعیت کا فیصلہ — کلکوں کے طبقے کا خاتمہ — خاتمۂ وجود کا طریق کار — اجتماعیت کی بے رحمیاں — روسی کمیونسٹوں کا دہشت

سے لرزہ براندام ہونا اور بیرونی ہمدردوں کا تالیاں بجانا ۔ کلک کون تھے ؟ ۔۔۔
کمیونسٹوں کے سہ طرفہ کام ۔ مصنوعی طور پر جماعتی تضاد پیدا کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا ۔
ہر کسان خاتمہ وجود کی زد میں ۔۔۔ انسانی مصیبت پر ویب جوڑے کا اظہار خیال
۔۔۔ تشدد، مزاحمت اور مزید تشدد ۔۔ درست پالیسی کے متعلق سٹالن کا نظریہ ۔۔۔ قحط
اجتماعیت پر انسانوں کی قربانی ۔۔۔ کم سے کم ایک کروڑ ۶۰ لاکھ مردوں اور عورتوں
کی زندگی اس عمل میں برباد ہو گئی ۔۔۔ مویشیوں کا اتلاف
غلامی کا احیا، ۔۔۔ اجتماعیت کا اقتصادی مفہوم

پانچواں باب

سوویٹ زراعت کا اقتصادی مفہوم

سوویٹ زراعت کا بنیادی مقصد اناج جمع کرنا ۔۔۔ دیہات کی منظم لوٹ ۔۔۔
جبری ادائیگیاں ۔۔۔ ادا کون کرتا ہے ؟
روسی انقلاب کے بعد زراعتی اور صنعتی سامان کی قیمتوں کا تناسب ۔۔۔ کسانوں
کی پیداوار کی قیمتِ تبادلہ میں بتدریج کمی ۔۔۔ مشینی زراعت کی لاگت ۔۔۔ مشترکہ زراعت
کی لاگت ۔۔۔ سرکاری کھیتوں کی ناکامی ۔۔۔ دیہات اور قصبے

چھٹا باب

کسان عوام کا معیار زندگی

اشیائے ضروریہ کی اتنی کمی جتنی پہلے کبھی نہیں تھی ۔۔۔ مشینوں کی تیاری اور اشیائے
ضروریہ کی پیداوار میں عدم توازن ۔۔۔ یوم محنت ۔۔۔ دیہات میں بیکاری ۔۔۔ دیہی صنعتوں
کا خاتمہ ۔۔۔ عدم مساوات

ساتواں باب

بین الاقوامی کمیونزم کے لئے روسی مثال کی پیروی لازمی ہے

مارکسزم، لینن ازم، سٹالن ازم کی صداقت عالمگیر ہے ۔۔۔ ممالک بلقان میں اجتماعیت

کا عمل ۔ عوامی جمہوریت پرولتاری ڈکٹیٹرشپ کی ایک شکل ہے ۔ انقلاب کے مرحلے ۔ محنت کشوں پر صنعتی مزدوروں کی سرداری ۔ ۲۹ جون ۱۹۴۸ء کو کامنفارم اجتماعی کاشت کی ابتدا کا اعلان کرتی ہے ۔ دھوکا اور جبر ۔ کسان پارٹیوں کی تباہی ۔ دیہات میں طبقاتی جنگ ۔ کلکوں کے خلاف مہم ۔ اجتماعی کاشت کا دیباچہ ۔ سوویٹ نظام کا مکمل اطلاق ۔ عوامی جمہوریتوں کے عوام کی حالت کا اندازہ لگانے کیلئے بلغاریہ پر بحث ۔ آزادی کا خاتمہ ۔ بالٹک کے عوام سوویٹ شکنجے میں ۔ زرعی اصلاح ۔ طبقاتی جنگ ۔ اجتماعیت ۔ اناج کی فراہمی۔

آٹھواں باب

بین الاقوامی کمیونزم کے لئے روسی مثال کی پیروی لازمی ہے

چین ۔ موزے تنگ زرعی مصلح نہیں ہے ۔ چین کی کمیونسٹ پارٹی سٹالن کی رہنمائی کو مکمل طور پر تسلیم کرتی ہے ۔ چینی کمیونزم کا پرولتاری انداز ۔ انقلاب کے مرحلے ۔ پرولتاریہ کی سرداری ۔ چین کے جاگیردار اور کلک واہمے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے ۔ دیہات کی نوآبادیاتی لوٹ کھسوٹ ۔ جنگی چالیں یعنی جماعتی تضاد ڈھونڈنا ۔ زرعی اصلاح کس طرح کی جاتی ہے ۔ ہندوستان ۔ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی روس کی خارجہ پالیسی کی غلامانہ آلہ کار ہے ۔ سوویٹ پروگرام اور چالوں پر مکمل عملدرآمد ۔ سہ طرفہ کام ۔ کسانوں میں اختلافات پیدا کرنا اور اس سے فائدہ اٹھانا ۔ حیدر آباد میں ریہرسل۔

ماسکو کے اشارے پر ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کی قلابازی ۔ سابقہ غلطیوں کا کھلے بندوں اعتراف ۔ ماؤ کے "خوفناک" اور "رجعت پسند" مفروضے نوآبادیاتی ممالک کے لئے روشن سبق بن جاتے ہیں ۔ نہرو کی بدیشی پالیسی سے خوش ہو کر نرم پالیسی اختیار کرنا ۔ مناسب موقعہ پر آزاد فوج کے قیام کی حمایت ۔ کمیونزم کی نوعیت کے متعلق ہندوستان کی جمہوری لیڈرشپ کی مکمل لاعلمی ۔ "سچے" کمیونزم کا کہیں وجود نہیں۔ کمیونزم صرف ایک ہے اور وہ ہے سٹالن ازم۔

نواں باب

ہندوستان کی زراعت کی منصوبہ بندی

ارباب دانش کے دل و دماغ پر مشترکہ ٹریکٹری کاشت کا غلبہ ۔ مشینیت کے ارتقا کا وسیع پیمانے پر پیداوار کا رخ اختیار کرنا تاریخ کا اتفاقی حادثہ ہے ۔ مشینیت کے لئے لامرکزی نظام پیداوار میں بھی گنجائش

موجود ہے۔ بڑے پیمانے پر پیداوار اور مشینیت کا زراعت پر اطلاق۔ مشینیت اور پیداوار۔ مشینیت کی فی گھنٹہ فی ایکڑ لاگت۔ ہندوستانی کسان کے لئے یہ لاگت ناقابلِ برداشت ہے۔ ٹریکٹروں کا استعمال کس حالت میں مفید ہو سکتا ہے۔ آبادی اور زمین کا تناسب۔ محنت کرنے والوں کی کمی۔ ہندوستان میں وہ ماحول موجود نہیں جس میں ٹریکٹروں کا استعمال مفید ہو۔ خوشحالی کا ذریعہ فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ۔ صنعتوں کے لئے گنجائش۔ آزاد اور خوشحال کسان آزاد اور خوشحال پرولتاری طبقے کے وجود کی ضمانت ہونگے۔

دسواں باب

ہندوستان کی زراعت کی منصوبہ بندی (مسلسل)

کسانوں کی افسوسناک حالت کے اسباب۔ ٹیکنیکل مسائل، زمین اور کھاد، آب رسانی، گائے وغیرہ

سماجی مسائل۔ نوآبادیاتی اقتصادی نظام اور جاگیرداری وغیرہ۔ عام مسائل۔

آبادی، معیار زندگی کا غلط تصوّر، غیر ملکی امداد کا خیر مقدم، جاپان ہندوستان کے لئے نمونہ۔ گاندھی ازم۔

گاندھی ازم افلاس اور نکبت کا حامی نہیں، چھوٹے کارخانہ داروں کی مدد کرنیوالی مشینیں، لامرکزیت۔

ہندوستان کی زراعت کے متعلق ہمارا نقشہ

گیارھواں باب

تلخیص اور نتیجۂ بحث

کمیونزم ایک مخصوص دماغی کیفیت کا اظہار ہے۔ کمیونسٹ طرزِ استدلال سے بحث اور اس کی خامیوں کی پردہ دری۔ روسی تجربہ کمیونسٹ خامیوں کی بہترین ترجمانی کرتا ہے۔ کمیونزم ہمارے مسائل کا کوئی حل نہیں۔ پیداوار اور کھپت کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کی ضرورت۔ پیداوار برائے استعمال اور پیداوار برائے تبادلہ۔ آمدنی اور لاگتیں۔ مغربی انداز ایشیا اور ہندوستان کے لئے مناسب نہیں۔ مقامی مقاصد کے لئے مقامی ذرائع ہی کامیاب منصوبہ بندی کی کنجی ہیں۔ گاندھی ازم ایک ایسے سماج کا تصوّر پیش کرتا ہے جو انتہائی بارآور بھی ہو اور لامرکزی بھی۔ یہ نظام آزاد کسانوں اور موثر زراعت کی بنیاد پر ہی قائم ہو سکتا ہے۔ کمیونزم اس تصور کی ضد ہے۔ چند گذارشات۔

دیباچہ

یہ کتاب چار سال پہلے لکھی گئی تھی۔ لیکن اس میں کچھ تو میری تاخیر پسند طبیعت کو دخل ہے اور کچھ دیگر اسباب کو کہ اس کی اشاعت معرض التوا میں پڑتی گئی۔ بہر حال اب کتاب تیار ہے اور جلد پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے گی۔ مسودے میں اس سے زیادہ تبدیلی نہیں کی گئی کہ اعداد و شمار اور حوالوں کو جدید تر بنا دیا گیا ہے۔ اور غیر ضروری مواد خارج کر دیا گیا ہے۔

اس مسئلے پر بہت سے مغربی مصنف خامہ فرسائی کر چکے ہیں کہ کمیونسٹوں کے اصول جنگ میں پرولتاریہ کا فریضہ کیا ہے۔ ان کے سیاسی رواج اور اقتصادی صورت حال کے متعلق بھی بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اس سوال کو عملاً نظر انداز کیا جاتا رہا ہے کہ کمیونزم کا کسانوں کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ جہاں تک ہندوستان کا سوال ہے یہ مسئلہ مرکزی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں چونکہ کوئی خاص مطالعہ نہیں کیا گیا اس لئے زمین کے متعلق کمیونسٹوں کی پالیسی کے متعلق معلومات نعروں، شیریں گفتاری اور بے بنیاد دعاوی سے آگے نہیں جا سکی۔ زمین کی تقسیم کے متعلق کمیونسٹوں کی بندر بانٹ کو کمیونزم کا آخری مقصد سمجھا جا رہا ہے۔ اور تصور کیا جا رہا ہے کہ یہ زرعی اصلاح کے متعلق ایک ترقی پسندانہ تجویز ہے جس کی کمیونسٹ سرگرم حمایت کرتے ہیں۔ اور جاگیردار اور رجعت

پسندانہ حکومتیں بربنائے خود غرضی، مخالفت۔ ہر طرف ایڈگر سنو کا بول بالا ہے اور اس کی ایک انتہا پسندانہ شکل کی نمائندگی مسٹر بیون اور ان کے یورپی مقلد کرتے ہیں ان کے نزدیک کمیونزم یورپ میں ایک رجعت پسندانہ تحریک ہے۔ لیکن ایشیا میں یہ ایک ترقی پسندانہ فریضہ انجام دے رہا ہے۔ خود ایشیا میں بعض ملکوں کی برسراقتدار پارٹیاں سوویٹ روس اور سوویٹ چین کی نامحرمانہ اور مبالغہ آمیز تعریف کرکے ان کے نظریات کے فروغ کا باعث بن رہی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ یہی پارٹیاں جماعتی طور پر مقامی کمیونسٹوں کی مخالفت کرتی ہیں یہ سب کچھ صرف سیاسی اقتدار کے لئے کیا جاتا ہے۔ لیکن نظریاتی شکست کا نتیجہ بالآخر جماعتی شکست بھی ہوتا ہے۔ اگر عوام کے دل و دماغ کو چین اور روس کے نظریات کو قبول کرنے کے لئے اسی طرح تیار کیا جاتا رہا جس طرح ہندوستان کے برسراقتدار لوگ کر رہے ہیں تو مقامی کمیونسٹ پارٹی کی تمام مخالفت اکارت جائے گی اور کوئی چیز کمیونزم کو ہندوستان اور ایشیا کو نگلنے سے روک نہیں سکے گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی پہریدار ایک ہاتھ سے بند میں سوراخ کرتا جائے اور دوسرے سے سیلاب کو روکنے والی چرخی گھمائے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنے ملک کی شان کو دوبالا کرنے کے لئے دوسرے ملکوں کو بدنام کریں۔ اس کے تصور سے بھی مجھے نفرت ہے کسی ملک کی کامیابیوں کو دوسروں کی ناکامیوں کے پیمانے سے ناپنا غلط ہے لیکن ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہئے کہ کمیونسٹ ملک بالکل یہی کچھ کر رہے ہیں۔ وہ اپنے پروپیگنڈوں اور اپنی توصیف و ثنا میں مصروف ہیں۔ اور اپنے دوہرے پروپیگنڈے کی بدولت اور اپنے مقامی ففتھ کالم اور ہم سفروں کی مدد سے ہمارے ملک کے عوام کو سوویٹ کامیابیوں کے واہمے میں مبتلا کر رہے ہیں۔ اپنی ایجنسیوں کی معرفت وہ ہماری کامیابیوں کو بے وقعت قرار دینے، ہماری کوششوں کی تذلیل کرنے اور ہمارے عوام کو بے حوصلہ کرنے میں مصروف ہیں۔ ان دونوں طریقوں

سے جو ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں مقصد یہ ہے کہ ہماری اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کی ہمت سلب ہو جائے۔ ہماری خوش اطواری اور روس اور چین کے متعلق رُوا داری سے ناجائز فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ اور ہمارے قومی اداروں، قومی ورثے، اور آزادی کی تذلیل کی جاتی ہے۔

اس کتاب میں کمیونزم کو ایشیائی نقطۂ نگاہ سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے کمیونزم ایشیا کو غلام بنانے کی جنگی اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے کون کون سے طریقے استعمال کر رہا ہے۔ اس کے نعرے کیا ہیں اور ان نعروں کا شکار زدہ آبادی کے کن کن حصوں کو بناتا ہے۔ اس کتاب میں کمیونسٹوں کے ایک دَور کے نعروں کا دوسرے دَور کے نعروں سے موازنہ کیا گیا ہے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کے درمیان کتنا تضاد ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ ایک دَور کے اتحادیوں کو کس طرح دوسرے دور میں پُر سماری طبقے کے دشمن قرار دے کر ختم کر دیا جاتا ہے۔ اور کس طرح ان پیچ در پیچ چالوں اور سابق اتحادیوں کے خاتمے کے متعلق قبل از وقت ہی اسکیمیں تیار کر لی جاتی ہیں۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ یہ پیچیدہ چالیں اور قتل جنگِ اقتدار کے فوری اور مبہم مطالبوں کا بے ہنگم نتیجہ نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ زندگی کے بنیادی فلسفے کا مظہر ہیں۔ یہ ہمہ گیر سیاست کا فلسفہ ہے۔ جو زندگی کے تمام شعبوں پر مکمل اور تنہا اجارہ داری قائم کرنا چاہتا ہے۔

جیسا کہ خود کامنٹرن کو اعتراف ہے۔ ایشیا میں کمیونزم کا مقصد "کروڑوں نوآبادیاتی عوام کو غیر ملکی سامراج کے برخلاف برانگیختہ کرنا ہے۔ تاکہ وقت آنے پر انہیں کمیونزم پر مبنی عالمگیر سلطنت میں جذب کیا جا سکے" اس مقصد کا تقاضا ہے "ایک کسان زرعی انقلاب... چند ابتدائی مرحلے طے کرتے ہوئے پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی طرف کوچ"۔ ایشیا کے لئے کمیونزم کے نعروں، اصولِ جنگ، اور طریق کار سے بروقت آگہی حاصل کرنا بہت ضروری ہے ورنہ پانی سر سے گذر جائے گا۔ ایشیا کو نعروں سے

گمراہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اور سوچ سمجھ کر اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنا چاہیئے۔ اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ اپنے ایشیائی بھائیوں کو واقفکارانہ فیصلہ کرنے میں مدد دے اور اس کے لئے کچھ بنیادی مواد اور اعداد و شمار مہیّا کر دے۔

یہ کتاب اگرچہ ایشیائیوں کے لئے لکھی گئی ہے لیکن مغربی ناظرین کے لئے بھی اس کا مطالعہ مفید ہو سکتا ہے۔ مغرب نے ایشیا کو لیپ، جہاں گرد اخبار نویسیوں کی آنکھوں سے دیکھنے اور اپنے اندازوں کے مطابق سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مختلف مسائل کو غیر معمولی طور پر سادہ اور سرسری سمجھ لیا گیا ہے۔ جس سے بعض صورتوں میں ان کی صورت بالکل مسخ ہو گئی۔ اس قسم کے سرسری اندازوں میں ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ موسی تنگ صرف زرعی اصلاح کا حامی ہے۔ اسی طرح ان دنوں ایک اور سرسری نظریئے کی تبلیغ کی جا رہی ہے۔ یہ نظریہ یہ ہے کہ ایشیا کا حقیقی مسئلہ صرف افلاس ہے۔ اسی کی بنیاد پر کمیونزم فروغ پا رہا ہے۔ اور اس کا تدارک امریکہ کی فراخدلانہ اور آزادانہ امداد سے کیا جا سکتا ہے۔ اس نظریئے کے ذہین ترین ترجمان غالباً مسٹر چیسٹر باؤلز ہیں۔

یہ نظریہ اگرچہ جذباتی طور پر ہمدردانہ اور فراخدلا ہے لیکن یہ غلط باتوں پر زور دیتا ہے۔ کمیونزم افلاس، جاگیرداری اور صنعتی ترقی کی کمی کا منفی نتیجہ نہیں۔ یہ ایک جارحانہ قوت کا سرگرم ایجنٹ ہے۔ جو نظریوں اور نفوذ اور فتح کے ہتھکنڈوں سے پوری طرح مسلح ہے۔ اس طاقت کی پشت پر ایک زبردست فتنہ کام ہے۔ پروپیگنڈے کی زبردست مشینری ہے، خفیہ پولیس ہے، فوجیں ہیں اور ہتھیار ہیں۔ ایشیا کو جو خطرہ درپیش ہے اس کی حقیقی شکل یہی ہے۔ صرف اقتصادی خوشحالی سے اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

میں یہ تجویز پیش نہیں کر رہا کہ غریبی کے تدارک کی کوشش نہیں ہونی چاہیئے۔ میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ افلاس کے مسئلے کو کمیونزم کا مقابلہ کرنے کے مسئلے سے خلط ملط

نہیں کرنا چاہیئے۔ کیمونزم سے قطع نظر ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم زمین کی مناسب تقسیم کریں، لوگوں کو روزگار مہیا کریں اور اپنی اقتصادی تنظیم کو بہتر بنائیں۔ اسی طرح ہمیں کیمونزم کا ہر حال میں مقابلہ کرنا چاہیئے۔ چاہے ہم امیر ہوں چاہے غریب۔ میں غیر ملکی مدد کی اہمیت یا اس کی اخلاقی حیثیت کو بھی کم نہیں کر رہا۔ اگر ایشیا اور امریکہ دونوں ہی روحانی طور پر اس کے لئے تیار ہوں تو یہ مدد بہت سود مند ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایشیا اسے کسی شک و شبہ کے بغیر قبول کرے اور امریکہ اسے بے غرضانہ طور پر دے سکے۔ اس روحانی تیاری کے بغیر مدد بے سود ہوگی۔

اس کتاب میں کسانوں کے متعلق کیمونسٹوں کے ہتھکنڈوں اور طریق کار کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اس میں اجتماعی زراعت، اس کی سیاسی قوت متحرکہ، اس کے اقتصادی امکانات، اس کے آئندہ میلانات، اس کی جبری نوعیت اور اس کی کامیابیوں اور دعاوی کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ یہ کتاب کیمونزم کا سماجی اور اقتصادی مطالعہ ہے لیکن کیمونزم کے متعلق سماجی اور اقتصادی زاویہ واحد زاویہ نہیں ہے اور نہ اس زاویئے کو اہم ترین قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیمونزم کا مطالعہ اخلاقی نقطۂ نگاہ سے بھی بہت ضروری ہے یہ مطالعہ بہت ضروری ہے کہ کیمونزم باقی نظاموں کے مقابلے میں کس حد تک زیادہ متشددانہ اور جارحانہ ہے۔ کیمونزم کے قبول یا استرداد کا انحصار اس بات پر بھی ہونا چاہیئے کہ یہ انسان کے فکر کو زیادہ آزادی دیتا ہے یا اس کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔

میرا اپنا وشواس یہ ہے کہ کیمونزم کے متعلق بنیادی زاویہ روحانی ہونا چاہیئے کیمونزم کے استرداد کی وجہ یہ نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ عوام کے معیار زندگی کو پست کر دیتا ہے۔ بلکہ یہ کہ یہ بے رحمانہ، ظالمانہ اور بے ضمیر ہے۔ اس کے استرداد کی وجہ صرف یہی نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ انسان کے ذہن کو غلام بناتا ہے بلکہ یہ کہ یہ انسان کے دل و دماغ کی اڑان کو روکتا ہے اور خدا کا منکر ہے۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ کیمونزم

کی اس کے الحاد کی بناء پر مذمت کی جائے۔ تاریخ میں ایسی ملحدانہ تحریکیں اٹھی ہیں جنہوں نے خدائی مقاصد کی تکمیل کی ہے لیکن کمیونزم مذمت کا مستحق اس لئے ہے کہ یہ ہر مثی ادراک کا تابع ہے۔ یہ تاریخ میں پہلی منظم سیاسی کوشش ہے جس کا مقصد اصول الوہیت کو فنا کرنا ہے۔ جو انسان کے اس جذبے کو فنا کرنا چاہتی ہے کہ وہ خدائی اوصاف کی تمنا کرے اس اصول سے انکار اور اس سے انحراف کی وجہ سے کمیونزم کی اقتصادی اپیل بھی اپنا مقصد خود ہی فوت کر دیتی ہے۔ اور خالص بے رحمی کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ حقوق العباد کی تکمیل صرف خدائی حدود میں ممکن ہے اس سے باہر جا کر نہیں۔

مصنّف ہندوستان کے لئے لامرکزی اقتصادی نظام کا حامی ہے۔ وہ کمیونزم اور سرمایہ داری کو مرکزیت پر مبنی صنعتی نظام کی، جس کا ارتقا گذشتہ دو صدی میں ہوا ہے دو گمراہ شکلیں تصور کرتا ہے۔ لیکن اس وقت جمہوریت اور کمیونزم کے درمیان جو نظریاتی جنگ جاری ہے اس میں مصنّف غیر جانبدار نہیں اور انہیں یکساں طور پر مسترد نہیں کرتا۔ وہ یہ بھی نہیں سمجھتا کہ ہندوستان کی ترقی کے لئے وہ دونوں ہی یکساں طور پر بے معنی ہیں، اس کے برعکس وہ جمہوریت کا طرفدار ہے۔ اس کی وجہ بہت صاف ہے وہ یہ نہیں سمجھتا کہ آزادی کسی خاص اقتصادی نظام یا طریق پیداوار کی ضمنی تخلیق ہے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ ایک مرتکز نظام پیداوار کی غلط شکلیں ہونے کی وجہ سے کمیونزم اور سرمایہ داری لازمی اور مساوی طور پر مرتکز سیاست پر منتج ہوں گے۔ اور دونوں کا نتیجہ انفرادی آزادی کا یکساں خاتمہ ہوگا۔ جمہوریت، سرمایہ داری اور کمیونزم، مرتکز اقتصادی نظام اور غیر مرتکز اقتصادی نظام سب سے بالاتر ہے۔ آج اسی جمہوریت کو خطرہ درپیش ہے آج کا تصادم مرتکز اور غیر مرتکز اقتصادی نظاموں یا سرمایہ داری اور کمیونزم کے درمیان نہیں۔ بلکہ جمہوریت اور آمریت کے درمیان ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ یہ تصادم مادے اور روح کے درمیان ہے۔ آخر دو چیزیں زیادہ بنیادی ہیں۔ جمہوریت کو سرمایہ داری یا کمیونزم کے

مترادف یا ہم معنیٰ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس میں دونوں ہی سما سکتے ہیں اور یہ دونوں سے ہی الگ بھی ہو سکتی ہے۔ سرمایہ داری کے مقابلے میں سوشلزم اس کو زیادہ آسانی سے خیرباد کہہ سکتا ہے۔ مصنّف کی جانبداری کی بنیاد اسی بات پر ہے۔ اگر اس کے مفروضے غلط ہیں تو اس کی طرفداری بھی غلط ہے۔ اس مرحلے پر میں یہ ذکر ضروری سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں کمیونسٹوں کی مادیت کیشی کے ساتھ ساتھ ایک اور مادیت کیشی پرورش پا رہی ہے، اس مادیت کیشی کے نمائندے کچھ ایسے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مہاتما گاندھی کا مقلّد ظاہر کرتے ہیں۔ کمیونسٹوں کا دعوئے ہے کہ انفرادی آزادی کو عالم وجود میں لانے کے لئے پہلے کمیونسٹ طریق پیداوار کو عالم وجود میں لانا ضروری ہے۔ بعض "گاندھی بھگت" اس بات کے مدّعی ہیں کہ جوں ہی غیر مرتکز اقتصادی نظام قائم ہوا، فرد کی خوشحالی اور آزادی از خود معرضِ وجود میں آجائے گی۔ دونوں مفروضوں میں مادّی ماحول، سیاست، پارلیمنٹوں اور آزاد جوڈیشری کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اصل سبب ان ہی کو مانا گیا ہے۔ رواداری اور خوش حالی جیسی لطیف چیزیں صرف اس سبب کا نتیجہ ہوں گی۔ اس نکتے کا ذکر بہت ضروری ہے کیونکہ بعض حلقوں میں غیر مرتکز اقتصادی نظام کے لئے گاندھی جی کی جانبداری کو کمیونسٹ ڈکٹیٹرشپ کی محبت کے لئے بہانہ بنایا جا رہا ہے۔

مصنّف نے کوشش کی ہے کہ آئندہ بحث میں جہاں تک ممکن ہو سکے وہ اپنی ذات کو پس منظر میں رکھے۔ اس لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کمیونسٹ لیڈروں اور کمیونسٹ اخباروں کو اپنی کہانی اپنی زبان سے کہنے کا موقع مہیا کیا جائے۔ کتاب کے آخر میں پہلے ابتدائی بابوں کے ۲۴۳۔ اقتباسوں کی جو فہرست پیش کی گئی ہے۔ ان میں ۹۷۔ اقتباس مارکس، انیگلز، لینن اور سٹالن سے لئے گئے ہیں۔ ۱۲ موسی تنگ اور لیوشاؤچی سے۔ ۱۰ اقتباس مشہور کمیونسٹ مطبوعات سے لئے گئے ہیں، اور ۱۔ سرکاری کمیونسٹ اخباروں سے بن ہیں "پراودا" "ازولیستیا" اور "پیپلز چائنا" شامل ہیں۔ دوسری طرف "سامراجی" اخبارو

سے صرف ۸ اقتباس لئے گئے ہیں۔ ان میں "نیویارک ٹائمز" "اکانومسٹ" اور "سٹیٹسمین" شامل ہیں۔ ۱۰ اقتباس ہیو برڈ، بیکوف، ٹوم جینیی اور باسلی کی عالمانہ تصانیف سے لئے گئے ہیں۔ ۲۰ اقتباس ویبس اور موریس ڈوب جیسے مشہور سوویت مبلغوں کی تصانیف اور موریس ہنڈس اور انا لوئی سٹرانگ کی صحافیانہ تصانیف سے لئے گئے ہیں۔ ۸ اقتباس ایسے اہم کمیونسٹوں کی تصانیف سے لئے گئے ہیں۔ جو ایک طویل عرصے تک کمیونزم کے لئے کام کرتے رہے اور اس کے اسرار نہفتہ سے ان کو مکمل آگاہی تھی۔ باقی ۷ اقتباس متفرق نوعیت کے ہیں۔ لیکن عموماً ان کا تعلق کمیونسٹ دستاویز سے ہے۔

میں کیلیفورنیا یونیورسٹی کے شعبۂ پولٹیکل سائنس کے صدر ڈاکٹر آر۔ ایل پارک اور مسٹر فلپ سپریٹ کا بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے اس مسودے پر اپنا کافی وقت صرف کیا۔ اگرچہ اس تصنیف کے خیالات اور دلیلوں کے لئے میں ذمہ دار ہوں لیکن ان حضرات کے قیمتی مشوروں کے بغیر یہ کتاب اتنی مدلل اور جامع نہیں ہو سکتی تھی۔ میں شری اشوک مہتہ کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے ایک مرحلے پر اس کے مسودے کا مطالعہ کیا تھا اور اس کی اشاعت میں مسلسل دلچسپی لیتے رہے۔ انہوں نے متعدد بار اس کتاب کے حق میں رائے دے کر پڑھنے والوں کے ایک بڑے حصہ کو پہلے ہی اس سے روشناس کر دیا ہے۔

رام سروپ

مارچ سنہ ۱۹۵۴ء
نئی دہلی

بابِ اوّل

انقلابی مراحل اور داؤ پیچ کا نظریہ

کمیونزم کا تہیّہ ہے کہ سرمایہ داروں کو تباہ کر دیا جائے۔ لینن اور سٹالن کے مقلدوں کے نزدیک کسان "آخری سرمایہ دار طبقہ" ہیں۔ ظاہر ہے کہ کمیونزم کسانوں کے خاتمۂ وجود کا تہیّہ بھی کئے ہوئے ہے۔

جدلیاتی فریضہ

ایسے لوگوں کی کمی نہیں، جو یہ محسوس کرتے ہوں کہ کمیونزم غریب عوام کا داعی ہے اور اس کے برعکس سرمایہ دارانہ نظام اقلیت کے مفاد کی ترجمانی کرتا ہے، جو امیروں پر مشتمل ہے۔ یہ تصور غلط ہے۔ کمیونزم ایک خاص "طریقۂ پیداوار" کا حامی ہے جو "تاریخی اعتبار سے زیادہ مؤثر اور بار آور ہے"۔ کمیونسٹ پارٹی کا کام یہ نہیں کہ وہ عوام کے حسب منشا ان کے مفاد کی تکمیل کرے۔ بلکہ اس کا کام عمل کی ایسی پالیسیوں پر کاربند ہونا ہے جنہیں "جدلیات تاریخ" کے علم خصوصی کے طفیل صرف کمیونسٹ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ عوام الناس خصوصاً کسان جہاں "اپنی جھونپڑی اور مرغیوں کے ڈربے" سے دور دیکھنے کے اہل نہیں وہاں کمیونسٹ پارٹی "محنت کش طبقے کے ہراول دستے" (۱) کی حیثیت سے پرولتاریہ کی اکثریت کے مقابلے میں یہ فوقیت رکھتی ہے کہ وہ پرولتاری تحریک کے

اصولِ پیش قدمی، ماحول اور اس کے آخری نتائج کو واضح طور پر سمجھ سکتی ہے"۔ (۲)

جدلیاتِ تاریخ کے معاون خصوصی کی حیثیت سے کمیونسٹ پارٹی کا یہ تاریخی فریضہ ہے کہ وہ عوام کو زندگی کے نئے راستے پر دھکیل دے۔ کمیونسٹ مینی فیسٹو کے الفاظ میں کمیونسٹ پارٹی "انتہائی ترقی یافتہ اور مضبوط عنصر ہے" "جو دوسروں کو آگے دھکیلتا ہے"۔ (۳) برسراقتدار آنے کے بعد پارٹی کا مقصد یہ نہیں کہ وہ عوام کی رد کرے جیسا کہ عام لوگ خیال کرتے ہیں۔ بلکہ اس کا مقصد پیداوار کے "بہتر طریقے" کو رائج کرنا ہے جس سے مراد کسانوں کی رہنمائی کر کے سوشلزم اور کمیونزم کے سسٹم کا نفاذ ہے۔ کسانوں کی رہنمائی سے کیا مراد ہے؟ لینن کے قول کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ "طبقوں کے خاتمے کی طرف قدم بڑھایا جائے نہ کہ اس راستے کی طرف جس سے مختصر پیمانے پر پیداوار کرنے والوں کو فائدہ پہنچتا ہو۔ اگر ہم اس مرکزی اور انقلابی راستے سے منحرف ہو جائیں تو ہم سوشلسٹ نہیں رہیں گے۔ اور اپنے آپ کو نیم بورژوا لوگوں کے کیمپ میں پائیں گے۔ جو پرولتاریہ کے بدترین دشمن ہیں" (۴)

چھوٹے پیمانے پر پیداوار اور سوشلزم کا تضاد

کمیونزم نے سرمایہ دارانہ نظام کی تباہی کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ اس سرمایہ دارانہ نظام سے کیا مراد ہے جسے کمیونسٹ تباہ کرنے کے در پے ہیں؟

سرمایہ دارانہ نظام سے کمیونسٹوں کی مراد بڑی بڑی اجارہ داریاں اور ٹرسٹ نہیں بلکہ وہ چیز ہے جسے سٹالن "اشیاء کی پیداوار کا سسٹم" قرار دیتا ہے۔ اور دوسری جگہ اسی کے متعلق یہ لکھتا ہے "قصبوں خصوصاً دیہاتی قصبوں میں چھوٹے پیمانے پر پیداوار کا طریقہ" (۵) لینن بھی اتنی ہی وضاحت کے ساتھ یہی بات کہتا ہے۔ اس کے الفاظ میں سرمایہ دارانہ نظام کی قوت کا راز "چھوٹے پیمانے پر پیداوار" ہی ہے

ایک اور جگہ لینن لکھتا ہے "بدقسمتی سے چھوٹے سے چھوٹے پیمانے پہ پیداوار دنیا میں اب بھی موجود ہے۔ اور پیداوار کا یہ طریقہ ہر دن، ہر لمحہ وسیع پیمانے پر سرمایہ دارانہ نظام کی تقویت کا باعث بن رہا ہے" (۶) کمیونسٹ نظریے کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام کی انتہائی شکل یعنی ریاستی نظام زر (State Capitalism) اور سوشلزم کے درمیان اتنا تضاد ہرگز نہیں جتنا سوشلزم اور چھوٹے پیمانے پہ پیداوار کے درمیان ہے۔ یہ آخری تضاد لاینحل ہے۔ لینن کہتا ہے: "ریاستی نظام زرداری سوشلزم سے برسرِ جنگ نہیں۔ یہ نیم بورژوا اور پرائیویٹ نظام زرداری ہے۔ جو بیک وقت ریاستی نظام زرداری اور سوشلزم سے برسرِ جنگ ہے نیم بورژوا طبقہ سٹیٹ کی ہر مداخلت، ضابطے اور کنٹرول کی مخالفت کرتا ہے۔ خواہ وہ سرمایہ دارانہ سٹیٹ کی طرف سے ہو خواہ سوشلسٹ سٹیٹ کی طرف سے" (۷)

کسانوں اور کمیونسٹوں کا لاینحل تضاد

یہ فیصلہ کرنے کے بعد کہ کمیونزم کے خلاف لڑنے والے دشمن کون ہیں؟ کمیونسٹوں کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ان دشمنوں کے خلاف جنگ کریں۔ یہ دشمن نیم بورژوا طبقے پہ مشتمل ہیں۔ ان صفحات میں ہم ان تمام سرمایہ داروں سے بحث نہیں کریں گے جن کو کمیونسٹ تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ بلکہ ہماری بحث صرف اس عنصر سے ہوگی جسے کمیونسٹ "آخری سرمایہ دار" کہتے ہیں۔ یہ وہی لوگ ہیں، جنہیں معمولی قسم کے لوگ جو زیادہ ٹیکنیکل بھاشا بولنے کے عادی نہیں "کسان" کہتے ہیں۔

سٹالن کہتا ہے کہ "چھوٹے کسانوں والا اقتصادی نظام بنیادی طور پر سرمایہ دارانہ نظام جیسا ہی ہے۔ کیونکہ اس کی بنیاد ذرائع پیداوار کی ذاتی ملکیت پر ہے" (۸) سٹالن کا عقیدہ ہے کہ کسان فطرتاً غیر سوشلسٹ ہیں" (۹) لینن کی

طرح وہ بھی کہتا ہے کہ "پرولتاریہ کے سوشلزمی رجحان کے مقابلے میں کسانوں کا رجحان (اشیاء) کی ملکیت اور سرمایہ دارانہ نظام کی طرف ہوتا ہے۔" (۱۰) سٹالن کا یہاں تک عقیدہ ہے کہ کسانوں اور کمیونسٹ پارٹی کے درمیان جو اختلاف ہے۔ وہ معمولی نوعیت کا نہیں بلکہ بنیادی نوعیت کا ہے۔ اور اسے "بنیادی تضاد" کہا جا سکتا ہے۔ روس کا ذکر کرتے ہوئے وہ رقمطراز ہے "ہمارا ملک دو قسم کے تضادوں کا حامل ہے۔ ایک تضاد وہ اندرونی تضاد ہے جو پرولتاریہ اور کسانوں میں ہے۔ اور دوسرا تضاد وہ خارجی تضاد ہے جو سوشلزم کی دھرتی کی حیثیت سے ہمارے ملک اور دوسرے ملکوں میں ہے۔ جو سرمایہ دارانہ نظام کی سرزمین ہیں۔" (۱۱)

بہ الفاظ دیگر کسی ملک کے پرولتاریہ اور اس کے کسانوں کے درمیان جو تضاد ہے، وہ اپنی نوعیت اور شدت کے اعتبار سے اتنا ہی اہم ہے جتنا اس ملک کے پرولتاریہ اور "بین الاقوامی اجارہ داری پر مبنی" سرمایہ دارانہ نظام" میں کسانوں کے طبقے کو ختم کئے بغیر اس تضاد کا حل ممکن نہیں۔ کسانوں اور پرولتاریہ کے مفادیں تصادم اور تضاد ناگزیر اس لئے ہے کہ "ہمارا سماج جن دو بنیادی طبقوں پر مشتمل ہے ان میں کسانوں کا تعلق اس طبقے کے ساتھ ہے، جس کی اقتصادی زندگی پرائیویٹ جائداد اور چھوٹے پیمانے پر پیداوار کے نظام میں ڈھلی ہوئی ہے۔ جب تک کسان طبقہ، کسان طبقہ رہے گا۔ اور چھوٹے پیمانے پر پیداوار کا سلسلہ جاری رکھے گا یہ اپنی صفوں میں سرمایہ داری کو جنم دیتا رہے گا۔ اور یہ سلسلہ متواتر اور پیہم جاری رہے گا۔" (۱۲)

کسانوں کے ساتھ "متحدہ محاذ" اور اسکی نوعیت

اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام جس کے نمائندے کسان ہیں اور سوشلزم جس کی نمائندگی کمیونسٹ پارٹی کے توسط سے پرولتاری طبقہ کرتا ہے، کا تضاد بنیادی اور لاینحل ہے۔ لیکن یہ حقیقت کسانوں کے ساتھ عارضی طور پر متحدہ محاذ بنانے کے امکان میں حائل نہیں ہوتی۔ واقعہ یہ ہے کہ سوشلزم کے آخری مفادات کی تکمیل کسانوں کے ساتھ متحدہ محاذ بنائے بغیر ممکن نہیں۔ پرولتاریہ اور کسانوں کے مفاد ہم آہنگ نہیں۔ کیونکہ چھوٹے کسانوں کی تمنائیں وہ نہیں جن کے حصول کے لئے مزدور کوشاں ہیں۔" لیکن "لینن کے الفاظ میں" صرف کسانوں کے ساتھ معاہدہ کر کے ہی ہم سوشلزمی انقلاب کو بچا سکتے ہیں۔"

"پرولتاریہ اور کسانوں کے اتحاد" کا کمیونسٹ نعرہ بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے لیکن لینن اور سٹالن کی تعلیمات کا سرسری سا مطالعہ بھی یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ کمیونسٹوں کا اتحاد عام قسم کا اتحاد نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک ایسا مربوط اور طے شدہ اتحاد ہوتا ہے جو صرف پرولتاریہ کے لئے مفید ہو۔ لینن ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ "یہ بات ذہن میں رکھی جائے کہ مزدور طبقہ کے نقطۂ نگاہ سے کوئی اتحاد صرف اسی وقت ممکن، درست اور قابل جواز ہو سکتا ہے اگر وہ مزدور طبقے کی ڈکٹیٹرشپ کی تائید کرے"۔ (۱۳) ۵ جولائی ١٩٢١ء کو کمیونسٹ انٹرنیشنل کی تیسری کانگریس کو اس نے جو رپورٹ پیش کی اس میں لینن مزید رقمطراز ہے "ڈکٹیٹرشپ کا ارفع ترین اصول یہ ہے کہ وہ پرولتاریہ اور کسانوں کے اتحاد کو قائم رکھے۔ تاکہ اول الذکر اپنی رہنمایانہ حیثیت اور سیاسی اقتدار کو برقرار رکھ سکے۔" (۱۴)

سٹالن اس دلیل کو اور آگے لے جاتا ہے۔ اور کہتا ہے "اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پرولتاریہ کو ہر کسان تحریک کی حمایت کرنی چاہئے۔ ہمارے ذہن میں کسانوں کی

صرف وہ تحریکیں اور جد وجہدیں ہیں جو بلا واسطہ یا بالواسطہ پرولتاریہ کی نجات کی جدوجہد کے لئے مفید ہوں۔ کسی نہ کسی طریقے سے پرولتاری انقلاب کی رفتار کو تیز کریں اور کسانوں کو مزدور طبقے کا معاون اور اتحادی بنائیں۔ ہمارے نزدیک صرف اسی قسم کی کسان تحریکیں حمایت کے قابل ہیں۔" (۱۵) ایک اور جگہ سٹالن رقمطراز ہے: "پرولتاری ڈکٹیٹرشپ پرولتاریہ اور محنت کش کسان عوام کا جماعتی اتحاد ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ اس اتحاد کی قوت متحرکہ پرولتاری طبقہ ہے۔" (۱۶)

یہ بات صاف ہے کہ "یہ اتحاد اور متحدہ محاذ" یک طرفہ ہوتا ہے اور اس کی شرطیں صرف کمیونسٹ طے کرتے ہیں۔ اس یک طرفہ پن کی وجہ یہ ہے کہ پارٹی کی رہنمائی میں صرف پرولتاری طبقہ ہی عوام کو سوشلزم کی طرف لے جاسکتا ہے۔ جیسے جدلیات تاریخ نے تقدیر بنا رکھا ہے۔ یہ بات ایسی ہے جسے بہت سے لوگ فراموش کر دیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ "پرولتاریہ اور کسانوں کا اتحاد پرولتاریہ کی اس جدوجہد کا ایک حصہ ہے جس کا مقصد چھوٹے پیمانے پر پیداوار کے اقتصادی نظام کی تشکیل جدید اور اسے سوشلزمی ترقی کے سانچے میں ڈھالنا ہے۔" (۱۷)۔ سٹالن مختلف لفظوں میں یہی خیال پیش کرتا ہے۔ وہ "کسانوں کے مفاد خصوصی" یعنی "جاگیرداروں کا خاتمہ" اور "ملک کے عام مفاد" یعنی "پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ" کی باتیں کرتا ہے اس کے نزدیک مقصد یہ ہے کہ اول الذکر کو ثانی الذکر کا "ماتحت بنایا جائے۔" (۱۸)

پرولتاریہ اور کسانوں کے باہمی تعلقات کا جائزہ لیتے ہوئے سٹالن غیر مبہم لفظوں میں لکھتا ہے "بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ لینن ازم میں بنیادی چیز کسانوں کا مسئلہ ہے۔ اور لینن کی جدت پسندی کا تعلق بھی اس چیز کے ساتھ وابستہ ہے کہ اس نے کسانوں کے طبقے کے کردار کی نسبتی اہمیت کو اجاگر کیا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ لینن ازم کے بنیادی مسئلے اور لینن کے ابداع کا تعلق کسانوں کے مسئلے سے ہرگز نہیں۔ بلکہ پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ

کے ساتھ ہے۔ اس کا تعلق ان حالات کے ساتھ ہے جن میں یہ ڈکٹیٹرشپ قائم کی جا سکتی ہے اور اسے مستحکم کیا جا سکتا ہے۔ پرولتاریہ کی جدوجہد اقتدار میں کسانوں کی حیثیت ایک معاون کی ہے۔ لہذا ان کا مسئلہ ایک ذیلی حیثیت رکھتا ہے۔" (۱۹)

مندرجہ بالا اقتباس ظاہر کرتے ہیں کہ کمیونسٹ رہنماؤں کے نزدیک کسانوں کا مسئلہ صرف ایک ذیلی مسئلہ ہے۔ ایک ایسے ساتھی کا مسئلہ جو پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کے بنیادی مقصد کا ایک جزو ہے۔ کسانوں کی اہمیت صرف اسی حد تک ہے کہ وہ پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کے قیام اور اس کے استحکام کے لئے مفید ہیں۔

متحدہ محاذ کی حکمتِ عملی

متحدہ محاذ کی نوعیت پر غور کرنے کے بعد ہم اس کی حکمتِ عملی پر غور کرتے ہیں۔ کمیونسٹوں کے سامنے اولاً ایک دور کا مقصد ہوتا ہے لیکن دور کے مقصد کا فیصلہ کرتے وقت مختصر وقفے کی فتوحات کے ایک سلسلے کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر دور کا مقصد جو پرولتاری ڈکٹیٹرشپ کا قیام ہے۔ بہ اقساط حاصل کیا جائے گا۔ کمیونسٹ اصطلاحات میں اسے "انقلاب کے مرحلے" کہا جاتا ہے۔ ان مرحلوں کے بھی ذیلی مرحلے ہوتے ہیں جن کے لئے الگ الگ نعروں اور حکمتِ عملی کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

"انقلاب کے مرحلے کا تعین، اس وقت کی جماعتی ترتیب، طبقاتی احساس کی پختگی، اور طبقاتی کش مکش کی بنا پر کیا جاتا ہے۔ حکمتِ عملی انقلاب کے مقررہ مرحلے کے مطابق طے کی جاتی ہے۔ یہ حکمتِ عملی انقلاب کے ہر مرحلے کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ لیکن ایک مقررہ مرحلے کے دوران اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔" (۲۰)

حکمتِ عملی کے تعین سے مراد یہ ہوتی ہے کہ "انقلاب کے کسی خاص مرحلے پر پرولتاریہ کے مرکزی حملے کی سمت طے کی جائے۔ اور یہ سکیم تیار کی جائے کہ اس وقت انقلابی قوتوں کی

تقسیم کس طریق پر ہونی چاہیئے"(۲۱)

انقلاب کے ایک خاص مرحلے پر پرولتاریہ کے بنیادی حملے کی سمت طے کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس وقت دشمن خصوصی کون ہے۔ انقلابی قوتوں کی تقسیم کا طریق طے کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس وقت انقلابی جدوجہد کے سلسلے میں کن کن گروہوں کو حلیف بنایا جا سکتا ہے۔

"دشمن" اور "ساتھی" انقلابی مرحلے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

کمیونسٹوں کے مقاصد عمومی پر بحث کرنے کے بعد یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ان مقاصد کا کسانوں کو تباہ کرنے کے دور کے مقصد کے ساتھ تعلق معلوم کیا جائے اور یہ معلوم کیا جائے کہ اس تباہی کے مختلف مرحلے کیا ہوں گے۔ اور ہر مرحلے پر کیا کیا حکمت عملی اختیار کی جائے گی۔

یہ بات شک و شبہہ سے بالا ہے کہ کسان دشمن ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ تمام کسان دشمنوں کے ساتھ بہ یک وقت نپٹ لیا جائے۔ اس کے برعکس ضروری یہ ہے کہ کسانوں کے مختلف گروہوں کے باہمی اختلافوں کا پتہ لگایا جائے۔ اور ان تضادوں کو ان کی تباہی کے لئے استعمال کیا جائے۔ کسان چونکہ سرمایہ داروں کی آخری صف میں ہیں اس لئے پہلے ان کی مدد کے ساتھ سرمایہ داروں کی پہلی صف کے ساتھ لڑنا چاہیئے۔ اس کے بعد آخری صف کا خاتمہ ان اختلافوں سے فائدہ اٹھا کر کرنا چاہیئے جو خود اس کے اندر موجود ہوں۔

ہر مرحلے پر دو مقاصد پیش نظر ہوتے ہیں (۱) طبقات کی ترتیب کا صحیح مارکسی تجزیہ اور (۲) صحیح مارکسی تجزیہ سے حاصل شدہ علم سے فائدہ اٹھا کر خالص مارکسی انداز میں اصول جنگ طے کرنا۔ تجزیہ کسی خاص مرحلے پر دوست، دشمن اور مددگاروں کے تعین میں مدد دیتا ہے اور انقلابی اصول جنگ طے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دشمن کو الگ تھلگ کیا جائے، متذبذب لوگوں کو غیر جانبدار بنایا جائے اور اگر ممکن ہو تو ان کو مددگار بھی بنا لیا جائے۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ کس کی مدد سے کس کو ختم کیا جائے۔ مارکسی تجزیئے کا فرض یہی ہے، کہ وہ اس سوال کا صحیح جواب دے۔ اصول جنگ کا فرض اس جواب کو عملی جامہ پہنانا ہے جو مارکسی طریق سے حاصل ہو۔

لینن اور مارکس نے اس سوال پر تفصیلی انداز میں بحث کی ہے۔ اور اپنے لفظوں اور اپنے افعال سے باقی دنیا کے کمیونسٹوں کے لئے ایک مثال قائم کر دی ہے۔ انہوں نے عمل اور نظریئے کے میدان میں جو اصول طے کئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ ان سے کوئی انحراف ممکن نہیں

اس عمومی مقصد کا تہیہ کرنے کے بعد کہ کسانوں کو تباہ کیا جائے لینن اور سٹالن مندرجہ ذیل سوالوں کے جوابوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ (۱) کسانوں کے اندر باہمی تضاد کیا کیا ہیں؟ (۲) کس کس مرحلے پر کن کن تضادوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے؟ اور (۳) خاص خاص صورتوں میں کون کون سے واضح نعرے لگانے چاہئیں۔

کسانوں کے باہمی تضاد

دشمن کو پہچانو۔ اس کی قوت اور اس کی کمزوریوں کو پہچانو۔ اگر یہ معلوم ہو کہ دشمن کے طبقے میں کس کس قسم کے گروہ شامل ہیں۔ تو یہ معلوم کرنا مشکل نہیں کہ ایک کو کس طرح الگ تھلگ کیا جائے۔ دوسرے کو کس طرح مفلوج بنایا جائے۔ اور تیسرے کو کس طرح اپنی حمایت پر آمادہ کیا جائے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ کسی سٹیج پر دشمنوں کو آپس میں کس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے اور اس مقصد کے لئے اس وقت کیا کیا نعرے لگانے چاہئیں۔ تو سمجھ لو کہ نصف لڑائی جیتی جا چکی ہے۔ مارکس، لینن اور سٹالن کی تعلیمات کے مطابق ان "تضادوں" کا پتہ لگانا بہت ضروری ہے۔ ان تضادوں کی اہمیت کو کم کرنا ان تعلیمات سے انحراف کرنا ہے۔ اور انحراف کی سزا کمیونسٹ شریعت میں موت ہے۔

سٹالن کہتا ہے:- "ہمارے ملک میں تضاد ہیں۔ کسان مختلف سماجی طبقوں کا مجموعہ

ہیں... یہ سب باتیں بدیہی ہیں ــــ لیکن بخارن معاملے کو اس سے کسی قدر مختلف سمجھتا ہے
اس نے کسانوں کے طبقے کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں باہمی اختلاف نظر نہیں آتے، سماجی
گروپوں کا وجود معدوم ہے۔ صرف ایک چیز باقی رہ جاتی ہے ــــ دیہاتی۔ اس کے نزدیک
دیہات افلاس اور پامالی کی یکرنگی تصویر پیش کرتے ہیں"۔ (۲۲) اس انحراف کا تعلق دائیں
بازو کے رجحانوں سے تھا۔ ایک ایسا انحراف بھی ہے جو بائیں طرف کو لے جاتا ہے۔ یہ انحراف
ٹراٹسکی نے کیا تھا۔ وہ "دیہاتی اضلاع میں غریب کسانوں اور کلکوں کے ماسوا اور کسی سماجی
گروپ کو نہیں دیکھتا ہے۔ اور طبقہ متوسط کے کسانوں کو نظرانداز کر دیتا ہے"۔ (۲۳)

تضادوں اور امتیازوں کو نظرانداز کرنا لینن ازم کی رُو سے گناہ کبیرہ ہے۔ کیونکہ
اصولِ حرب کا تمام تر انحصار انہیں تضادوں اور امتیازوں پر ہے۔ مایا جوں تک کو کسی نہ کسی
ضمنی سماجی گروہ میں رکھنا ضروری ہے۔ لینن ازم کو ممکن الفہم بنانے کے لئے لینن نے کسانوں
کے اندر متعدد سماجی گروہ دریافت کئے، ان سماجی گروہوں کے ماتھے پر مختلف لیبل لگائے
اور ساتھ ہی یہ بھی طے کر دیا کہ انقلاب کے مختلف مرحلوں میں ان طبقوں کا آپس میں اور
پرولتاریہ کے تئیں کیا طرزِ عمل ہوگا۔ لینن نے جو گروہ بندی کی ہے اس کا تعلق صرف
روسی کسانوں سے نہیں بلکہ اس کی تقسیم عالمگیر ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ کمیونسٹ انٹرنیشنل کی
دوسری کانگریس کو زرعی مسائل کے متعلق اپنے مقالے کا اس نے جو ابتدائی خاکہ پیش کیا تھا
اس میں اِن گروہوں کی تفصیل پیش کی تھی۔ یہ گروپ حسب ذیل ہیں:-

(۱) زرعی پرولتاریہ یعنی تنخواہ پر کام کرنے والے کھیت مزدور۔ سوویٹ سرکار کے لئے
ان کی تائید حاصل کرنا تمام ملکوں کی کمیونسٹ پارٹیوں کا بنیادی فریضہ ہے۔ (۲) نیم پرولتاری
یا نیم کسان یہ لوگ ایسے ہیں جو اپنی نصف روزی تو سرمایہ داروں کے کھیتوں یا کارخانوں
میں محنت کر کے حاصل کرتے ہیں۔ اور نصف اپنے یا بٹائی پر لئے ہوئے زمین کے ٹکڑوں
پر کاشت کر کے۔ اگر کمیونسٹ پارٹی کی سرگرمیوں کی تنظیم مناسب طریق پر کی جائے تو

اس طبقے کی مدد یقینی طور پر حاصل کی جاسکتی ہے (۳) چھوٹے کسان یا چھوٹے کاشتکار۔ یہ لوگ ایسے ہیں جن کے پاس یا تو اپنے کھیت ہیں اور یا انہوں نے بٹائی پر زمین لی ہوئی ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ اُجرتی کاشتکاروں کی مدد حاصل کئے بغیر اپنا اور اپنے خاندان کا گذارہ چلا لیتے ہیں۔

عام طور پر پہلے دو گروہ انقلاب کی مدد کریں گے۔ تیسرا گروہ جو اشیائے ضروریہ کی فروخت کرنے والا ہے اسے منافع بازی اور مالکانہ عادات نے بد دیانت بنا دیا ہے۔ لیکن یہ تیسرا گروہ بھی پہلے دو گروہوں کے ساتھ مل کر "انقلابی پرولتاریہ کی سرگرم مدد کر سکتا ہے۔ البتہ یہ مدد اس وقت شروع ہوگی، جب پرولتاریہ سیاسی طاقت حاصل کر لے گا" (۲۵)

(۴) طبقۂ متوسط کے کسان۔ ان میں سے کچھ زمین کے مالک ہوتے ہیں اور کچھ مزارع۔ عام طور پر اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ ان کے پاس کچھ فالتو اناج بچ رہے اور کم سے کم ایسے زمانے میں جو خوشحالی کا زمانہ ہو۔ وہ اسے سرمائے میں منتقل کر لیں۔ اس گروپ کے کردار کے متعلق لینن کہتا ہے "انقلابی پرولتاریہ اس طبقے کو اپنے ساتھ لانے کی کوشش شروع نہیں کر سکتا خصوصاً بہت جلد یا پرولتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ کے ابتدائی دور میں اس کوشش کو شروع کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اسے اپنی کوشش صرف یہاں تک محدود رکھنی چاہیئے۔ کہ اس طبقے کو غیر جانبدار بنایا جائے۔ تاکہ وہ پرولتاریہ اور طبقۂ بورژوا کی جنگ میں کسی کا بھی ساتھ نہ دے"

(۵) بڑے بڑے کسان اور زرعی سرمایہ دار۔ یہ لوگ عام طور پر بہت سے محنت کش کاشتکاروں کی خدمات اجرت پر حاصل کر لیتے ہیں۔ کسانوں کے طبقے کے ساتھ ان کا تعلق صرف اسی قدر ہے کہ وہ تمدنی طور پر پسماندہ ہیں۔ ان کی رہن سہن کی عادتیں بھی کسانوں کی طرح گھٹیا ہیں اور وہ اپنے کھیتوں پر تھوڑا بہت کام اپنے ہاتھوں سے بھی کرتے ہیں۔ لینن کے نزدیک یہ گروپ طبقۂ بورژوا کا سب سے بڑا گروپ ہے۔ جو انقلابی پرولتاریہ کا راسخ ترین دشمن ہے

"لہٰذا انقلابی پرولتاریہ کو کارخانہ دار سرمایہ داروں کا تختہ اُلٹنے کے ساتھ ساتھ اس سماجی طبقے کو بھی مکمل طور پر غیر مسلح کر دینا چاہئیے۔ اور اس مقصد کے لئے مناسب قوتوں کی تنظیم کے سلسلے میں نظریاتی اور تنظیمی تیاریاں فوراً شروع کر دینی چاہئیں۔ جہاں کہیں یہ طبقہ معمولی سے معمولی مزاحمت بھی کرے اس پر فوراً بے رحمانہ اور بھرپور چوٹ لگانی چاہئیے" (۲۷)

انقلاب کے مرحلے

ہمارے کمیونسٹ "پروگرام" کو مختلف انقلابی مرحلوں میں بانٹا گیا ہے جہاں تک کسان مسئلے کا تعلق ہے۔ سٹالن نے روسی انقلاب کی تاریخ کو عمومی طور پر تین مرحلوں میں بانٹ دیا ہے۔ یہ تقسیم دوسرے ملکوں کے لئے بھی ماڈل کا کام دے سکتی ہے۔ یہ مرحلے حسب ذیل ہیں:- (۱) انقلاب سے پہلے (۲) انقلاب کے فوراً بعد اور (۳) انقلاب کے کافی وقفے کے بعد، جب کمیونسٹ مکمل طور پر برسر اقتدار آ جائیں۔

اِن اَدوار کے مطابق مختلف نعرے اور مختلف اصول جنگ بھی وضع کئے گئے ہیں۔ جس چیز کا وعدہ ایک مرحلے پر کیا جائے اسے دوسرے مرحلے پر عملی جامہ پہنانا ضروری نہیں جو متحدہ محاذ آج بنایا جائے اسے کل توڑا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ ممکن ہے کہ ایک مرحلے کے کاموں کو دوسرے مرحلے کے فرائض کے ساتھ خلط ملط کر دیا جائے۔ اس چیز کو کم سے کم "سائنٹیفک ضمیر" کا نام تو نہیں دیا جا سکتا۔

پہلا دَور۔ انقلاب کی تیاریاں

انقلاب سے پہلے کے دَور میں شہری بورژوا اور جاگیرداروں کے خلاف لڑنا ہوتا ہے۔ اس دور میں کسانوں کے طبقے کے باہمی تضادوں پر زور نہیں دیا جاتا۔ اس دَور میں سامریٹا ماخوف کو لینن پر یہ الزام لگانا پڑا تھا کہ "وہ کسانوں کو ایسا سمجھتے ہیں جیسے وہ کوئی

یکرنگ طبقہ ہوں" (۲۸) انقلاب کے بعد یہ لینن کا گروپ تھا جس نے اپوزیشن پر یہی الزام لگایا۔ اس میں کوئی تضاد نہیں تھا۔ انقلاب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ شہری بورژوا اور جاگیر داروں کو کسانوں سے الگ تھلگ کیا جائے اور آخرالذکر کی مدد سے ان کے خلاف جنگ کیجائے انقلاب کے بعد جب پہلا کام پورا ہو گیا تو یہ سوال سامنے آیا کہ کسانوں کو ان کے اندرونی تضادوں کا سہارا لے کر فنا کے گھاٹ اتارا جائے۔ یہ بات بالکل منطقی ہے کہ انقلاب سے پہلے کچھ تضادوں کو نظرانداز کر دیا جائے اور انقلاب کے بعد ان کو نمایاں کرنے کے لئے زور لگا دیا جائے۔ لینن نے یہ بات مندرجہ ذیل الفاظ میں واضح طور پر کہہ دی تھی "پہلے ہم کسانوں کو مجموعی طور پر جاگیرداروں کے سامنے کھڑا کرتے ہیں۔ اور اس معاملے میں ان کی حمایت کرتے ہیں لیکن یہ حمایت لازمی طور پر ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد (غالباً اس کے بعد نہیں بلکہ اس کے ساتھ ہی) ہمیں پرولتاریہ کی کسانوں کے خلاف حمایت کرنا ہوگی" (۲۹)

اس مرحلے پر بھی جب کمیونسٹ کسانوں کی عمومی حمایت کرتے ہیں۔ یہ حمایت صرف "کسان بغاوتوں کی حمایت" (۳۰) تک محدود ہوتی ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھتی۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ "جاگیرداری کے خاتمے" کا نعرہ لگا کر کسانوں کو کس طرح آمادہ عمل کیا جائے۔ اور جاگیرداروں کے خلاف ابھارا جائے۔ اس مرحلے پر کسانوں کو معلوم ہو جانا چاہیئے کہ سوشل ڈیموکریٹک پرولتاریہ ان کی حمایت کرتے وقت اراضی کی ضبطی کی کسی بھی شکل سے گریز نہیں کرے گا" (۳۱) لیکن جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ یہ ضبط شدہ زمین کس کو ملے گی۔ لینن غیر مبہم لفظوں میں جواب دیتا ہے "ہم اس سوال پہ حاشیہ آرائی نہیں کرتے۔ اور نہ تقسیم یا مشترکہ ملکیت کا کوئی وعدہ کرتے ہیں۔ ہم صرف اتنا کہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کے لئے ہم بعد میں جہاد کریں گے۔ یہ جہاد نئے میدان میں ہو گا۔ اور اس میں ہمارے ساتھی بھی تبدیل ہو جائیں گے" (۳۲)

بالشویک کسانوں کی ہر بغاوت میں ان کی مدد کریں گے۔ اور اس معاملے میں کہا تو یکی

سرگرم حمایت کریں گے۔ کہ وہ جاگیرداروں کی آراضی ضبط کر لیں۔ معاملہ یہیں ختم ہو جاتا ہے جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ یہ زمین بالآخر کس کی ملکیت بنے گی۔ کمیونسٹ اس کا فیصلہ بعد میں کریں گے اور یہ فیصلہ کرتے وقت ان کے ساتھی بدل چکے ہوں گے۔

لینن اگر اس نکتے پر خاموش رہتا ہے اور اپنے آپ کو کسی بات کا پابند نہیں بناتا تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ان واقعات سے بے خبر ہو جو کل پیش آ سکتے ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے آئندہ واقعات کا ضرورت سے زیادہ علم ہے۔ وہ کہتا ہے: "اگر ہم فوری طور پر ہر چیز کو سماجی ملکیت بنانے کا وعدہ نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں یہ علم ہے کہ اس مقصد کے لیے کن کن چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ خود کسانوں کی صفوں میں جو نیا جماعتی تضاد پرورش پا رہا ہے ہم اس کی پردہ پوشی نہیں کرتے۔ بلکہ اسے اجاگر کرتے ہیں۔" (۴۳)

وہ پھر کہتا ہے: "اگر ہم جوئی اسائنٹیفک ضمیر کی خلاف ورزی اور سستی شہرت کا حصول مقصود نہ ہو تو ہم صرف ایک بات کہہ سکتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم کسانوں کے تمام طبقے کی اس معاملے میں مدد کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے کہ وہ جمہوری انقلاب لاسکے۔ اس رد کا مقصد یہ ہوگا کہ ہمارے لیے جو پرولتاریہ کی پارٹی ہیں، جمہوری انقلاب کے بعد ایک نئے اور بہتر کام یعنی سوشلزمی انقلاب کی طرف جلدی سے قدم بڑھانا ممکن ہو سکے۔ ہم موجودہ کسان بغاوت کی کامیابی کے نتیجے کے طور پر وحدت، مساوات یا اجتماعی ملکیت کا کوئی وعدہ نہیں کرتے اس کے برعکس ہم نئی جدوجہد، نئی عدم مساوات اور ایک نئے انقلاب کا وعدہ کرتے ہیں۔ جن کے لیے ہم کوشاں ہیں۔" (۴۴)

ان باتوں پر منافقت کا الزام لگ سکتا ہے لیکن سچی بات صرف یہی ہے۔ لینن ہم سب کو یقین دلاتا ہے: "مارکسیت کی تمام روح اس دوہرے کام میں مرتکز ہے۔ صرف وہی لوگ جو مارکسیت کو نہیں سمجھتے عامیانہ انداز میں اسے سادہ طریق پر واحد آسان کام سمجھتے ہیں۔" (۴۵)

دوسرا دور ــــ انقلاب کے دوران اور اس کے فوراً بعد

پہلے لینن کسانوں کے طبقے کا ذکر بہ حیثیت مجموعی کیا کرتا تھا۔ لیکن جیسے جیسے انقلاب پختہ تر ہوتا گیا وہ کسانوں کے اندر مفید تضاد ڈھونڈنے لگا۔ اس نے مشورہ دیا "سوویٹ کسانوں کے نمائندگان کو لازمی طور پر منتشر کئے بغیر پرولتاریہ کی پارٹی کو یہ ضرورت واضح طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ زرعی مزدوروں کے نمائندگان کی الگ سوویٹ بنائی جائے۔ اور غریب یعنی نیم پرولتاری کسانوں کے نمائندوں کی الگ۔ کم سے کم یہ ضرور ہونا چاہئے کہ دوسری قسم کے کسانوں کے نمائندوں کی الگ کانفرنس بلائی جائے اور کسان نمائندوں کی عام سوویٹوں کے اندر ان کی الگ پارٹی یا گروپ کی حیثیت سے تنظیم کی جائے۔ ورنہ کسانوں کے متعلق عمومی اور ہمہ گیر انداز کی سرمایہ دارانہ اور نیم بورژوائی گفتگو اس دھوکے کا جواز بن جائے گی۔ جس کا شکار خوشحال کسان جائیداد سے محروم عوام کسان کو بنانا چاہتے ہیں یہ خوشحال کسان پونجی وادیوں کا ہی ایک طبقہ ہیں اور کچھ نہیں۔" (۳۶)

اسی عرصے کے دوران یعنی اپریل ۱۹۱۷ء میں لینن کی رہنمائی میں بولشویکوں نے زرعی سوال پر ایک ریزولیوشن پاس کیا جس نے جاگیرداری کے خاتمے کے نعرے کی بجائے ایک اور نعرے کا آغاز کیا۔ یہ نعرہ تھا "زمین کو قومی ملکیت قرار دینا۔" "زمین کو قومی ملکیت قرار دینا" بھی "ایک بورژوائی نعرہ" تھا (۳۷) لیکن اس وقت صرف یہی نعرہ بلند کیا جا سکتا تھا۔

وہ "نئی جدوجہد" جسے لینن نے "بعد میں لڑنے" کا وعدہ کیا تھا۔ شروع ہو چکی تھی اس نے نئے دشمن دریافت کر لئے تھے۔ اب سوال یہ تھا کہ نئے حلیف دریافت کئے جائیں۔ نئے دشمنوں کو نئے قوانین، ٹیکسوں، جائیداد کی ضبطیوں اور زمین کو قومی ملکیت قرار دے کر پامال کیا جاتا تھا۔ اور نئے حلیفوں کو زمین کی رشوتیں دے کر اور ان چیزوں

کی مدد سے جن کو لینن نے "عبوری تجاویز" کا نام دیا تھا نوازا جاتا تھا۔ اگرچہ بطور عطیہ دی گئی اس زمین کو بھی کسانوں کی عام زمین کی طرح صورتِ حال کے بہتر ہوتے ہی ضبط کر لینا مقصود تھا۔ صورت حال کی بہتری سے مراد وہ وقت تھا جب کمیونسٹ پارٹی اپنے اقتدار کو مستحکم کر لے۔ وقتی طور پر ان غریب کسانوں کی تھوڑی بہت حوصلہ افزائی ضروری تھی۔ جو کسانوں کے ایک اور طبقے کے خلاف پرولتاریہ کی جنگ میں اس کی مدد کرے اس سلسلے میں لینن کا کہنا یہ تھا کہ مزدوروں کو چھوٹے چھوٹے محنت کش اور مجبور کسانوں کے عبوری دور کے مطالبے ضرور ماننے پڑیں گے۔" (۳۸)

تیسرا دور ــــــ انقلاب کے بعد

جوں ہی پارٹی پوری طرح اقتدار پر قابض ہو جائے۔ وہ کسانوں کے ساتھ کیے گئے تمام وعدوں سے منحرف ہو سکتی ہے اور اس زمین کو از سرِ نو چھین سکتی ہے جو عارضی طور پر "چھوٹے، محنت کش اور مجبور" کسانوں کو دینے کے لیے وہ مجبور ہو گئی تھی۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔ جو مشکل تر ہے۔ لینن کے الفاظ میں "زار کو بھگانا مشکل نہیں تھا۔ اس کے لیے چند ماہ کافی تھے۔ اور سرمایہ داروں کو بھگا دینا بھی مشکل نہ تھا لیکن طبقات کو ختم کرنا بہت مشکل کام ہے۔ مزدوروں اور کسانوں کی تقسیم اب بھی قائم ہے۔" (۳۹) طبقاتی تقسیم کس طرح مٹے گی؟ کسان طبقے یا کم سے کم اس کے کلک حصے کو مٹا کر اور باقیوں کی "تربیتِ جدید" سے۔ "جو کسان امیر ہیں ان کی مزاحمت کو توڑنے کے لیے ان کسانوں کو جو محنت کش ہیں" (۴۰) اپنے ساتھ ملا لیا جائے گا۔ اس کے بعد تمام کسانوں کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ مشترکہ اسکیم اور مشترکہ انتظام کے ماتحت مشترکہ زمین پر کام کریں۔" (۴۱) اس طرح پرولتاری جدوجہد کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ یہ مقصد صرف اس طرح پورا نہیں ہوتا کہ زار کا تختہ الٹ دیا جائے۔ اور جاگیرداروں اور سرمایہ داروں

کو مار بھگایا جائے۔" (۴۲) یہ کام "وہ سسٹم پورا کرے گا، جسے ہم پرولتاریہ ڈکٹیٹرشپ کہتے ہیں"۔ (۴۳)

اس کام کی تکمیل کے لئے "آخری سرمایہ داروں" کے درمیان پھوٹ ڈالنا ضروری ہے تاکہ انہیں یکے بعد دیگرے ختم کرتے ہوئے "آخری سرمایہ داروں" کے آخری دستے کو بے رحمی سے کچل دیا جائے۔ ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ زار جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو مار بھگانے حتیٰ کہ "پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کے قیام کے بعد بھی" طبقاتی جدوجہد ختم نہیں ہوتی (جیسا کہ قدیم سوشلزم اور قدیم سوشل ڈیموکریسی کے بعض گھٹیا نمائندے خیال کرتے ہیں)، بلکہ اپنی شکل بدل دیتی ہے اور بعض حالتوں میں تو اس کی نوعیت شدید تر ہو جاتی ہے۔" (۴۴) سٹالن کے غیر مبہم لفظوں میں "پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ طبقاتی جدوجہد کی شدید ترین شکل ہے"۔ (۴۵)

اس مرحلے پر کسانوں کا طبقہ واحد غیر پرولتاری طبقہ ہوتا ہے۔ جس کے خلاف اس کی شدت کو استعمال کیا جا سکے۔ سٹالن کو اس کا اعتراف ہے۔ کامریڈ یانسکی کے جواب میں وہ لکھتا ہے: "ہم نے اکتوبر کی طرف پرولتاریہ اور غریب کسانوں کی ڈکٹیٹرشپ کا نعرہ لگا کر سفر کیا تھا۔ اور اکتوبر میں ہم نے رسمی طور پر اسے عملی جامہ پہنا دیا تھا۔ بائیں بازو کے سوشلسٹ انقلابیوں کی یلغار کے بعد جب لیڈرشپ مکمل طور پر ایک پارٹی یعنی ہماری پارٹی کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ تو پرولتاریہ اور غریب کسانوں کی ڈکٹیٹرشپ کا وجود رسمی طور پر ختم ہو گیا۔ ہماری پارٹی سٹیٹ کی رہنمائی میں نہ تو کسی اور پارٹی کو شریک کرتی ہے نہ کر سکتی ہے۔ اسے ہم پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کا نام دیتے ہیں۔" (۴۶)

مصلحت پر مبنی نعرے

کمیونسٹوں کے ان نعروں سے گمراہ ہو جانا بہت آسان ہے جن کو وہ فوری مقاصد

کے لئے بلند کریں۔ ان نعروں سے یہ بدگمانی بہ آسانی ہو سکتی ہے کہ وہ کمیونزم کے آخری مقصد کا اظہار کرتے ہیں۔ لوگ دھوکا اس لئے کھا جاتے ہیں کہ یہ نعرے جان بوجھ کر غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ دھوکے اور غلط فہمی سے بچنے کا کامیاب ترین طریقہ یہ ہے کہ ان نعروں کو اچھی طرح سمجھا جائے۔ اور یہ معلوم کیا جائے کہ کمیونسٹوں کے نزدیک ان نعروں کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

لینن کے قول کے مطابق "ہر انقلاب کا بنیادی مسئلہ اقتدار کا سوال ہے"۔ (۴۷) سٹالن کے لفظوں میں انقلاب کا بنیادی سوال یہ ہے کہ "کس طبقے یا کن طبقوں کے ہاتھ میں طاقت کا ارتکاز ہوتا ہے کس طبقے یا کن طبقوں کا تختہ الٹا جائے۔ اور کون سا طبقہ یا طبقے اقتدار سنبھالیں"۔ (۴۸) قصہ کوتاہ۔ سٹالن یہ کہتا ہے کہ انقلاب کی جنگی چالوں کا فیصلہ اس مقصد کے پیش نظر ہونا چاہیئے کہ پارٹی سٹیٹ کی طاقت پر قبضہ کر سکے۔ جنگی چالوں سے مراد یہ ہے کہ انقلاب کے مختلف مرحلوں پر مختلف طبقوں کے ساتھ اتحاد کئے جائیں اور مختلف طبقوں کے ساتھ دشمنی۔ ان مرحلوں کے مطابق بعض بنیادی لیکن ہنگامی نعرے مقرر کئے جاتے ہیں۔ جو انقلاب کے کسی خاص مرحلے کے دوران ہی مناسب اور درست سمجھے جاتے ہیں۔ ان جنگی نعروں کی صحت کا کسی خاص دور' یا موقع کی "شکستوں' پسپائیوں' ناکامیوں یا طریق کار کی غلطیوں" سے ہرگز ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ سٹالن کے لفظوں میں "پارٹی کے بنیادی نعرے کے سوال کو اس سوال سے خلط ملط کرنا نہیں چاہیئے کہ کسی خاص وقت پر اس نعرے سے پیدا ہونے والے مطالبات خصوصی کو پورا کرنا ہے"۔ (۴۹)

کسی کمیونسٹ نعرے کو کسی خاص دور کی ماحولی ضرورتوں کے پیش نظر ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس نعرے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی خاص طبقے کو دوست بنایا جائے۔ کسی خاص طبقے کو غیر جانبدار بنا دیا جائے اور کسی خاص طبقے کو فنا کے گھاٹ

اُبھارا جائے "بورژوائی ڈیموکریٹک انقلاب" کے وقت جو نعرہ بلند کیا جائے گا۔
وہ اس دور کے نعرے سے مختلف ہو گا۔ جسے "سوشلسٹ انقلاب" کا نام دیا جاتا ہے۔
سٹالن اس خیال کو ان لفظوں میں پیش کرتا ہے" جمہوری انقلاب کے لئے تمام
کسانوں کو طبقۂ اشرافیہ کے خلاف متحد کرنا اور طبقۂ بورژوا کو غیر جانبدار بنانا۔
سوشلسٹ انقلاب کے لئے غریب کسانوں اور عام آبادی کے نیم پرولتاری عناصر
کو طبقۂ بورژوا کے خلاف متحد کرنا اور شہروں اور قصبوں کے نیم بورژوائی عناصر
کو غیر جانبدار بنانا۔" (۵۰)

دو ادوار کے دو نعروں کو آپس میں ملانا "غلطی" ہے۔ سٹالن نے یانسکی سے
کہا تھا، "تم اس غلطی کا ارتکاب اس لئے کرتے ہو کیونکہ تم اس آسان بات کو نہیں سمجھ
سکے کہ کسی ہنگامی نعرے کے بنیادی مفہوم کا تعلق انقلاب کے کسی خاص مرحلے
کے مسئلہ اقتدار سے وابستہ ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ کس طبقے کا تختہ اُلٹنا ہے اور
کس طبقے کے ہاتھ میں طاقت منتقل ہو رہی ہے۔" (۵۱)

کمیونسٹ نعرے اٹکل پچو نہیں ہوتے اور نہ انہیں سرسری طور پر بلند کیا جاتا
ہے۔ وہ اس چیز کے خلاف جسے سرمایہ دارانہ عناصر کہا جاتا ہے، سوشلزم کے جارحانہ
اقدامات کی واحد مسلسل زنجیر کی مختلف کڑیاں ہوتے ہیں۔" (۵۲) اگرچہ کمیونسٹ
نظام میں کوئی نعرہ الگ نہیں ہوتا اور جارحانہ کارروائی کی دور رس اسکیم کا ایک حصہ
ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر ہر نعرے کو ایک الگ اور منفرد واقعہ سمجھا جاتا ہے، اور
اسی طرح اس کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ "کسانوں کو زمین دو" یہ ایک
شریفانہ نعرہ ہے جسے بہت سے ذہین اور منصف مزاج لوگ پسند کریں گے لیکن
جب یہ نعرہ کمیونسٹوں کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس کا مطلب وہ نہیں ہوتا۔ جو
اس کے لفظوں سے ظاہر ہے۔ جب یہ نعرہ کمیونسٹوں کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس

کا مطلب کسانوں کی وسیع پیمانے پر جائیداد کی ضبطی اور کمیونسٹ افسروں اور کمیونسٹ خفیہ پولیس کی حکومت کے ماتحت ان کو اجتماعیت کے سانچے میں ڈھالنے کے پروگرام کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ کمیونسٹ اصطلاح میں یہ نعرہ "آخری سرمایہ داروں" کے خلاف سوشلزم کی جارحانہ کارروائی کی مسلسل اور واحد زنجیر کی ایک کڑی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ اور یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ مشرق میں یہ آخری سرمایہ دار انسانی آبادی کا اسی فیصدی حصہ ہیں۔

خلاصۂ بیان

کمیونسٹ پارٹی کا کام کمیونزم کا قیام ہے۔ لیکن کمیونزم اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک کسانوں اور کاشتکاروں کو جو "فطرتاً غیر سوشلسٹ" ہیں ختم نہیں کیا جاتا۔

یہ کام بہت دُور کا ہے اور اسے پورا کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اُسے بہ اقساط پورا کیا جائے۔ ان قسطوں کو انقلاب کے مرحلے کہا جاتا ہے۔ ہر مرحلہ انقلاب کی مسلسل زنجیر کی ایک کڑی ہوتا ہے۔ لیکن ہر مرحلے کے لئے الگ طریقِ جنگ اور مخصوص نعرے وضع کئے جاتے ہیں۔

عام لفظوں میں مخصوص طریقِ جنگ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ "اپنے دشمنوں کے اندر مفاد کے تضاد کا پتہ لگا کر اس سے فائدہ اُٹھایا جائے" اور "ان عناصر کے ساتھ جو وقتی جدوجہد میں حلیف بن سکتے ہوں، سمجھوتے کئے جائیں" (۵۳) مارکسزم اور لینن ازم کے نزدیک اس قسم کے تمام سمجھوتے صرف عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں کیونکہ یہ سمجھوتے "غیر مستقل، ناپائیدار اور متزلزل" طبقوں کے ساتھ کئے جاتے ہیں جو پرولتاریہ کی طرح تمام مرحلوں تک انقلابی نہیں رہتے۔ بلکہ صرف ایک

مرحلے میں محدود ماحول کے اندر پرولتاریہ کی رہنمائی میں انقلابی فرض ادا کر سکتے ہیں۔ ایک اور وجہ سے بھی اس قسم کے اتحاد ناپائیدار ہوتے ہیں اور وہ وجہ یہ ہے کہ وہ صرف ایک دور سے تعلق رکھتے ہیں اور اس دور کے خاتمے کے ساتھ ہی ان کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اس کے علاوہ کچھ اور سوچنا لینن کے لفظوں میں " مارکسزم کا حلیہ بگاڑنے اور اس کی جگہ لبرل ازم کو کھڑا کرنے کے مترادف ہے "

مختصر لفظوں میں کسانوں کا مسئلہ دو سٹیجوں کا سلسلہ ہے۔ پہلے مرحلے میں "پرولتاریہ کو جمہوری انقلاب کی تکمیل کرنی چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے اسے تمام کسانوں کے ساتھ اتحاد کر لینا چاہیئے تاکہ اشرافیہ کی قوت مزاحمت کو توڑا جا سکے اور متزلزل طبقہ بورژوا کو مفلوج بنایا جا سکے" (۵۴) دوسرے مرحلے میں "پرولتاریہ کو سوشلزم کا انقلاب کی تکمیل کرنا چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے اسے آبادی کے نیم پرولتاری عناصر کو اپنے ساتھ ملا لینا چاہیئے۔ تاکہ طبقۂ بورژوا کی قوت مزاحمت کو توڑا جا سکے۔ اور متزلزل کسانوں اور نیم بورژوائی عناصر کو مفلوج بنایا جا سکے" (۵۵) پہلے مرحلے میں کمیونسٹ تمام کسانوں کی جاگیرداروں کے مقابلے میں حمایت کرتے ہیں۔ دوسرے مرحلے میں وہ تمام کسانوں کے خلاف پرولتاریہ کی حمایت کرتے ہیں (۵۶) "جمہوری انقلاب کے لئے تمام کسانوں کو طبقۂ اشرافیہ کے خلاف متحد کرنا اور طبقۂ بورژوا کو غیر جانبدار بنانا۔ سوشلسٹ انقلاب کے لئے غریب کسانوں اور عام آبادی کے نیم پرولتاری عناصر کو طبقۂ بورژوا کے خلاف متحد کرنا اور شہروں اور قصبوں کے نیم بورژوائی عناصر کو غیر جانبدار بنانا" (۵۷) یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک تمام آبادی کو شہری کامریڈوں اور خفیہ پولیس کی مدد سے خوف زدہ کر کے اجتماعی کھیتوں کا غلام نہ بنا دیا جائے۔

دوسرا باب

سماجی ارتقا کا نظریہ

کمیونسٹوں کا جوڑ توڑ کا نظریہ ان کے ایک وسیع تر نظریئے کا حصہ ہے جو سماج کے ارتقا سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کے جوڑ توڑ، نعرول، پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ اور طبقات کے بتدریج خاتمے کے پیچھے ایک عقیدہ کام کر رہا ہے۔ جو مرتکز اور وسیع پیمانے پر پیداوار کی برتری میں یقین رکھتا ہے۔ اور اسے ہر قیمت پر عالم وجود میں لے آنا چاہتا ہے۔

مارکس ایک ایسے دور میں اور ایک ایسے ملک میں رہتا تھا جہاں وسیع پیمانے پر صنعتی توسیع کا تجربہ ہو رہا تھا۔ کمیونسٹ مینی فیسٹو کے لفظوں میں انیسویں صدی نے "پیداوار کی اتنی قوی اور عظیم قوتوں کو جنم دیا جن کی نظیر گذشتہ تمام صدیاں مل کر بھی پیش نہیں کر سکتیں" (۱) قوت پیداوار کے نئے ذرائع، کیمسٹری مشینیات، جہاز رانی، کریڈٹ اور ایکسچینج کی ترقی نے دنیا میں نئی قوتوں کو آزاد کر دیا۔ یہ قوتیں زندگی کے ارتھک شعبے سے شروع ہوئیں لیکن بالآخر حیات انسانی کے ہر گوشے میں نفوذ کر گئیں۔ انسانوں کے رویئے ان کے آداب اور ان کی پسند اور ناپسند پر ان قوتوں کا گہرا اثر پڑا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صنعتی قوتیں جو وقت کے بطن میں ایک مدت سے خوابیدہ تھیں۔ یکایک جیسے کسی جادو کی وجہ سے بیدار ہو گئیں اور انھوں نے ایک ایسی دنیا پر یورش کر کے جو اس کے لئے تیار نہیں تھی اسے مغلوب کر دیا۔

یہ منظر مارکس کے دل و دماغ پر حاوی ہو گیا۔ اور اس نے اس محدود تجربے کو ہمہ گیر شکل دے کر تاریخ کے لازمی اور ناگزیر قوانین بنا دیئے۔ اس ہمہ گیری کے مطابق انسان

صنعتی پیداوار کے عمل کے دوران آپس میں واضح روابط قائم کرتے ہیں، جو ناگزیر ہوتے ہیں اور ان کی قوتِ ارادی کی دسترس سے باہر۔ یہ روابط پیداوار کی مادی قوتوں کے مختلف ارتقائی مرحلوں کا ہو بہو عکس ہوتے ہیں، پیداوار کے روابط جو پیداواری قوتوں اور آلات پیداوار کی تخلیق ہوتے ہیں۔ اپنے طور پر قوانین، نظریات، رسوم، جذبات اور رجحانات کا ایک وسیع تر ڈھانچہ تیار کر دیتے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر صنعتی پیداوار کی قوتیں نکتۂ آغاز ہیں۔ وہی تخلیقی روابط کا فیصلہ کرتی ہیں اور وہی نوعِ بشر کی تمدنی اور روحانی ہیئت ترکیبی کا۔

پیداوار کی قوتیں مساوی نہیں ہوتیں بلکہ ایک درجہ وار نظام کی رکن ہوتی ہیں۔ پیداوار کے بعض طریقے ابتدائی اور کم درجے کے ہوتے ہیں اور کم درجے کے روابط اور تمدن ہی کو عالم وجود میں لاتے ہیں اور کچھ اونچے درجے کے جو موجودہ طبقاتی روابط اور تمدن کو عالم وجود میں لانے کا ذریعہ بنے۔

یہ ترقی یا تبدیلی مارکس کے مطابق اگرچہ مسلسل ہوتی ہے لیکن یہ لازمی طور پر متشددانہ بھی ہوتی ہے۔ ایک خاص مرحلے پر ترقی پذیر پیداواری قوتیں جامد یا مذبذب پیداواری روابط یعنی اصطلاح میں جائیداد کے مروجہ قوانین سے متصادم ہوتی ہیں۔ اور ان روابط کا متشددانہ خاتمہ اس تناقض کو دور کر دیتا ہے جو اُن میں اور پیداواری قوتوں کے درمیان ہوتا ہے۔ اس کے بعد پیداوار کی نئی قوتیں جو پرانے سماج کے بطن میں پرورش پا رہی تھیں، کسی روک ٹوک کے بغیر نشوونما پانے لگتی ہیں۔

جائیداد پر مبنی آخری فرسودہ نظام جو متشددانہ خاتمے کا منتظر ہے سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ یہ نظام اس بات کا منتظر ہے کہ پرولتاریہ جو اس نظام کی اولاد بھی ہے، اور گورکن بھی، اسے تبدیل کر کے سوشلزم کی سماج کے سانچے میں ڈھال دے۔ اس کلیہ کا اطلاق سوویٹ روس، مشرقی یورپ کی عوامی جمہوریتوں اور چین کی نئی جمہوریت سے باہر کی دنیا

پر ہوتا ہے۔ کیونکہ ان ملکوں میں اس نظام کا خاتمہ مکمل ہو چکا ہے) سوشلزمی طریق پیداوار کی بے روک ترقی اور آزادانہ نشوونما کے لئے یہ ضروری ہے کہ پیداوار کے سرمایہ دارانہ روابط اور طبقاتی مراسم ختم ہو جائیں۔ اور ان کی جگہ پیداوار کے سوشلزمی روابط لے لیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کا وصف یہ تھا کہ وہ الگ تھلگ اور آزاد محنت کش افراد کو ایک جگہ پر لے آیا۔ اور ان کو مرکزیت کی راہ پر ڈال دیا۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ سوشلزمی ادارے قائم کر کے اس عمل کو جبری طور پر مکمل کیا جائے۔

یہ نظریہ جو برطانوی صنعت کے آدھار پر قائم کیا گیا تھا زراعت پر بھی لاگو کر دیا گیا۔ انفرادی ملکیت پر مبنی کاشتکاری ناقص قرار دے دی گئی اور چونکہ طبقات کا حشر وہی ہوتا ہے جو اُن سے متعلقہ طرز پیداوار کا، لہٰذا انفرادی کاشتکاروں کی قسمت کا فیصلہ خارج از قیاس نہیں۔ مارکس کا کہنا ہے "صنعت میں وسیع پیمانے پر پیداوار کی برتری بدیہی اور نمایاں ہے لیکن زراعت میں بھی اسی عمل کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ کسان تنظیم اپنے پس ماندہ آداب کے بوجھ کی وجہ سے زوال اور تباہی کا شکار ہو جاتی ہے۔ چھوٹے پیمانے پر پیداوار کے نظام کو تباہ کر کے سرمایہ داری پیداوار میں اضافے کی طرف قدم بڑھاتی ہے۔" (۲) مارکس کے مطابق زراعت اور صنعت دونوں میں سرمایہ داری پیداوار کے طریقوں کو "پیدا کرنیوالوں کے خون سے ہاتھ رنگ کر" تبدیل کرتی ہے۔ یہ تبدیلی پس ماندگان کی تباہی کا نتیجہ بنتی ہے۔ اور چھوٹے پیمانے پر ابتدائی اور منتشر پیداوار کی بجائے مشترکہ اور بہتر نظام محنت کو عالم وجود میں لاتی ہے۔

بہتر نظام پیداوار کی فتح ناگزیر ہے اور مشینوں کے ساتھ وسیع پیمانے پر پیداوار کا بہتر طریقہ ہے۔ لہٰذا ایک ایسی سیاسی پارٹی کے لئے جس کا منصب تاریخی اہمیت کا حامل ہو صرف یہی باقی رہ جاتا ہے کہ وہ پیداوار کی صحیح قوتوں کا ساتھ دے، ان کی وضاحت کرے، ان کو ترتیب، ترلائے اور ان کے استحکام کا موجب بنے۔ کمیونسٹوں کے تمام فکر او رعمل پر مشینی

وسیع پیداوار کی برتری اور اس کی ناگزیریت کا تسلط ہے لینن نے جو محنت کی اور جتنا جہاد کیا اس میں اس خواب کو بھی کافی دخل ہے کہ اس کے ملک میں کسی وقت ایک لاکھ ٹریکٹر ہوں گے۔ سٹالن کو اس خیال نے مسحور کر رکھا تھا۔ ۱۷ جون ۱۹۳۰ء کو سٹالن گراڈ ٹریکٹر پلانٹ کو مبارکباد دیتے ہوئے اس نے مندرجہ ذیل لفظوں میں اپنا پیغام بھیجا تھا " جو پچاس ہزار ٹریکٹر سالانہ تم ملک کو مہیا کرو گے وہ پچاس ہزار گولوں کے مترادف ہیں۔ جو پرانی بورژوائی دنیا کو پاش پاش کرنے میں مدد دیں گے اور ہمارے دیہات میں نئے سوشلسٹ نظام کے راستوں کو روشن کر دیں گے "۔ (۳)

مشینوں اور ٹریکٹروں کی مدد سے وسیع پیمانے پر پیداوار کے حق میں انقلاب بھی وزنداری برپا کریں گے۔ جو اس نظام پیداوار کی تخلیق ہیں۔ اور اس اعتبار سے اس نظام سے پیدا شدہ انقلاب کا ذریعہ اس کی امید اور اس کا سنگِ بنیاد ہیں اس کے برعکس نیم بورژوا، آزادانہ پیداوار کرنے والے کاشتکار اور کسان صرف اپنے انفرادی درجے کے تحفظ میں کوشاں رہے ہیں اور اجارہ دارانہ سرمایہ داری کی بڑھتی ہوئی رَو کی زد سے بچنے کی جدوجہد میں مصروف رہتے ہیں یہ لوگ " انقلابی نہیں بلکہ قدامت پسند تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ وہ رجعت کیش بھی تھے کیونکہ وہ تاریخ کے پہیئے کو اُلٹا گھمانا چاہتے تھے "۔ (۴) یہ رویہ اینگلز کے اس فقرے کا موجب ہے کہ " پارٹی میں وہ کسان ہمارے لئے بے مصرف ہیں جو ہم سے اپنی چھوٹی چھوٹی جائدادوں کے برقرار رکھنے کا مطالبہ کرتے ہیں "۔ کارٹسکی نے یہ بات اور بھی غیر مبہم لفظوں میں کہی " ہماری پالیسی سے کسانوں کو اتنا ہی کم فائدہ پہنچیگا جتنا امیرزادوں کو "۔ (۵) یہاں ایک مشکل ترین مسئلے کا سامنا تھا۔ مارکس کے پیرو کسانوں کے طبقے کا خاتمہ چاہتے تھے۔ لیکن کسان اپنی زمین کے ٹکڑوں سے مضبوطی کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ کمیونسٹوں کو اگرچہ " انقلاب برپا کرنے کے لئے کسانوں کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن اگر یہ لوگ انقلاب کے خلاف ہوں تو کوئی انقلاب اپنے آپ کو برقرار نہیں رکھ سکتا "۔ (۶)

ایک مدت تک یہ مصیبت جاری رہی اور کمیونسٹوں کے کئی انقلاب ناکام ہو گئے۔ مثال کے طور پر پہلی جنگ کے بعد دی آنا، میونخ اور بوڈاپسٹ کی فتحمند کمیونسٹ پارٹیوں نے زمین کے متعلق اپنے مارکسی پروگرام کا عدم احتیاط کے ساتھ اعلان کر دیا۔ (اتنے ہی عدم احتیاط کے ساتھ جس کا اظہار تین نسل پہلے کمیونسٹ مینی فیسٹو میں ہوا تھا۔ اس میں اعلان کیا گیا تھا کہ پہلے زمینوں کو ضبط کیا جائے گا۔ اور پھر مشترکہ اسکیم کے ماتحت ان کی کاشت کی جائے گی) نتیجہ یہ ہوا کہ یہ پارٹیاں شکست کھا گئیں۔ لیکن اس دوران میں لینن میدان میں آ گیا تھا اور اس نے انقلاب روس کی رزمگاہ میں آزمائے ہوئے انقلابی ہتھکنڈوں کا ایک باقاعدہ نظام مرتب کر لیا تھا۔ جو عارضی سمجھوتوں اور جھوٹے نعروں پر مشتمل تھا۔ لینن ہمیں یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ مارکس نے "پرولتاریہ کی طبقاتی جنگ کی صف بندی کے اصولوں کو مسلسل توجہ کا مستحق سمجھا"۔ اور یہ کہ مارکس کے خیال میں صف بندی کے اصولوں کے بغیر اس کا "مادی نظریہ غیر مستحکم، یکطرفہ اور بے جان تھا"۔ (۷) لیکن اس یقین دہانی کے باوجود یہ ایک واقعہ ہے کہ جہاں تک صف بندی کے اصولوں اور ہتھکنڈوں کا تعلق ہے مارکسزم میں ان کا اضافہ لینن نے ہی کیا ہے۔

جیسے جیسے مارکسزم مارکس کی اصل تعلیم سے دور ہٹتا گیا، صف بندی اور سمجھوتہ بازی کے اصولوں کو اس میں زیادہ سے زیادہ اہمیت حاصل ہوتی گئی۔ مارکس کا خیال تھا کہ انقلاب کا آغاز کسی انقلابی نظریئے کے جواب میں نہیں بلکہ اس وقت ہوگا، جب اس کے مادی اسباب مکمل ہو جائیں گے لیکن بعد میں اس کی تاویلات بدل گئیں۔ ماضی میں انقلاب اگرچہ تاریخی تقدیریت کا نتیجہ ہوتے تھے۔ اور کسی نہ کسی حد تک خودرو ہوتے تھے۔ لیکن کمیونسٹ انقلاب کے سلسلے میں یہ تصور کر لیا گیا کہ اس میں دانشمندانہ رہنمائی، اور جوڑ توڑ کی کافی گنجائش ہے۔ سماج کی حرکت کے درست قوانین اگر ایک بار معلوم کر لئے جائیں تو وہ نئی آزادی بخش دیتے ہیں۔ "نئے خیالات میں تنظیم، حرکت اور تبدیلی کی زبردست قوت" ہوتی ہے۔ یہ نئے

خیالات اگرچہ "سماج کی مادی زندگی کے ارتقا" کا پرتو ہوتے ہیں لیکن جب یہ خیالات بروئے کار آ جاتے ہیں تو "ترقی کے اہم کاموں کی تکمیل اور سماج کی قریب المرگ قوتوں کے خلاف" (۸) عوام کو منظم کرنے اور حرکت میں لانے والی زبردست قوت بن جاتے ہیں اس طرح خیالات ایک بار اور اپنی الگ حیثیت منوا لیتے ہیں۔

اپنے متذکرہ بالا عقیدے کے مطابق مارکس کا خیال تھا کہ انقلاب پہلے ایک ایسے ملک سے شروع ہوگا، جو صنعتی طور پر ترقی یافتہ ہو۔ اس ملک میں چھوٹے پیمانے پر پیداوار کرنے والوں کی جائیداد سے محرومی کو کافی حد تک سرمایہ داری نے ہی مکمل کر دیا ہوگا۔ سوشلسٹ انقلاب کا کام صرف اتنا رہ جائے گا کہ وہ چند بڑے بڑے سرمایہ داروں کو جو بیشتر آبادی کو جائدادوں سے محروم کر چکے ہیں ختم کر دے لیکن ایسا نہ ہوا۔ لہٰذا مارکسزم کی نئی تاویل کرنا پڑ گئی۔ اور یہ لینن ازم میں تبدیل ہو گیا جسے سٹالن نے "سامراجی دور کے مارکسزم" (۹) کا نام دیا۔

مارکسزم کی اس نئی تاویل کے مطابق (جسے تمام غیر سٹالنی مارکسزم کے مکمل بطلان کا نام دیتے ہیں) نیا پرولتاری انقلاب اس ملک سے یقینی طور پر شروع نہیں ہوگا، جو صنعتی ہو۔ سٹالن کہتا ہے "بورژوائی انقلاب بالعموم اس وقت شروع ہوتا ہے جب سرمایہ دارانہ نظام کی کسی نہ کسی حد تک ترقی یافتہ شکل پہلے ہی موجود ہو۔ جو کھلے انقلاب سے قبل ہی جاگیردارانہ سماج کے بطن میں پرورش پا چکی ہے لیکن پرولتاری انقلاب اس وقت شروع ہوتا ہے جب سوشلسٹ نظام کی ترقی یافتہ شکل یا تو ناپید ہوتی ہے یا تقریباً تقریباً ناپید۔" (۱۰)

اس کے بعد نئے اختلافوں کا آغاز ہوتا ہے۔ ان اختلافوں کا تعلق پرولتاری انقلاب برپا کرنے کے ساتھ بھی ہے اور پرولتاری سماج کے قیام کے ساتھ بھی۔ صنعت نے چونکہ ترقی نہیں کی ہوتی اس لئے انقلاب برپا کرنے کے لئے صنعتی پرولتاریہ کا وجود عملاً ناپید ہوتا ہے۔ ان حالات میں انقلاب اس پارٹی کو لانا پڑتا ہے جو "جدلیات کو سمجھتی ہے اور آگے

تک دیکھ سکتی ہے۔" (۱۱) یہ پارٹی پرولتاریہ کی اس قلیل تعداد کی رہنمائی کرتی ہے جو موجود ہو، جنگی چالوں اور ہتھکنڈوں کا سہارا لیتی ہے اور مختلف اتحادیوں سے بھی مدد لیتی ہے یہ اتحادی مردود بورژواؤں اور نیم بورژواؤں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوتے۔ پھر جب انقلاب مکمل ہو جاتا ہے تو سوشلسٹ نظام کی کوئی مکمل شکل موجود نہیں ہوتی۔ لہٰذا اسے عالم وجود میں لانا پڑتا ہے۔ سوشلسٹ سماج کو بالکل نئے سرے سے جنم دینا پڑتا ہے سٹالن ہمیں آگاہ کرتا ہے "بورژوائی انقلاب کا بنیادی کام صرف یہ ہوتا ہے کہ طاقت پر قبضہ کیا جائے اور اس بورژوائی آرتھک نظام کی پابندی کی جائے جو پہلے سے ہی موجود ہوتا ہے لیکن پرولتاری انقلاب کا مقصد یہ ہے کہ طاقت پر قبضہ کر کے اُسے نئے سوشلسٹ آرتھک نظام کی تعمیر میں صرف کیا جائے۔" (۱۲)

یہ فرق کوئی معمولی فرق نہیں۔ کیونکہ اس سے انقلاب کے طریق کار اس کے حدود اور اس سے بروئے کار آنے والے تشدد میں زبردست فرق پڑتا ہے۔ یہ فرق انقلاب برپا کرنے کے دوران بھی نمایاں ہوتا ہے جب اس کا استحکام کیا جا رہا ہو۔ پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کے آہنی اصولوں، جنگی چالوں اور کمیونسٹ پارٹی کے قول و فعل کے دوغلے پن کی ابتدا یہیں سے ہوتی ہے۔ روس میں دوسروں سے کام لینے والا طبقہ صرف بڑے بڑے جاگیرداروں، صنعتی بورژوا، ارباب دانش اور ان کے "ایجنٹوں" کی قلیل تعداد پر مشتمل نہیں تھا بلکہ یہ پوری آبادی کا کافی بڑا حصہ تھا۔ ان سب کو ان کی حیثیت سے ہٹانا اور بعد میں فنا کرنا مقصود تھا۔ خود لینن کے قول کے مطابق ۲۰ لاکھ اشخاص جو اس طبقے کے مبیّنہ فرد تھے۔ اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ گئے اور ستّر لاکھ اشخاص اس خانہ جنگی میں ہلاک ہو گئے جو پرولتاری انقلاب کے لئے لڑی گئی۔

اسی طرح چین میں جاگیرداروں کی تعداد صرف چند درجن، چند سو یا چند ہزار نہیں تھی جیسا کہ مارکس نے اندازہ لگایا تھا بلکہ یہ تعداد پورے دو کروڑ مردوں اور عورتوں

پر مشتمل تھی جو پوری آبادی کا ۴ فیصدی حصّہ ہے۔ لوٹ کھسوٹ کرنے والا ایک اور گروپ یعنی کلک جسے فنا کے گھاٹ اتارا جاتا ہے آبادی کا چھ فیصدی حصّہ ہے۔ پورے تین کروڑ۔ طبقۂ متوسط کے کسانوں کی تعداد اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس قسم کے کسانوں کو "لوٹ کھسوٹ" سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ خاندان کی کل سالانہ آمدنی کا صرف پندرہ فیصدی حصّہ ہے۔ لیکن چین کے حکام اس طبقہ کو بھی قابل گردن زدنی سمجھتے ہیں (۱۳) اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مارکس کے انقلاب کے لئے جو تشدد ناگزیر سمجھا گیا تھا وہ لینینی، سٹالنی انقلاب سے کس حد تک مختلف تھا اور مارکس کے انقلاب کے مقابلے میں اس کے شاگردوں کا انقلاب کتنا زیادہ وسیع اور ہمہ گیر ہے۔

انقلاب کی کامرانی کے بعد جب پرولتاریہ کی رہنمائی، پرولتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ اور اقتدار ریاست میں تبدیل ہو جائے گا تو تشدد میں دس گنا اضافہ ناگزیر ہے جیسا کہ خود لینن نے کہا ہے۔ پرولتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ کے قیام کے بعد طبقاتی جنگ "ختم نہیں ہو جاتی بلکہ شدید تر بن جاتی ہے"۔ اس کی وجہ اسٹالن کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ بورژوائی انقلاب کے برعکس جس کا عمل طاقت پر قبضہ کرنے کے بعد ہی مکمل ہو جاتا ہے۔ پرولتاری انقلاب میں طاقت پر قبضہ صرف نکتۂ آغاز ہوتا ہے۔ اصل کام "تعمیر جدید کی تنظیم" اور "نیا سوشلسٹ اقتصادی نظام بنانا" ہے۔ اصل کام یہ ہے کہ "سٹیٹ کی ساری اقتصادی مشینری کو ایک بہت بڑی واحد مشین میں تبدیل کیا جائے اور اسے ایسے اقتصادی ڈھانچے کی شکل دی جائے جو کروڑوں اشخاص کو ایک واحد سکیم کے ماتحت کام میں مصروف رکھ سکے"۔ (۱۴) زرعی آرتھک نظام والے روس، چین اور مشرقی یورپ کے ملکوں کے ماحول میں اس کا مطلب یہ ہے کہ پارٹی ممبروں اور صنعتی پرولتاریہ کی قلیل تعداد کو چھوڑ کر ساری کی ساری آبادی کو جبر کا نشانہ بنانا پڑے۔

اس قسم کا انقلاب برپا کرنے اور اس کے استحکام کے لئے مناسب اخلاقی، مادّی

اور شخصی ذرائع چونکہ موجود نہیں ہوتے اس لئے انقلاب کا سارا نظریہ گھٹ کر صرف مذہب اقتدار کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے کام کرنے پڑتے ہیں جن کو صداقت اور اعتدال سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ لہٰذا یا تو ان کی پردہ پوشی کرنی پڑتی ہے۔ یا ان کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے۔ انقلاب جھوٹے وعدوں اور جھوٹے نعروں کی مدد سے لایا جاتا ہے اور اس کے لئے وقتی طور پر ایسے اتحاد کئے جاتے ہیں، جو سر تا سر منافقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ جہاں تک اس انقلاب کی صف بندی کے طریقوں کا تعلق ہے ان پر پہلے باب میں اچھی طرح بحث ہو چکی ہے اب رہا انقلاب کے استحکام کا مسئلہ، اس مقصد کے لئے دیہاتی عوام کو مخالف اور متحارب گروہوں میں بانٹا جاتا ہے، ان کا ایک دوسرے سے صفایا کرایا جاتا ہے۔ اور بالآخر سٹیٹ کی قوت، فوج، خفیہ پولیس اور پارٹی ممبروں کی مدد سے ان پر ایک نیا نظام ٹھونس دیا جاتا ہے جو ان کی طرز زندگی کے بالکل منافی ہوتا ہے۔ پہلا دور زرعی اصلاح اور نئی اقتصادی پالیسی کا دور ہوتا ہے۔ دوسرا دور اجتماعی کاشت کا دور ہوتا ہے جس کا مقصد صنعتی دور کے لئے زمین تیار کرنا ہے۔ یہ دونوں مرحلے ضروری بھی ہیں، اور ناگزیر بھی!

حصۂ دوم

روسی طریقِ کار

تیسرا باب

مشترکہ کاشت کا دیباچہ

روس میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد دیہات کے کسانوں کی زندگی میں ایک بہت افسوسناک باب شروع ہو گیا۔ زار کے زمانے میں بھی ان لوگوں کی زندگی قابل رشک نہیں تھی۔ لیکن کمیونزم نے ان مجبوریوں میں مزید اضافہ کر دیا جن کا وہ زمانہ زاریت سے شکار چلے آتے تھے۔ بولشویک انقلاب کا علانیہ مقصد پرولتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ قائم کرنا تھا، جس کی بنیاد سوویٹ روس کے روزمرہ میں "صنعت کی ڈکٹیٹر شپ" پر تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ قلیل پیمانے پر پیداوار میں معروف کسانوں کو تباہ کر کے انہیں فیکٹریوں یا کھیتوں میں کام کرنے والے پرولتاریہ میں تبدیل کر دیا جائے۔ ایسا کرنا بہت ضروری تھا کیونکہ جب تک یہ لوگ زمینوں کے آزاد مالک تھے خواہ یہ زمین کتنی ہی کم کیوں نہ ہو اس وقت تک وہ "امکانی سرمایہ داری" کے نمائندے تھے۔ اس بنیاد کی تباہی ازبس ضروری تھی۔

اس مقصد کی تکمیل کے لئے لوگوں کے جذبات کو برافروختہ کیا گیا، ان کے خدشات سے فائدہ اٹھایا گیا اور مختلف گروہوں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا گیا۔ زمین سے محروم کاشتکاروں کی اس جائز امنگ کو کہ جس زمین پر وہ کاشت کرتے ہیں، وہ ان ہی کی ملکیت ہونی چاہئے ان لوگوں کی زمین کو

ضبط کرنے کے لئے استعمال کیا گیا جن کے پاس فالتو زمین تھی۔ ضبطی زمین کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک ایک ایسا سسٹم نافذ نہ کر دیا گیا جس میں سب لوگ ویسی زمین پر کاشت کرتے تھے جو اُن کی ملکیت نہیں تھی۔ اس عمل کے نتیجے کی جو آخری شکل سامنے آئی وہ یکرنگ نہیں تھی۔ بلکہ مختلف واقعات، حوادث اور رجحانوں کا مجموعہ تھی۔ مثلاً اجتماعی کاشت، ٹریکٹری کاشت کا نفاذ اور مرکب قیمتوں کا اجراء۔ اس تصویر کا ہر پہلو دلچسپ اور رنگین تھا لیکن اپنے آخری مفہوم کے اعتبار سے ان میں سے کوئی بھی اہم نہیں تھا۔ کیونکہ یہ سب کے سب پارٹی کے "مسئلہ اقتدار" کے کسی نہ کسی رُخ کی عکاسی کرتے تھے۔ مثلاً اجتماعی کاشت جو اپنے تشدد اور دہشت کی وجہ سے نمایاں شہرت حاصل کر چکی ہے، اس سے زیادہ مفہوم کی حامل نہیں تھی کہ کسانوں کو کمیونسٹوں کی سیاسی رہنمائی میں زیادہ مضبوط بنیادوں پر منظم کر دیا گیا۔ اسی طرح ٹریکٹری کاشت کا رواج جو بولشویک روس کے ہر طالب علم کی توجہ کو کھینچتا ہے اس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا کہ شہروں کی آمدنی بڑھانے کے لئے کسانوں پر بہت زیادہ بوجھ ڈال دیا گیا تھا۔ موضوع کے مزید مطالعے کے ساتھ ساتھ ان تمام عوامل اور تصورات کا مفہوم واضح تر ہوتا جائیگا۔ فی الحال ہم صرف اس بات پر اکتفا کریں گے کہ انقلاب روس کی تاریخ پر ایک چھچلتی ہوئی نگاہ ڈالتے ہوئے اجتماعی کاشت کے دور تک پہنچ جائیں۔ جس کے ساتھ روس "صحیح سوشلزم" کی حدود میں داخل ہو گیا۔

جنگی کمیونزم (سنہ ۱۹۱۷ء تا سنہ ۱۹۲۱ء)

اس دور میں کمیونسٹوں کے افعال کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں رائج ہیں۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے زمین کو تقسیم کر دیا، اس تقسیم کے نتیجے کے طور پر کسانوں کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ ان کا حاصل محنت انہیں کی ملکیت ہو اور اس دور میں جو تشدد

اور خون خرابہ ہوا وہ کمیونسٹوں کے تقسیم آراضی کا نتیجہ تھا۔ اور خانہ جنگی میں ایک طرف کمیونسٹوں کی رہنمائی میں عوام لڑ رہے تھے اور دوسری طرف جاگیردار اور بورژوا۔ یہ تمام خیالات جو کمیونسٹوں کے عیارانہ پروپیگنڈے کا نتیجہ ہیں، غلط ہیں۔

زرعی انقلاب

زار کے ماتحت پرانا نظام دم توڑ رہا تھا۔ یہ جاگیرداروں کی بے مصرف اور بے کار اقلیت کے فائدے کے لئے ملک کی اس اکثریت پر جو پیداوار میں سرگرم تھی بہت زیادہ بوجھ ڈالتا تھا۔ حکومت نے اپنی اصلاح کے سلسلے میں بعض نیم دلانہ اور بعد از وقت کوششیں کیں۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بُرائی کی جڑ بہت گہری جا چکی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ جب پہلی جنگ ہوئی اور اس میں روس کو شکست نصیب ہوئی تو زار کا وقار بالکل ختم ہو گیا۔ یہ وقت انقلاب کے لئے موزوں تھا۔ اور عوام انقلاب لے آئے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ انقلاب سیاسی پارٹیاں نہیں بلکہ عوام لائے تھے۔ کم سے کم بولشویک پارٹی کا اس انقلاب میں کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ مرکز میں حکومت کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر کسانوں نے معاملات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ان بے انصافیوں کی اصلاح میں مصروف ہو گئے جنہیں وہ صدیوں سے خاموشی اور بے بسی کے ساتھ برداشت کر رہے تھے انہوں نے زمین کو واحد منصفانہ طریق پر تقسیم کر لیا۔ یعنی جو شخص کاشت کرے وہی زمین کا مالک ہو۔ سوویٹ روس کے مشہور مداح سڈنی ویب اور ان کی اہلیہ ہمارے اس خیال کی تائید کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اکتوبر ۱۹۱۷ء کے بولشویک انقلاب سے بہت پہلے دیہاتی روس کے طول و عرض میں جاگیرداروں کا صفایا بہت بڑی حد تک خود کسانوں نے کر دیا تھا۔ یہ کام بے ڈھنگے پن سے ضرور ہوا لیکن تھا موثر۔" (۱)

کسان انقلاب کوئی خاص متشددانہ بھی نہیں تھا۔ متشددانہ انقلاب وہ پرولتاری

انقلاب تھا جو اس کے بعد ہوا۔ ڈیپ لکھتے ہیں "اگرچہ ماسکو میں کئی دن تک شدید لڑائی ہوئی اور لینن گراڈ اور دوسری جگہوں پہ بہت سے افراد ہلاک ہوگئے لیکن انقلاب اکتوبر کافی حد تک عوامی عزم کا مظہر تھا۔ یہ بعد کی بات ہے کہ سوویٹ حکومت کے اقتدار کو قائم رکھنے اور انقلاب دشمن بغاوتوں کو دبانے کے لئے لینن اور اس کے ساتھیوں کو جبر کا ہتھیار استعمال کرنا پڑا لوگوں کو خود سرانہ طور پہ گرفتار کرنا پڑا، سیاسی مخالفوں کو سرسری سماعت کے بعد پھانسی پہ لٹکانا پڑا، غیر ذمہ دار خفیہ پولیس کی دہشت کا سہارا لینا پڑا۔۔۔ اور وسیع پیمانے پہ خانہ جنگی کی دہشتناکیوں سے گذرنا پڑا" (۲)

بولشویک دہشت کی یہ سچی تصویر ہے۔ اس کا اس عوامی تشدد سے کوئی تعلق نہیں، جو زمینوں کی انقلابی تقسیم جدید کا حصہ تھا۔ یہ تشدد صرف کمیونسٹوں کی نظریاتی ضرورت تشدد کا مظہر ہے۔ ان کا یقین ہے کہ کوئی کمیونسٹ انقلاب خانہ جنگی کے بغیر نہیں ہوسکتا لہٰذا وہ اس کے لئے کوشش کرتے ہیں اور اسے بڑھاوا دیتے ہیں۔ انہوں نے دنیا کی ہر کمیونسٹ پارٹی پر خانہ جنگی کا فرض عائد کر رکھا ہے لہٰذا کمیونسٹ پروپیگنڈسٹوں نے جو یہ خیال پھیلا رکھا ہے کہ روس کی خانہ جنگی ان پر ٹھونسی گئی، اسے ترک کردینا چاہیئے خانہ جنگی ان کی اپنی تجویز کردہ تھی۔ یہ ان کے عزیز ترین عقیدوں اور تمناؤں کے مطابق تھی اور ایک ایسی چیز تھی جو انہیں ان کی نگاہوں میں حق بجانب ثابت کرتی تھی۔

زرعی انقلاب کی اصل کہانی یہ ہے کہ جہاں بولشویکوں نے صرف دنیا کی وضاحت پر اکتفا کی وہاں کسانوں نے اسے تبدیل کردیا۔ بولشویک اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتے تھے کہ واقعات کو چپ چاپ دیکھتے رہیں اور انتظار کریں۔ جب کسانوں نے زمین کو بانٹ لیا تو کمیونسٹوں نے بطور حکومت اسے تسلیم کرلیا اور اس پر تصدیق کی مہر لگا دی۔ لینن نے کہا "مسلح بغاوت کا آغاز صاف طور پہ ثابت کرتا ہے کہ زمین کسانوں کو ملنی چاہیئے۔ (۳)
اس نے اس غیر بولشویکی اقدام کی مندرجہ ذیل لفظوں میں وضاحت کی: "ہم عوام کی پچھلی

صفوں کے فیصلے کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ خواہ ہمیں اس سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو" دہی کمیونسٹوں کو اس بات سے اختلاف ضرور تھا لیکن وہ اس اختلاف کو فی الحال پیش منظر میں لانا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے زمین کسانوں کو "دے دی" اور اس کے عوض انہوں نے اپنی طاقت کے استحکام کے لئے مہلت حاصل کرلی۔ سنہ ۱۹۲۱ء میں اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہ "ہم کیوں کامیاب ہوئے" لینن لکھتا ہے "ہمیں فتح اس لئے ملی کہ ہم نے اپنے زرعی پروگرام کو نہیں بلکہ سوشلسٹ انقلابیوں کے پروگرام کو اپنایا" اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "چند ہفتے کے اندر اندر نوّے فیصدی کسان ہماری طرف آ گئے" (۵)

زمین کی پیداوار

لیکن رفتہ رفتہ جب کمیونسٹوں کا اقتدار کی گدّی پر پوری طرح قبضہ ہو گیا تو یہ سب کچھ بدل گیا۔ ۱۹ فروری سنہ ۱۹۱۸ء کو انہوں نے ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے تمام زمین جس میں انفرادی ملکیت والی زمین بھی شامل تھی قومی ملکیت قرار دے دی گئی"۔ زمین کو قومی ملکیت ضرور بنا دیا گیا لیکن انفرادی ملکیت کی تنسیخ سے احتراز کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کمیونسٹ ابھی اپنا راستہ ٹٹول رہے تھے۔ ان کے لئے احتیاط سے کام لینا ضروری تھا کیونکہ فیصلہ کن قدم اٹھانے سے پہلے بہت سی تیاریوں کی ضرورت تھی۔

لیکن اگر وقتی طور پر زمین کی ملکیت کو چھیڑنا خالی از خطرہ نہیں تھا تو کیا یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ زمین کی پیداوار سے ہی ابتدا کر دی جائے؟ کمیونسٹوں نے یہی کیا۔ مئی سنہ ۱۹۱۸ء کو ایک فرمان جاری کیا گیا جس کی رو سے ہر کسان کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ وہ "اپنا فالتو اناج" اناج کی خرید کرنے والے سرکاری اداروں کو دے دے۔ اس قانون کی خلاف ورزی کی سزا دس سال تک قید اور جائیداد کی ضبطی تھی۔ جب یہ

طریقہ کامیاب نہ ہوا جیسا کہ پہلے ہی توقع کی جاتی تھی۔ تو اناج کی جبری ضبطی شروع ہو گئی۔

اس سلسلہ میں دیہاتیوں میں پھوٹ ڈالنے کے طریقے سے خوب فائدہ اٹھایا گیا غریب کسانوں پر مشتمل دیہی کمیٹیاں قائم کی گئیں، جن کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ اناج کے حصول کی نگرانی کریں۔ انہیں اناج کی مقدار کے مطابق کمیشن بھی ملتا تھا۔ اگست ۱۹۱۸ء میں "رسد رساں دستے" قائم کئے گئے۔ یہ دستے مسلح تھے اور ان کی تعداد بیس ۲۰ ہزار اور پینتالیس ۴۵ ہزار کے درمیان تھی۔ کسانوں میں زبردست نفرت کا دور دورہ تھا اور یہ نفرت یہاں وہاں بغاوتوں کی شکل بھی اختیار کر لیتی تھی "بہت سے علاقوں میں اناج جمع کرنے والے مزدور دستوں اور مقامی کسانوں میں مسلح تصادم بھی ہوئے۔ سرکاری افسر پوری طرح مسلح ہوئے بغیر دیہات کے دور دراز حصوں میں جانے کی شاذ ونادر ہی جرائت کرتے تھے۔" (۶) لیکن یہ بغاوتیں کامیاب نہ ہوئیں اور کسانوں کی اناج سے محرومی کا سلسلہ جاری رہا۔ لینن نے ۱۹۲۱ء میں ہی اس بات کو تسلیم کیا کہ "درحقیقت ہم نے کسانوں سے تمام کا تمام فالتو اناج لے لیا۔ اور بعض اوقات ہم نے صرف وہی اناج نہیں لیا جو فالتو تھا بلکہ اس اناج کا بھی کچھ حصہ لے لیا جس کی کسانوں کو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے ضرورت تھی" (۷) قصہ کوتاہ۔ حقیقت یہ تھی کہ زمین اگرچہ کسانوں کے پاس تھی لیکن اس سے پیدا ہونے والا اناج سٹیٹ کی ملکیت تھا۔

خانہ جنگی

تشدد کی تاریخی اور جدلیاتی ضرورت کے عقیدے کے پیش نظر کمیونسٹوں نے اس پر سرگرمی سے عمل شروع کر دیا۔ اس کا نشانہ ان لوگوں کی زندگی کو بنایا گیا۔ جنہیں وہ اپنے "طبقاتی دشمن" خیال کرتے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان "طبقاتی دشمنوں"

کو اپنی زندگیاں کافی عزیز تھیں۔ چنانچہ جب چھ ماہ تک ان کی بربادی کا سلسلہ جاری رہا تو وہ خود حفاظتی کے لئے منظم ہو گئے۔ سُرخ دہشت کے ساتھ ساتھ سفید دہشت کا عمل بھی شروع ہو گیا۔ اور ان دونوں کے چکر میں زندگی اپنی جڑوں سے اکھڑ گئی اور اس میں قیامت کا انتشار پیدا ہو گیا۔ ہر طرف بھوک اور دہشت کا دَور دَورہ تھا۔

لڑنے والے فریقوں کی تنظیم کسی طبقاتی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی۔ یہ خیال بالکل غلط ہے کہ خانہ جنگی میں ایک طرف "پارٹی" کی رہنمائی میں عوام لڑ رہے تھے اور دوسری طرف جاگیردار اور سرمایہ دار، جن کو زار کے افسروں کی رہنمائی حاصل تھی اور انھیں "سامراجیوں" کی۔ جہاں تک "عوام" کا تعلق ہے وہ اس خانہ جنگی میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ اپنی حفاظت کے ماسوا انہیں کسی چیز میں دلچسپی نہیں تھی۔ اگر انہوں نے مقامی طور پر اپنی حفاظت کے علاوہ اس خانہ جنگی میں کوئی حصّہ لیا بھی تو وہ کمیونسٹوں اور وہائٹ گارڈوں میں برابر برابر بٹے ہوئے تھے۔ ٹراٹسکی نے لینن کو بتایا تھا کہ سُرخ فوج میں پرانے افسروں کی تعداد تیس ہزار تھی۔ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے اس نے کہا تھا: "تیس ہزار سے ہرگز کم نہیں۔ اگر ان افسروں میں ایک غدار ہوتا ہے تو ایک سَو ایسے ہوتے ہیں جن پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ اگر ایک دغا کرتا ہے تو اس کے مقابلے میں دو یا تین ایسے ہوتے ہیں جو کمیونزم کی حمایت میں لڑتے لڑتے ہلاک ہو جاتے ہیں۔" (۸)

قحط

جب ملک کی عام تباہی کے درمیان بولشویک فتحیاب ہو کر نکلے تو سارا ملک ایک زبردست قحط کی گرفت میں تھا۔ یہ قحط اتنا بڑا تھا کہ روس میں اس سے پہلے اس کی کوئی نظیر موجود نہیں تھی۔ ملک کے ستائیس صوبے قحط کی زد میں تھے۔ گویا پورا نصف ملک۔ ایک کروڑ تیس لاکھ افراد کو اس قحط نے اپاہج کر دیا۔ ملک کی صنعتی زندگی مفلوج ہو گئی۔

اور رسل و رسائل کا سلسلہ بھی درہم برہم ہو گیا۔

اس عرصے میں سپاہیوں، مزدوروں اور کسانوں کو سوویٹ حکومت اور اس کے وعدوں کا کافی تجربہ ہو گیا تھا۔ کرونسٹاڈٹ کے ملاحوں نے اس نعرے کے ساتھ بغاوت کر دی کہ "کمیونسٹوں اور کمیساروں کو سوویٹوں سے خارج کیا جائے۔" یہ بغاوت جزواً "اس بات کے خلاف پروٹسٹ تھا کہ قحط زدہ دیہاتی رقبوں میں ان سپاہیوں اور ملاحوں کے خاندان بھوک کا شکار ہو رہے تھے۔" (۹) ان کا مقصد خود اُن کے لفظوں میں یہ تھا کہ "نئی کمیونسٹ غلامی کا تختہ" اُلٹ دیا جائے اور "کمیونسٹوں کے ڈکٹیٹرانہ اقتدار کا جوا گردن سے اتار پھینکا جائے جس کے مقابلے میں بادشاہت کی غلامی بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی تھی۔" (۱۰) لیکن یہ احساس بعد از وقت تھا۔ اس وقت تک سٹیٹ کے جبر کے ادارے کافی مضبوط ہو چکے تھے۔ بغاوت کو "برف پار حملے اور گولہ باری سے زبردستی دبا دیا گیا۔" (۱۱)

عارضی پسپائی ـــــ نئی آرتھک پالیسی

اس قسم کے حالات نے کمیونسٹوں کو صورتِ حال کا جائزہ لینے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے کم از کم عارضی طور پر ملک کو بولشویک سانچے میں ڈھالنے کا پروگرام روک دیا۔ لینن نے حسبِ عادت قلابازی کھائی اور ایک نئی پالیسی کا اعلان کر دیا جس کے مطابق آزاد تجارت اور آزاد کاروبار کو بحال کر دیا گیا۔ زمین پر کسانوں کے حقوق تسلیم کر لئے گئے اور انہیں یہ حق دے دیا گیا کہ وہ اپنے فالتو اناج کو مارکیٹ میں جس نرخ پر چاہیں بیچ دیں۔

سنہ ۱۹۱۷ء تا سنہ ۱۹۲۱ء کے عرصے میں کمیونسٹوں نے اپنے آپ کو یقین دلا لیا کہ جنگی کمیونزم بہترین چیز ہے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں لینن نے کہا، "ریاستی سرمایہ داری موجودہ صورت

حال کے مقابلے میں آگے کی طرف ایک قدم ہوگا۔ اگر قریب قریب چھ ماہ کے عرصے میں ریاستی سرمایہ داری کو قائم کر دیا جائے تو یہ ایک بڑا کارنامہ ہوگا"۔ (۱۲) لیکن ۱۹۲۱ء میں نئی پالیسی کا اعلان کرتے وقت اسے پرانی پالیسی کی مذمت کرنا پڑ گئی۔ "ہم جنگی کمیونزم پر عمل کرنے کیلئے جنگ اور تباہی کی وجہ سے مجبور ہو گئے تھے۔ یہ پالیسی ایسی نہیں تھی اور نہ ہو سکتی تھی، جو پرولتاریہ کی اقتصادی ضرورتوں کے مطابق ہو"۔ (۱۳) ایک نیا اناج ٹیکس عائد کیا گیا اور یہ بتایا گیا کہ "صرف ایسی خوراک پالیسی ہی پرولتاریہ کے فرائض کے مطابق ہے اور صرف یہی پالیسی سوشلزم کی جڑوں کو مضبوط کر کے فتحمندی کی طرف لے جا سکتی ہے"۔ (۱۴)

نئی آرتھک پالیسی کے نفاذ کے بعد زندگی ایک بار اور پُر سکون ہو گئی۔ صنعت بحال ہو گئی اور حکومت کی پابندیوں کے باوجود زراعت ایک بار پھر اپنی نارمل سطح پر پہنچ گئی۔ اناج کی پیداوار اگرچہ زمانہ قبل از جنگ کی سطح پر نہیں پہنچی لیکن یہ سچ ہے کہ زمینوں کی بہتر تقسیم کی وجہ سے دیہات کے کسانوں کو پہلے کے مقابلے میں بہتر خوراک ملنے لگی۔ پیداوار کی بحالی حکومت اور عوام دونوں کی ضرورت تھی۔ کلکوں کو یہ موقعہ دیا گیا کہ وہ امیر تر ہو جائیں۔ کمیونسٹ سرکار کے خزانے بھی اب پہلے سے زیادہ پُر ہو گئے۔

نئی آرتھک پالیسی سے مالی حالت کی اصلاح اور پُر سکون ماحول نے کمیونسٹ حکومت کی پوزیشن کو مستحکم بنا دیا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر حکومت نے کوشش کی کہ اس کے محکوموں کے مقابلے میں اس کی طاقت میں مزید اضافہ ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے پولیس اور فوج کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا اور پارٹی کو مخالف دھڑے سے صاف کر دیا گیا۔

ملک کو صنعتی بنانے کی سکیم

کمیونسٹوں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ملک کو صنعتی بنانے کی سکیمیں بھی تیار کر لیں۔ نئی آرتھک پالیسی کو علانیہ طور پر ایک عارضی پروگرام کا نام دیا جا رہا تھا اور

پارٹی اس کے متعلق کسی حد تک ندامت کا شکار رہتی۔ لینن کا عقیدہ تھا کہ جدید ترین سائنس کی بنیادوں پر وسیع پیمانے پر سرمایہ دارانہ صنعت کا طریقِ کار اپنائے بغیر سوشلزم ناقابلِ تصور ہے۔ اس کے نزدیک یہ مسئلہ اتنا بدیہی اور عام فہم تھا کہ اس کے متعلق بحث یا غور و فکر کی کوئی گنجائش نہیں تھی: "ہم مارکسسٹوں نے اس بات پر ہمیشہ زور دیا ہے کہ جو لوگ اتنی سی بات کو بھی نہیں سمجھتے ان کے ساتھ بحث میں دو سیکنڈ بھی ضائع نہیں کئے جا سکتے" (۱۵) اس نے کہا تھا۔

گویا لینن کا سوشلزم کسی نئے مفہوم کا حامل نہیں تھا۔ اس کا مطلب صرف اتنا تھا کہ ملک کو صنعتی بنانے کے پروگرام پر تیزی سے عمل کیا جائے۔ نمونہ مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام تھا۔ کمیونزم اس کی صرف کاربن کاپی تھی، جسے ڈکٹیٹرشپ کے ذریعے عالمِ وجود میں لانا مقصود تھا۔ اس نکتے کے متعلق لینن کی غلط تاویل ممکن نہیں۔ اس نے ان انقلابیوں کو سرزنش کی جو خوش خیالیوں میں مبتلا ہو کر کہتے ہیں کہ جرمن سامراج سے سبق لینا "شان کے شایاں نہیں"۔ اس نے اپنے پیروؤں کو مشورہ دیا کہ وہ "جرمنی کے ریاستی سرمایہ دارانہ نظام کا مطالعہ کریں اور اس کی نقل کرنے میں کوئی تاخیر نہ کریں۔ وحشی روس کو مغربی تمدن کو تیز گامی کے ساتھ اپنانے کے لئے، ڈکٹیٹرانہ طریقے اختیار کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔" (۱۶)

اپنے نئے عقیدے کے مطابق لینن نے سنہ ۱۹۲۰ء میں ۱۸۰ سائنسدانوں اور انجینیروں کو مدعو کیا کہ وہ روس کی تشکیل جدید کا نقشہ تیار کریں۔ اس سال کے آخر میں "روس میں بجلی لگانے کی سکیم تیار کرنے والے ریاستی کمیشن" نے اپنی سکیم پیش کر دی جس پر آئندہ دس سال میں ملک کو سونے کے ۷۰۰۰ لاکھ روبل خرچ کرنے تھے۔ اس سکیم کے مطابق برقی قوت میں ۱۷۳۰۰۰۰ کلو واٹ کا اضافہ ہونا تھا اور اسے ٹرانسپورٹ، کانیں کھودنے اور دھاتوں کو پگھلانے کے لئے استعمال کیا جانا تھا۔ بھاری صنعتوں میں لازمی طور پر اضافہ ہونا تھا۔ خواہ اس مقصد کے لئے عام استعمال کی چیزوں میں کمی ہی کیوں نہ پڑے۔ لینن کا قول تھا: "کسانوں کے کھیتوں

پر اچھی فصل ــــ صرف یہی کافی نہیں، چھوٹی صنعتوں کی اچھی حالت ــــ اس سے بھی کام نہیں چلتا ہمیں بڑی بڑی صنعتوں کی ضرورت ہے" بڑی بڑی صنعتوں کے لئے ہمیں کفایت شعاری سے کام لینا چاہئے۔ "خواہ اس سے آبادی کو تکلیف ہی کیوں نہ ہو" ہر چیز میں کفایت شعاری کرو۔ "حتیٰ کہ سکولوں میں بھی"۔(۱۷) مولوٹوف کا کہنا تھا ہمیں اس نظریئے کے متعلق ہر بات چیت بند کر دینی چاہئے کہ سوشلزم کا مطلب روزمرہ کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے پیداوار کرنا ہے"

سوشلسٹ بچت ــــ اس کی نوعیت

جب ایک بار وسیع تر صنعتیت کا فیصلہ کر لیا گیا تو یہ مسئلہ سامنے آیا کہ اس پروگرام کے لئے مناسب سرمایہ پیدا کیا جائے۔ غیر ملکی سرمایہ حاصل نہ کیا جا سکا۔ حالانکہ اسے حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ منافع بخش شرائط پیش کی گئی تھیں۔ اب صرف یہ باقی تھا کہ مقامی ذرائع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ کارل مارکس ہمیں بتاتا ہے کہ مغرب میں سرمایہ داری اور سامراج کی بنیاد "قدر زائد" یا پیداوار میں اضافہ در اضافہ کے اصول پر ہوتی ہے۔ روس میں سوشلزم کی تعمیر بھی "قدر زائد" کی تخلیق پر تھی۔ اور اس قدر زائد کو "ڈکٹیٹرانہ طریقوں" سے بہ سرعت تمام عالم وجود میں لایا گیا۔ شروع سے ہی وسیع تر صنعتیت کے لئے سرمایہ پیدا کرنے کا سوال سوویٹ لیڈروں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا اور انہوں نے اس کے اصول بڑی تندہی سے مرتب کئے تھے پریوبرازنسکی کا، جسے ۱۹۲۰ء میں پارٹی کی اس سکریٹریٹ کا رکن چنا گیا، جو صرف تین ممبروں پر مشتمل تھی، یہ خیال تھا کہ صنعتی بنیاد صرف کسانوں کی "جاگیر دارانہ لوٹ کھسوٹ" پر قائم ہو سکتی ہے۔ اس نے کمیونسٹ اکیڈیمی کو ایک مقالہ پیش کیا جس کا عنوان تھا "سوشلسٹ سرمائے کے بنیادی اصول"۔ اس مقالے میں اس نے نفع اٹھا کر سرمایہ فراہم کرنے کا یہ گر بتایا کہ "چھوٹے چھوٹے پرائیویٹ اداروں سے قیمت زیادہ وصول کی جائے اور ان کو اس کے عوض

صنعتی سامان کم دیا جائے"۔ اس کا خیال تھا کہ سٹیٹ کے ہاتھوں میں مادی ذرائع اس طریق پر جمع ہوں گے کہ انہیں ان ذرائع سے حاصل کیا جائے جو حکومت کے صنعتی نظام سے باہر ہوں"۔ یہ بیرونی ذرائع اس کے نزدیک کسان تھے۔ انہیں وہ "نوآبادیوں" کا نام دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ عبوری دور کی بنیاد یقینی طور پر یہ ہوگی کہ سرکاری صنعتوں کو "ام البلاد" سمجھ کر ملک کے دوسرے اداروں کو "نوآبادیاں" فرض کر لیا جائے۔ سرکاری صنعتوں کو دیگر اداروں سے "قدر زائد" حاصل کرنے کا حق ہو اور ان دونوں کے باہمی تعلق نفع اندوزی پر مبنی ہوں۔

سوشلسٹ سرمایہ صرف "نوآبادیوں" پر براہ راست ٹیکس عائد کر کے حاصل نہیں کیا جائیگا بلکہ اس کے لئے زیادہ اہم طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا یعنی سرکاری صنعت اور "نوآبادیوں" کے درمیان شرح تبادلہ کا من مانا تعین۔ پریوبرازنسکی کا بیان تھا "اجارہ داری پر مبنی سرمایہ داری کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ گھریلو بازاروں میں صنعتی سامان کی اجارہ دارانہ قیمتیں مقرر کی جائیں۔ چھوٹے کارخانہ داروں کی لوٹ کھسوٹ کے نتیجے پر فالتو نفع حاصل کیا جائے۔ اور اس طرح سوشلسٹ سرمایہ جمع ہونے کے ابتدائی دور کیلئے قیمتیں مقرر کرنے کی پالیسی کی بنیاد رکھی جائے۔ لیکن جب تمام بڑی صنعتیں مزدور سٹیٹ کے ہاتھ میں پہنچ جائیں تو اجارہ داری کی بنیادوں پر قیمتیں مقرر کرنے کی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کا امکان بہت بڑھ جاتا ہے۔ یہ پالیسی نجی پیداوار پر ٹیکس لگانے کی ایک اور شکل ہے" (۱۸)۔ بخارن نے اس مقالے کے جواب میں سرکاری پالیسی کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا تھا: "اگر ہم اپنی اجارہ دارانہ پوزیشن کے فائدوں سے دست بردار ہو جائیں تو ہمارا یہ رویّہ احمقانہ ہوگا" (۱۹)

۱۹۲۸ء میں اس مقالے کے اصولوں کو بالآخر تسلیم کر لیا گیا اور انہیں عملی جامہ پہنا دیا گیا۔ سٹالن نے سوالیہ انداز میں کہا "کیا ہم موجودہ زرعی نظام کی بنیاد پر

بھروسہ کرتے ہوئے، جو چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں پر مشتمل ہے "پیداوار در پیداوار کا اہل نہیں اور اس کے باوجود ہمارے قومی اقتصادی نظام کی زبردست قوت بنا ہوا ہے۔ اپنی سوشلسٹ صنعت کو تیزی کے ساتھ ترقی دے سکتے ہیں؟" (۲۰) بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ اگرچہ روس کی زراعت پیداوار میں اضافہ در اضافہ کی اہل نہیں تھی لیکن سوویٹ حکومت اس بات کی اہل ضرور تھی کہ ٹیکسوں کی وصولی در وصولی سے سرمائے میں اضافہ در اضافہ کر سکے۔ ۱۹۲۸ء کے بعد جہاں اناج کی مجموعی پیداوار کم ہوتی گئی وہاں حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہوتا گیا اور ۱۹۳۴ء میں حالت یہ تھی کہ حکومت کی آمدنی ۱۹۲۸ء کے مقابلے میں دوگنی ہو گئی تھی۔ سٹالنی حکومت جو سوزلنے لاین کے لفظوں میں روس کی ریاستی سرمایہ داری کے ابتدائی ارتکاز زر کے ڈکٹیٹرانہ مرحلے کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس کی ابتدا اجتماعی قتل، گرفتاریوں، جلاوطنیوں، قحط اور اجتماعی فاقہ کشی سے ہم آہنگ تھی۔

اس خاکے کی جزئیات یہ تھیں۔ برق رفتاری کے ساتھ صنعتی ترقی اور یہ اصول کہ کسان سرمایہ فراہم کرنے کے لئے بہت مفید ہو سکتے ہیں۔ ٹریڈ یونینوں کو بہت پہلے دبا دیا گیا تھا لیکن پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی تھی۔ جب تک آبادی کا ایک حصہ اپنی گذر بسر کے لئے سٹیٹ کی دست نگری سے آزاد تھا۔ لہٰذا یہ بات اور بھی ضروری تھی کہ کسانوں کو جائیدادوں سے محروم کیا جائے اور ان کی حالت غلاموں جیسی بنا دی جائے۔ اجتماعی کاشت کے لئے میدان اس طرح ہموار کیا گیا۔

چوتھا باب

دیہات میں "سوشلزم" کے کارنامے

۱۹۲۹ء تا ۱۹۳۳ء کا زمانہ انسانی خون سے غیر معمولی طور پر رنگین ہے۔ تاریخ میں ایسے دور آئے ہیں جب خون پانی کی طرح بہا ہے۔ قحط پڑے، ٹڈی دل آئے اور جنگوں نے انسانی زندگیوں کا وسیع پیمانے پر خراج وصول کیا، لیکن اس دور میں انسانی خون کی ارزانی اس اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتی ہے کہ اس عظیم قربانی کو پوری طرح منظم کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور فرق بھی تھا۔ پہلے جو لوگ دوسروں کو قتل یا زخمی کرتے تھے انہیں ضمیر کی کسک محسوس ہوتی تھی اور آس پاس کے لوگ ان کی مذمت بھی کرتے تھے لیکن اس دور کے قاتل یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ کوئی بہت ہی متبرک اور مذہبی فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ پھر انہیں یہ بھی بھروسہ تھا کہ ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو ان کے افعال پر تالیاں بجائیں، واہ واکریں اور ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار بھی کریں۔

کمیونسٹ پروگرام کا وہ معین لمحہ آگیا تھا جب "آخری سرمایہ داروں" کو ختم کیا جانا تھا۔ اب پارٹی اتنی مستحکم ہو چکی تھی کہ "ان عارضی کارروائیوں" پر خطِ تنسیخ پھیر دے جنہیں وہ "سوشلزم کی فتح کے مفاد کے پیش نظر چھوٹے محنت کش اور مجبور کسانوں کو خوش کرنے کے لئے اپنانے پر مجبور ہوئی تھی"۔ (۱) عارضی کارروائیوں سے مراد زمین کی تقسیم تھی۔

جب ایک بار یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ انقلاب کا اب کون سا مرحلہ درپیش ہے تو

یہ بالکل قدرتی تھا کہ اس کے بعد جو جنگی چالیں طے کی جائیں وہ اس کے عین مطابق ہوں ـ سب باتیں فوراً طے ہوگئیں ـ کہ حملے کا رخ کس طرف ہو؟ ساتھی کون ہو؟ اور دشمن کون؟ اسی سکیم کے پیش نظر لہٰذا کے عناصر کی تقسیم کی گئی اور مناسب نعرے وضع کئے گئے ـ کمیونسٹ نظریہ سازوں کے لئے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ ان کے مقاصد میکانیکی تھے اور ان کا طریق کار جابرانہ اور غیر انسانی تھا جس کے نتیجے کے طور پر کروڑوں انسان موت اور فاقہ کشی کا شکار ہو سکتے تھے ـ

ایک "عوامی" فیصلہ

ڈرامے کی ابتدا سٹالن کی ایک تقریر سے ہوتی ہے، جو اس نے ۱۹۲۹ء کے موسم بہار میں کی ـ اس تقریر میں اس نے کلکوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تھا اور کامریڈوں سے مطالبہ کیا تھا کہ انہیں ایک طبقے کی حیثیت سے فنا کر دیا جائے ـ اس سے ایک سال قبل ۱۹۲۸ء کے آغاز میں مرکزی کمیٹی نے صبر اور استقلال سے کام لینے کا مشورہ دیا تھا ـ لیکن یکایک ۱۹۲۹ء میں سٹالن نے پالیسی تبدیل کرتے ہوئے اعلان کیا کہ "کلکوں کے لوٹ کھسوٹ کے رجحان کی روک تھام کرنے کی پالیسی کے بجائے انہیں بطور طبقہ ختم کرنے کی پالیسی کو اپنا لیا جائے" دونوں پالیسیاں ایک دوسرے سے کافی مختلف تھیں اور مختلف قسم کے عمل کا مطالبہ کرتی تھیں سٹالن کے اپنے لفظوں میں "کلکوں پر انفرادی طور پر پابندی لگانے اور انہیں کمزور بنانے کی پالیسی کافی نہیں تھی ـ کلکوں کو ایک طبقے کی حیثیت سے کمزور اور لاچار بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کھلے میدان میں اس طبقے کی قوتِ مزاحمت کو شکست دی جائے اور اسے دولت کی پیداوار کے ان ذرائع سے محروم کر دیا جائے، جو اسے زندگی بخشتے ہیں؟ (۲)

ایک بار جب انتظامی سطح پر کلکوں کو فنا کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تو روس میں رونما ہونے والی ہر بات کی طرح اسے بھی "عوامی" شکل دینا ضروری تھا ـ فیصلہ ہوا کہ اس طبقے

کو فنا کرنے کا فرض خود کسان انجام دیں۔ کسان کھلے جلسوں میں "جمع" ہوئے اور انہوں نے اس بات کے حق میں فیصلہ دیا کہ کلکوں اور ان کے "ایجنٹوں" کو فنا کرنا فوری اہمیت کا مسئلہ ہے۔ سوویٹ سرکار نے جس کی بنیاد ایک اچھی حکومت کی طرح "عوام کی مرضی" پر تھی "عوام" کے فیصلے کو عملی جامہ پہنا دیا۔ ایک امریکی خاتون انا لوئی سٹرانگ جس نے انقلاب کو ایک ماں کی طرح پرورش کرنا اپنا فرض سمجھا اور اس وقت تک جب اسے ۶۳ سال کی عمر میں "جاسوسی" کی پاداش میں اس کے اختیاری وطن سے دیس نکالا دے دیا گیا وہ اپنے فرض کو وفاداری سے انجام دیتی رہی، رقمطراز ہے "سوویٹ یونین سے باہر عام مفروضہ یہ ہے کہ یہ کام پراسرار طور پر مطلق العنان جی، پی، یو کی شدید کارروائیوں سے انجام پذیر ہوا۔ حقیقی صورت حال اس سے مختلف تھی۔ یہ کام دیہات کے غریب کسانوں اور کھیت مزدوروں کی میٹنگوں میں کیا جاتا تھا جو از خود ان کلکوں کی فہرست تیار کر دیتے تھے، جو قوت اور تشدد سے "ہمارے" اجتماعی کھیتوں کے کام میں رکاوٹ ڈالتے تھے اور حکومت سے مطالبہ کرتے تھے کہ ان کلکوں کو جلا وطن کر دیا جائے۔" (۳)

اس عوامی فیصلے کا اس انتظامی فیصلے سے کیا ربط قائم کیا جائے جو سٹالن نے سنہ ۱۹۲۹ء میں ہی کر دیا تھا، جب اس نے کلکوں پر پابندیاں لگانے کی پالیسی کی بجائے انہیں بطور طبقہ ختم کرنے کی پالیسی کا اعلان کیا؟ جواب بہت آسان ہے۔ سوویٹ جمہوریت باقی جمہوریتوں سے مختلف ہے۔ دوسری جگہوں پر حکومت وہی کرتی ہے جس کا عوام فیصلہ کریں۔ لیکن روس میں عوام وہی کچھ کرتے ہیں جس کا حکومت فیصلہ کرے۔ سنہ ۱۹۳۹ء میں جب سوویٹ حکومت نے اوقات میں اضافے، تنخواہوں میں کمی اور کام پر دیر سے پہنچنے کی پاداش میں سزائے موت کا اعلان کیا تو مزدوروں نے فوراً اتفاق رائے سے یہ ریزولیوشن پاس کر دیا کہ ان کے کام کے اوقات بڑھائے جائیں، ان کی تنخواہ کم کی جائے اور اگر وہ کام پر دیر سے پہنچیں تو انہیں موت کی سزا دے دی جائے۔ جمہوریت کی سوویٹ شکل کی یہ

ایک بہت واضح مثال ہے۔

سٹالن کے پیرو اور ہمسفر جس طرح ان باتوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں یا ان کا جواز ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں، کم سے کم سٹالن ایسا ہرگز نہیں کرتا بکسی قسم کے الٹ پھیر کے بغیر وہ کہتا ہے "پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی دھرتی سوویٹ یونین میں پارٹی کے رہنمایانہ منصب کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ ہماری سوویٹیں یا دیگر عوامی جماعتیں پارٹی کے رہنمایانہ فیصلوں کے بغیر کسی ایک سیاسی یا تنظیمی معاملے پر اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتیں۔ اس اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ دراصل اس کے ہراول دستے یعنی پارٹی کی ڈکٹیٹرشپ ہے۔" (۴)

کلکوں کا صفایا اور اس کا بے رحمانہ انداز

جب ایک بار مرکز نے یہ فیصلہ کر دیا کہ کلکوں کو ختم کرنا ہے تو مقامی مجاہدین نے اسے عملی جامہ پہنانے کا طریق کار خود تجویز کر لیا۔ اس طریق کار کی وضاحت "کنواری دھرتی میں اتھل پتھل" نامی کتاب میں مندرجہ ذیل انداز میں پیش کی گئی ہے۔

"تم نے مجھے کلکوں کے متعلق احتیاط برتنے کے سلسلے میں کوئی مشورہ دیا تھا۔ مجھے اس کا کیا مفہوم لینا چاہیئے؟" ڈاویڈوف نے دریافت کیا۔

سکریٹری نے مربیانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا: "اس طرح ایک کلک ایسا ہے جو مطلوبہ اناج پیش کر دیتا ہے اور دوسرا ایسا جو ضد کرتا ہے۔ جہاں تک دوسرے کا معاملہ ہے راستہ بالکل صاف ہے۔ اناج کے حصول والے قانون کی دفعہ ۱۰۷ کا نفاذ کرو اور معاملہ ختم کر دو۔ لیکن پہلے کا معاملہ کسی قدر زیادہ پیچیدہ ہے۔ اس کے ساتھ تم کیا سلوک کروگے؟"

ڈاویڈوف نے کسی قدر توقف کے بعد جواب دیا۔ "میں اس سے اناج کا مزید مطالبہ کروں گا۔" (۵)

یہ بھیڑیئے اور میمنے کی کہانی کی ہو بہو نقل ہے۔ بہت جلد یہ معمولی سا پردہ بھی اٹھا دیا گیا۔ اور کلکوں کی جائیداد کی غیر مشروط ضبطی شروع ہو گئی۔ جائداد کی ضبطی کے بعد ان کو گرفتار کر کے جلاوطن کر دیا جاتا۔ ان کا معمولی سے معمولی سامان بھی چھین لیا جاتا اور اس کے بعد فاقے مرنے کے علاوہ ان کے سامنے کوئی راستہ نہیں رہتا تھا۔ ان کی زمینیں، مکان اور آلات کاشت چھین کر مشترکہ کھیتوں کے حوالے کر دیئے جاتے۔ جن کی ممبری کے دروازے ان پر بند تھے۔ ویب جوڑے کو افسوس ہے کہ سوویٹ حکومت نے اس بات کے متعلق کوئی تفصیلی بیان شائع نہیں کیا کہ ان لاکھوں اشخاص کی جبری جلاوطنی کس طریق پر عمل میں لائی گئی" (۶)۔ اور ان میں سے کتنوں کو "جیلوں میں بھیجا گیا" یا شمالی جنگلاتی علاقوں کے ان کیمپوں میں بھیجا گیا، جن میں آوارہ مزاج لوگوں کو رکھا جاتا ہے، یا ریلوں اور نہروں کی تعمیر کے کام میں لگایا گیا، یا میگنی ٹوگورسک جیسے بڑے بڑے صنعتی کارخانوں میں بطور مزدور بھیج دیا گیا۔ یا کوئلے کی کانوں میں کام کرنے پر مجبور کیا گیا" اس کے بعد وہ مزید لکھتے ہیں:۔

"پبلک طور پر صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ سوویٹ روس کے جنوبی علاقوں میں سفر کرنے والے لوگوں نے گذشتہ چند سال میں ریلوے اسٹیشنوں پر تھکے ہارے اور مایوس مردوں، عورتوں اور بچوں کے متعدد گروہ دیکھے، جن کے پاس صرف اتنا سامان تھا جسے وہ خود اٹھا سکیں۔ انہیں مسلح گارڈ بھیڑ بکریوں کی طرح ٹرینوں میں لاد کر نامعلوم منزلوں کی طرف لے جا رہے تھے"۔ (۷)

جن پالیسیوں پر عمل کیا گیا وہ ظالمانہ ضرور تھیں، لیکن ان کے مؤثر ہونے میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ بہت جلد کسانوں کو "سوشلزم کے جھنڈے تلے" جمع ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ اجتماعی کاشت کے ابتدائی سات سال کے عرصے میں بمشکل ایک یا دو فیصدی کسانوں نے رضاکارانہ طور پر مشترکہ کھیتوں میں شمولیت کی۔ حالانکہ قرضے دے کر اور ٹیکس

معاف کرکے ان کھیتوں کی جی بھر کر حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ لیکن جب کمیونسٹ استدلال برتا گیا تو "ایک سال سے کم عرصے کے اندر اندر ۵۰ فیصدی کسانوں نے اپنی زمینوں کو مشترکہ کھیتوں میں شامل کر دیا۔" (۸)

شہری کمیونسٹوں کا کردار

کسانوں کے طبقے کو ختم کرنے اور زراعت کو اجتماعی بنانے کے لئے اوگپو، فوج اور غریب کسانوں کی کمیٹیوں کے علاوہ شہری پرولتاریہ اور ارباب دانش کی سرگرم مدد بھی حاصل کی گئی۔ ۷ار دسمبر ۱۹۲۹ء کو پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے دیہات میں کام کرنے اور مشترکہ کاشت کی تحریک مضبوط بنانے کے لئے پورے پچیس ہزار صنعتی مزدوروں کو منظم کرنے کی ہدایت جاری کی۔

یہ شہری مزدور اور طالب علم سوویٹ حکومت کے بہترین آلۂ کار ثابت ہوئے وہ گروپ بنا کر اور گھوڑوں کی پیٹھ پر سوار ہو کر دیہات میں گھومتے رہتے۔ ان کی جیبوں میں پستول ہوتے اور قانونی طور پر انہیں یہ حق حاصل ہوتا کہ وہ سرسری سماعت کے بعد اسی جگہ ملزموں کو سزا دے سکیں۔ ان سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ اناج حاصل کریں اور جتنی جلدی ہو سکے کسانوں کو مشترکہ کاشت پر آمادہ کریں۔

اس بات کا پوری طرح اندازہ لگانے کے لئے کہ وہ اپنے فرض منصبی کو کس طرح انجام دیتے تھے کسانوں کے تئیں ان کے رویے کو سمجھنا ضروری ہے۔ سٹالن پرائز حاصل کرنے والی کتاب "کنواری دھرتی میں اتھل پتھل" کا ہیرو کہتا ہے: "ان سے دلیل بے سود ہے۔ انہیں جو کچھ سمجھانا ہو سر کو چپتیا کر سمجھاؤ۔ یہ ناگزیر ہے۔" ایک اور ناول "برو سکی" کا کمیونسٹ کردار بھی اس رویے کی ترجمانی کرتا ہے۔ "جس طرح چٹائی کو پیٹ کر گرد جھاڑی جاتی ہے اسی طرح ہم آدمی کو پیٹ کر جائیداد کا تصور اس کے دماغ سے جھاڑ دیتے

ہیں۔کسان چونکہ ہم سے سودے بازی کرتا ہے۔لہٰذا انہیں یہ تمنّا ڈنڈے کے زور سے
اس کے دماغ سے نکال دینی چاہیئے .... ہمیں اس کے ساتھ بندوق کی زبان میں گفتگو
کرنی چاہیئے اور اسے اور اس کے کھیت کو ڈائنامائٹ سے اڑا دینا چاہیئے۔"

دیہاتی محاذ پر کام کرنے والے سبھی کارکن اس منصب کے اہل نہیں تھے۔لہٰذا انہیں
طویل طویل اپدیش دے کر ذہنی طور پر اس کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔"کنواری دھرتی میں
اتھل پتھل" کا ایک فوجی کارکن احتجاج کرتے ہوئے کہتا ہے۔"میں کلکوں کو مٹانے کا کام
ہرگز نہیں کروں گا۔مجھے اس کی ٹریننگ نہیں دی گئی مجھے بچوں کے خلاف جنگ کرنے
کی ٹریننگ نہیں دی گئی۔محاذ پر لڑنا اور بات تھی۔وہاں آدمی جسے چاہے بھون سکتا تھا۔"
ناول کا ہیرو جو ایک دانشور ہے۔اس انسانی لیس وپیش کا اس طرح جواب دیتا ہے"تم
ان پر آنسو بہاتے ہو!تم ان سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہو!کیا کبھی انہوں نے ہم پر
ترس کھایا تھا؟کیا کبھی ہمارے دشمنوں نے ہمارے بچوں کے آنسوؤں کی پرواکی تھی؟"اپنی
بات کو عمومی شکل دیتے ہوئے وہ مزید کہتا ہے۔"تم ہزاروں بوڑھوں،عورتوں اور بچوں
کو لائن میں کھڑا کر کے مجھے کہو کہ انقلاب کے لئے ان سب کو مٹی میں ملانا ضروری ہے۔میں
ان سب کو مشین گن سے بھون ڈالوں گا۔" ایک اور موقعہ پر وہ کہتا ہے۔"ہم اس وقت
جنگ کے مورچے پر ہیں۔بالکل خانہ جنگی جیسی حالت ہے۔دشمن ہر طرف اٹھ رہے ہیں اور تم؟
یہ تم ہی جیسے لوگ ہوں گے جو بین الاقوامی انقلاب کے امکانات کو تباہ کریں گے۔ہمارے
ہر طرف طبقۂ بورژوا محنت کش عوام کو اذیت دے رہا ہے۔یہ طبقہ سرخ چینیوں کو گولہ
بارود سے اڑا رہا ہے۔سیاہ فاموں کو کوڑے لگا رہا ہے۔اور تم ہو کہ دشمن سے نرمی برت
رہے ہو۔تم پر لعنت،یہ انتہائی شرمناک ہے!" ان لفظوں میں وہ اس بات کی وضاحت
کرتا ہے کہ"ہمیں کلکوں کو گولی کیوں مارنی چاہیئے۔" (۹)

کمیونزم کا بیشتر حصہ جو طریق کار،ٹریننگ،دعاوی اور تصورات سے تعلق رکھتا

ہے ایک خوفناک کہانی کے ماسوا اور کچھ نہیں۔ اس کی بنیاد ابہام اور الجھاؤ پر ہے۔ منفرد واقعات کو عمومی شکل دے دی جاتی ہے، واقعے کو مفروضے سے خلط ملط کر دیا جاتا ہے، حقیقت کو واہمے سے ملا دیا جاتا ہے اور داخلی بے رحمی کو اصول پرستی کا نقاب پہنا دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس ملغوبے کو عام فہم ذہنی مفروضوں اور جذباتی اظہار کا لباس پہنا دیا جاتا ہے۔

کمیونسٹ اپنے جذبۂ نفرت اور اپنے سیاسی طریق کار کا کوئی نہ کوئی جواز ہر حالت میں پیش کر دیتے ہیں۔ ایک بار جب وہ کسی خاص گروپ، طبقے یا قوم کو فنا کرنے کا فیصلہ کر لیں تو وہ ان تمام بے انصافیوں کا تصور باندھ لیتے ہیں، جو انسانی تاریخ کے کسی دور میں، دنیا کے کسی گوشے میں رونما ہوئی ہوں۔ پھر ان تمام بے انصافیوں کو ملا کر مصیبت اور ظلم کی ایک مرکزی تصویر تیار کر لی جاتی ہے اور اس تصویر کا سہارا لے کر وہ اپنے آپ کو ذہنی طور پر ان افعال کے لئے آمادہ کر لیتے ہیں جو پہلے سے ہی طے شدہ ہوتے ہیں۔ یہ ذہنی تیاری اس لئے ضروری ہوتی ہے کہ اس سہارے کے بغیر کمیونسٹوں کے لئے بھی اپنے مجوزہ افعال کو عملی جامہ پہنانا آسان نہیں ہوتا۔

کلک کسے کہتے ہیں؟

روسی کلکوں کے متعلق بہت سے غلط تصورات مروج ہیں، جو خود غرض لوگوں، کمیونسٹ مصنفوں اور ان کے ہمسفروں نے اس لئے پھیلا رکھے ہیں تاکہ سوویٹ روس میں کمیونسٹوں کے افعال کا جواز پیش کیا جا سکے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کلک جاگیر دار کو کہتے ہیں۔ بلند منصب لوگوں کی تعداد چند ہزار سے زائد نہیں تھی اور زار کے زمانے میں یہی لوگ روس پر حکومت کرتے تھے۔ بائیں بازو سے تعلق رکھنے والے لوگوں کا ضمیر آج ان کے تمام وجود کو برحق سمجھنے کے لئے تیار ہے اور اگر اس کی سرگرم حمایت نہ بھی کرے

تو خاموشی سے اسے برداشت ضرور کرے گا۔ دوسری غلط فہمی یہ ہے کہ کلک کٹ حجتی امیر کسان تھے جنہوں نے اجتماعی کاشت کے سوشلزمی تجربے کو تباہ کرنے کی کوشش کی، اور یہ قدرتی ہے کہ سوشلزم کی تخریب کے درپے لوگوں کو سخت ترین سزا دی جائے تیسری غلط فہمی یہ ہے کہ خاتمۂ وجود کی پالیسی صرف ان ہی لوگوں تک محدود تھی اور ان لوگوں کی تعداد چونکہ بہت محدود تھی اس لئے ان کے خاتمۂ وجود کو بہت زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔ اگر عوام کی بہت بڑی تعداد مستقبل میں مستحسن خوشحالی کی زندگی بسر کر سکے تو چند ہزار یا چند لاکھ اشخاص کی موت کو اتنی اہمیت کیوں دی جائے۔ ترقی پسند ذہن استدلال کا یہی راستہ اختیار کرتا ہے۔

ان تمام تصورات کی گہری چھان بین ضروری ہے۔ کلک جاگیردار نہیں تھے۔ جاگیرداروں کو تو کسان بہت پہلے مٹا چکے تھے۔ کلک تو صرف ایک کسان تھا۔ یہ اور بات ہے کہ وہ دوسرے کسانوں سے نسبتاً زیادہ خوشحال تھا۔ وہ دوسروں سے دراز قد، یا پست قامت ہو سکتا ہے لیکن اسے دیو قامت یا بونا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر کم سے کم شریفانہ معیار زندگی کے متعلق ہمارے سماجی نقطۂ نگاہ کو اتنا مبتذل نہیں ہو جانا کہ وہ خالص نسبتی ہو کر رہ جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ کلک غریب تھے اور روس کے دوسرے بے شمار لوگوں کی طرح ان کی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہوتی تھیں۔ اس کے مکان کو دیکھ کر موریس ہندس کو جسے سوویٹ روس کی مداحی کا شرف بھی حاصل ہے یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ جلاوطن کئے جانے والا کلک جو اپنی امارت اور لوٹ کھسوٹ کے لئے مشہور تھا، آخر کس قسم کا آدمی ہو گا؟ وہ لکھتا ہے: "مکان کو دیکھتے ہی آدمی حیران رہ جاتا تھا کہ اس میں رہنے والا کلک آخر کیسا کلک تھا؟ کیونکہ یہ مکان بہت چھوٹا اور محدود رقبے کا تھا۔ جس کی چھت بہت نیچی تھی اور فرنیچر بھی برائے نام تھا۔ اس مکان کی چھت جھکی ہوئی بھی تھی۔" (۱۰)

اس مسئلے کا ایک اور زاویئے سے بھی مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ سٹالن کے مطابق کلکوں نے اپنے خاتمۂ وجود تک ۶۱ کروڑ ۷۰ لاکھ پونڈ اناج پیدا کیا۔ اس میں سے ۱۲ کروڑ ۶۰ لاکھ پونڈ گورنمنٹ نے شہروں اور دوسرے ملکوں میں بھیجنے کے لئے حاصل کر لیا۔ اس طرح ان کے پاس صرف ۴۹ کروڑ ۱۰ لاکھ پونڈ اناج بچا (۱۱) اگر اس اناج کو کلک آبادی جو ۵۸۵۹ ہزار تھی، مساوی بانٹ دیا جائے تو مندرجہ ذیل نتیجہ نکلتا ہے۔

$$\frac{491\ 00000}{5859000 \times 563} = ۰۰۲۳ \text{ پونڈ فی کس یومیہ}$$

اگر اوسطاً ہر خاندان کو ۵ ممبروں کا مجموعہ سمجھا جائے تو ہر خاندان کے پاس تقریباً ۱۲ سیر اناج بچا۔ (اس وقت جو قیمتیں مروج تھیں ان کے حساب سے ہر خاندان کو ایک سے دو روپیہ یومیہ تک ملتے ہوں گے)

یہ مجموعی پیداوار تھی جو ایک کسان خاندان کو ملی۔ اس میں سے اسے اپنے مویشیوں اور گھوڑوں کا پیٹ بھی بھرنا پڑتا تھا، بیج کے لئے بھی بچانا پڑتا تھا اور سوشلسٹ حکومت کے ٹیکس بھی دینے پڑتے تھے۔ ۲۷-۱۹۲۶ء میں ۹ فیصدی کسانوں کو اپنی آمدنی کا ۹ء ۲۹ فیصدی حصہ بطور ٹیکس ادا کرنا پڑا۔ یہ کلک تھے۔ لوٹ کھسوٹ کرنے والے امیر کسان جنہیں انقلابی غصے کا خصوصیت کے ساتھ نشانہ بنایا جاتا ہے (۱۲)

کلک تخریب کار بھی نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کلکوں کے خاتمہ وجود کا فیصلہ ایک سیاسی فیصلہ تھا، جو اجتماعی کاشت کے آغاز سے پہلے ہی کیا جا چکا تھا۔ اسے یہ موقعہ بھی نہیں دیا گیا کہ وہ اپنا سب کچھ مشترکہ کھیت کے حوالے کر کے، اور پوری وفاداری کے ساتھ اس کی رکنیت قبول کر کے اپنے آپ کو خاتمۂ وجود سے بچا سکے۔ اس قسم کی تجاویز کو حکام وقت نے مضحکہ خیز قرار دیا۔ "ایک اور سوال ہے جو کچھ کم مضحکہ خیز نہیں۔ کیا کلکوں کو مشترکہ کھیتوں کی ممبری کی اجازت ہونی چاہیئے؟" سٹالن نے خود ہی یہ سوال اٹھایا اور خود ہی

مندرجہ ذیل لفظوں میں اس کا جواب دے دیا۔ "بالکل نہیں کیونکہ وہ مشترکہ کھیتوں کی تحریک کے مسلمہ دشمن ہیں"۔ (۱۳) ان سب باتوں کو اس نے "مارکسی تجزیئے" کا نام دیا۔

سہ طرفہ کام

اگر کلک نہ جاگیردار تھا نہ تخریب کار۔ بلکہ اس کے برعکس ایک محنتی، جفاکش اور ماہر کسان تھا جو اپنے چھوٹے سے قطعہ آراضی پر ایمانداری سے آزادانہ کام کرکے اپنی روزی کماتا تھا، تو پھر اسے فنا کیوں کیا گیا؟ سبب بہت واضح تھا۔ ایسی محنت شاقہ جو فرد کی آزادی اور خوشحالی پر منتج ہو، کوئی محنت نہیں۔ کمیونسٹ یہ چاہتے ہیں کہ لوگوں کا انحصار اس سٹیٹ پر ہو جو اُن کے قبضہ اقتدار کے اندر ہو۔ وہ مکمل اقتدار چاہتے ہیں اور جب تک آبادی کا ایک اہم حصہ اقتصادی طور پر آزاد اور خود کفیل ہے مکمل اقتدار ممکن نہیں ہو سکتا۔

اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے بولشویک لیڈروں نے ایک طریقہ ایجاد کیا جس کا مقصد بہ تدریج پھوٹ ڈالنا اور انتشار پیدا کرنا ہے۔ اس طریق کار کا انحصار اس بات پر ہے کہ عوام کو طبقہ بہ طبقہ اور گروہ در گروہ مغلوب کیا جائے۔ انہیں ایک دوسرے کے خلاف ابھارا جائے۔ اور اپنے مخالفوں کے باہمی تضادوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ (خواہ یہ تضاد عارضی ہی کیوں نہ ہو) اسی طرح پے در پے سمجھوتوں سے اپنے اتحادی پیدا کرنے (خواہ یہ اتحاد عارضی، ناپائیدار، مذبذب اور مشروط ہی کیوں نہ ہوں) (۱۴)

اجتماعی کاشت کا نفاذ خالص لینینی سٹالنی طریق کار اور نعروں سے کیا گیا۔ کسانوں کو تین مصنوعی گروہوں میں بانٹ دیا گیا اور انہیں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکایا گیا۔ حتیٰ کہ وہ اتنے کمزور، مذبذب اور بے حوصلہ ہو گئے کہ ان سب کو خفیہ پولیس، سرخ فوج اور شہری کمیونسٹوں کی مدد سے مغلوب کرنا ممکن ہو گیا۔

اس مرحلے پر سٹالن دریافت کرتاہے "لینن کے نعروں کا جوہر اصلی کیا ہے؟" اور خود ہی اس کا جواب دیتا ہے: "سہ طرفہ کام!"

یہ سہ طرفہ کام کیا ہے؟ اس سے مراد دشمن ایجاد کرنا، اتحادی تلاش کرنا اور حامی پیدا کرنا ہے۔ اجتماعی کاشت کا نیا کام درپیش ہونے کے باعث سٹالن نے کسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ (۱) غریب کسان (۲) متوسط درجے کے کسان اور (۳) امیر کسان۔ سٹالن کہتاہے کہ نئے حالات کے تحت ہمارا رویہ تمام سماجی گروہوں کے ساتھ یکساں نہیں ہو سکتا۔ غریب کسان محنت کش طبقے کا حامی ہے۔ طبقہ متوسط کا کسان اتحادی اور کلک ہمارا طبقاتی دشمن ہے۔ ان سماجی گروہوں کے ساتھ ہمارا بالترتیب رویہ یہی ہے (۱۵)

درحقیقت یہ سہ طرفہ امتیاز ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ سٹالن ہمیں یاد دلاتا ہے کہ "دیہاتی اضلاع میں پارٹی کا یہ سہ طرفہ کام بنیادی طور پر ایک ہی ہے" اور یہ کہ "کلکوں کے ساتھ جنگ کو طبقہ متوسط کے کسانوں کے ساتھ سمجھوتے کے کام سے الگ نہیں کیا جا سکتا اور ان دونوں کاموں کو اس کام سے الگ نہیں کیا جا سکتا کہ غریب کسانوں کو دیہاتی اضلاع میں پارٹی کی پشت پناہ بنایا جائے" (۱۶)

یہ تمام امتیاز دراصل انتہا درجے کے مصنوعی تھے۔ نہ تو امیر کسان بہت زیادہ امیر تھے اور نہ غریب کسان بہت زیادہ غریب۔ جو جاگیردار حقیقی طور پر امیر تھے اور بقول لینن ان کے پاس اوسطاً ۲۳۳۳ Desyatin زمین تھی انہیں بہت پہلے بے دخل کر دیا گیا تھا۔ کلک ان لوگوں کے مقابلے میں صرف بونے تھے۔ جن کے پاس بقول لینن ۴۶ DESYATIN زمین ہوتی تھی۔ سنہ ۱۹۲۸ء تک تو اس زمین میں اور بھی کمی ہو گئی تھی۔ *سنہ ۱۹۱۳ء میں کلکوں نے

---

* اس دور میں دکنی روس میں ہر اس کسان کو جس کے پاس ایک سے زائد گھوڑا ایک سے زائد گائے اور بارہ ایکڑ سے زیادہ زمین ہوتی تھی، کلک قرار دے دیا جاتا تھا۔

ایک ارب نوے کروڑ پونڈ اناج پیدا کیا اور سنہ ۱۹۲۸ء میں صرف ۶۱ کروڑ ستر لاکھ پونڈ۔ اسی طرح غریب کسانوں کو بھی ایشیائی اسٹینڈرڈ کے مطابق غریب نہیں کہا جا سکتا۔ بقول لینن سنہ ۱۹۰۳ء میں غریب ترین کسانوں کے پاس اوسطاً ۲ء۱۸ ایکڑ زمین ہوتی تھی اور طبقہ متوسط کے کسانوں کے پاس ۳۹ ایکڑ۔ سنہ ۱۹۲۸ء تک ان کی حالت مزید بہتر ہو گئی تھی۔ بقول لینن غریب اور طبقہ متوسط کے کسانوں نے سنہ ۱۹۱۳ء میں ۲ ارب ۵۰ کروڑ پونڈ اناج پیدا کیا اور سنہ ۱۹۲۸ء میں ۴ ارب ۵ کروڑ ۲۰ لاکھ پونڈ۔

اگر امیر کسان زیادہ امیر نہیں تھے اور نہ غریب کسان بہت زیادہ غریب تھے تو پھر ان میں امتیاز کیوں کیا گیا؟ اس کی وجہ بہت آسان اور سہل تھی۔ اس قسم کے امتیاز کے بغیر کمیونسٹ طریق کار کامیاب ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ منزل اقتدار تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اس قسم کے امتیاز پیدا کرنا کمیونسٹوں کے لئے بہت ضروری تھا۔ روس کے واقعات اس قول کی صداقت کے گواہ ہیں۔ جب بخارن نے یہ کہا کہ کلک درحقیقت ایک "مفلس ہے جو نیم فاقہ کی زندگی بسر کرتا ہے" تو سٹالن نے ایسا محسوس کیا جیسے وہ سہ طرفہ کام کی تھیوری سے محروم ہو رہا ہے اور کمیونسٹ طریق کار اور حصول اقتدار کی بنیادیں متزلزل ہو رہی ہیں۔ لہذا اس نے بخارن کو اعتدال پسندانہ گمراہی کا ملزم قرار دیا اور اس کا مذاق اڑایا۔ (۱۷)

کلکوں کے خاتمے سے عام تباہی تک

بہت جلد کلکوں کے خاتمے کی تحریک کسانوں کی عام تباہی کی تحریک میں تبدیل ہو گئی اور حصول اناج کی مہم نے اناج کی عام ضبطی اور جبری مشترکہ کاشت کا رنگ اختیار کر لیا۔ ہر وہ شخص جو مشترکہ کاشت کی مخالفت کرتا تھا اسے کلک یا کلکوں کے ایجنٹ کا نام دے دیا جاتا تھا۔ پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ صرف خوشحال کسان ہی اپنی زمینوں کی ضبطی کی مخالفت کریں گے اور باقی لوگ رضامندی سے مشترکہ کھیتوں کے ممبر بن جائیں گے۔ لیکن بہت جلد یہ

پتہ چل گیا کہ ہر وہ شخص جس کے پاس تھوڑی بہت زمین تھی، مشترکہ کاشت کا مزاحم ہے
وبیب جوڑے کو حیرت ہے کہ ان میں سے کتنے لوگوں کو "ایمانداری کے ساتھ کلک قرار دیا
جاسکتا ہے اور ان پر یہ الزام لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے نسبتاً کم خوشحال پڑوسیوں پر
اقتصادی جبر کرتے تھے اور ان میں سے کتنے ایسے لوگ تھے جو صرف خود سر افراد تھے۔
اور خواہ ان کی انفرادی کھیتی کامیاب ہو یا ناکامیاب، وہ اسے مشترکہ کھیتوں میں مدغم
کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔" (۱۸)

جبر اور مزاحمت

جبر کا نتیجہ مزاحمت ہوا اور مزاحمت کا نتیجہ مزید جبر۔ اور اس کا سلسلہ
یہاں تک پہنچا کہ سارا ملک خانہ جنگی کے شعلوں کی لپیٹ میں آگیا لیکن یہ ایک ایسی خانہ
جنگی تھی جس میں دونوں دھڑے بہت زیادہ غیر متوازن تھے۔ ایک طرف سٹیٹ کے
آلاتِ جبر تھے اور ایک ایسی انتہا پسند اور تربیت یافتہ پارٹی تھی جس کی وحدت، آدرش،
وادٗ، رشوتوں، اقتدار اور خفیہ پولیس کے مشترکہ خطرے اور باہمی اندیشوں پر قائم تھی۔
اس فریق کی پشت پر تباہ کارانہ ہتھیار، پستول اور مشین گنیں تھیں اور جبر کے دوسرے
طریقے بھی مثلاً جیلیں اور سائبیریا میں جلاوطنی۔ دوسری طرف غیر منظم کسان تھے، جن
کا نہ مشترکہ پلیٹ فارم تھا نہ پارٹی۔ ان کا کوئی مشترکہ وجود نہیں تھا۔ ان کا واحد ہتھیار
غصہ اور نفرت تھے، جو مقامی طور پر بغیر کسی انگیخت کے بروئے کار آجاتے تھے۔ ان کے
پاس کوئی مشترکہ سیاسی نعرے بھی نہیں تھے جو اُن کے وجود کا جواز پیش کر سکتے اور
ان کی مزاحمت کو برحق ثابت کر سکتے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بہت سے دانشوروں
کو یا تو پارٹی نے خرید لیا تھا یا تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ جن دانشوروں کو نہ خریدا جاسکا
اور نہ تذبذب میں مبتلا کیا جاسکا انہیں دہشت کا شکار بنایا گیا، جیلوں میں ڈال دیا گیا

گولی ماردی گئی، یا جلاوطن کردیا گیا۔

اشتراکی جدلیات کے ماہر کسانوں کو یہ ذہن نشین کرادیتے تھے کہ ان کا وجود غیر ضروری ہے اور تباہی ان کی تقدیر ہے۔ کسان یہ نہیں جانتے تھے کہ اس دلیل کا کیا جواب دیا جائے۔ لیکن یہ ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

اپنے خاتمہ، وجود اور ضبطی، جائداد کی مزاحمت انہوں نے ضرور کی۔ کمیونسٹوں نے اس مزاحمت کو اپنے وجود کے لئے خطرہ تصوّر کیا اور فیصلہ کیا کہ کسانوں کو تاریخ کے راستے میں مزاحم ہونے کا موقعہ نہ دیا جائے۔ تشدّد کو شدید تر کردیا گیا اور اس کی شدت میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ سارے دیہات میں ایک ایسے تشدد کا دور دورہ شروع ہوگیا، جس کی نظیر اس سے پہلے کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ لاکھوں اشخاص کو جلاوطن کردیا گیا اور بے شمار بچّے بے گھر ہوکر آوارہ بن گئے۔ لوگوں کے دل نامردانہ غصّے سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کرنا چاہئے۔ کبھی کبھی وہ آمادۂ بغاوت ہوجاتے جس کا نتیجہ مزید جبر ہوتا۔ ہر طرف مایوسی اور بے بسی کا دور دورہ تھا کمیونسٹوں اور کسانوں کی جنگ کا نقشہ یہی تھا۔ اول الذکر باقاعدہ انداز میں جلاوطنی، جیل، مار پیٹ اور گولی بارود کے ساتھ لڑ رہے تھے اور ثانی الذکر بے حسی، نفرت اور ضد کے ساتھ! جو کبھی کبھی علانیہ بغاوت کی شکل اختیار کرلیتی تھی۔ جیسا کہ بعد میں تسلیم کیا گیا، عوام نے واقعی کمیونسٹوں کے خلاف کھلی بغاوت کی تھی اور یہ واقعہ ہے کہ "عورتیں اور بچے اور کبھی کبھی عورتوں کے لباس میں مرد بھی، تاکہ وہ جسمانی اذیت سے بچ نکلیں، گلیوں میں مارچ کرنے لگتے تھے اور کمیونسٹ افسروں کو گالیاں دیتے اور صلواتیں سناتے تھے۔" (۱۹)

میلکم موڈ برج نے جو اس وقت 'مانچسٹر گارڈین' کا نامہ نگار تھا، اس صورت حال کا انتہائی بھیانک نقشہ پیش کیا ہے۔ جسے فریڈا اُٹلے نے اپنی کتاب "شکست طلسم"

میں نقل کیا ہے۔ یہ عورت ایک مشہور کمیونسٹ تھی جو ایک روسی کے ساتھ شادی کرنے کے بعد "اپنے خوابوں کی سرزمین" میں آباد ہو گئی تھی، اور بالآخر مایوس ہو کر لوٹ آئی تھی۔ کہانی حسب ذیل ہے:۔

"کاکیشیا کے گاؤں کی ایک عورت کے خاوند کو گرفتار کر کے اور کلک قرار دے کر جبری مشقت کے کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ اس کے پاس جو تھوڑا بہت آٹا تھا، اسے ضبط کر لیا گیا۔ یہ سب کچھ اوگپو کے افسر کامریڈ بے بل کے حکم سے ہوا۔ جب وہ چلا گیا تو عورت نے اپنے تین بچوں پر نظر ڈالی۔ جو سٹوو کے پاس سو رہے تھے۔ غذا ناپید تھی اور اس کے حصول کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔ اس لئے اُٹھ کر کلہاڑی سنبھالی اور اپنے تینوں بچوں کو سوتے میں قتل کر دیا۔

"اس کے بعد اس نے تینوں لاشوں کو آٹے کی تین بوریوں میں بند کیا اور شہر جا کر کامریڈ بے بل کے روبرو پیش ہو کر کہا کہ اس نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اب پرولتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ کی مزید حکم عدولی نہ کرے۔ اس نے اعتراف کیا کہ اس کے پاس آٹے کی تین بوریاں اور تھیں۔ کامریڈ بے بل اس کے ساتھ اس کے گھر میں گیا۔ اس نے اسے تین بھری ہوئی بوریاں دکھائیں اور جب وہ نیچے کو جھکا تو اس نے اپنی کلہاڑی سے اسے ہلاک کر ڈالا۔ یہ بات قدرتی ہے کہ اس عورت کو گولی مار دی گئی۔ اور ماسکو کے اخباروں نے بے بل کی موت کو ایک سورما کی موت قرار دیا، جو طبقاتی جنگ کے محاذ پر مارا گیا تھا۔ پراودا نے "طبقاتی دشمنوں کی سازشوں کا ذکر کیا اور اس بات پر زور دیا کہ دیہات میں مخالف عناصر کو بے رحمی سے فنا کر دیا جائے۔" معاملے کو یہ رنگت دی گئی کہ کولاک، جلا وطن کولاک کی بدنام اور انقلاب دشمن بیوی نے کامریڈ بے بل کو دھوکے سے اپنے گھر میں بلایا اور کلہاڑی سے قتل کر دیا۔" (۲۰)

اس جدوجہد میں بہت سے کمیونسٹوں نے محسوس کیا کہ وہ اس بے رحمی کے نئے

موزوں نہیں، جس کی ان سے توقع کی جاتی ہے. جب یہ بے رحمی انہیں نظریاتی طور پر یہ کہہ کر پیش کی گئی تھی کہ یہ "دردزہ" اور "ناگزیر قیمت" ہے تو اور بات تھی لیکن جب انہوں نے اس بے رحمی کو ننگی شکل میں دیکھا تو لرز گئے اور کئی ایک نے اس سے بچنے کے لئے یا تو خودکشی کر لی یا پاگل ہو گئے. خودکشی کرنے والوں میں سٹالن کی بیوی بھی تھی اور رائیکمل پی ٹسکی بھی. جو ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۹ء تک ٹریڈ یونینوں کی جنرل کونسل کا صدر رہا. ان میں سے بہتوں کو یہ کہہ کر ان کے منصب سے الگ کر دیا گیا کہ وہ کمزور عقیدہ گمراہی کیش ہیں. جو "عقیدے کی بولشویک پختگی" کے اہل نہیں. اجتماعی کاشت کے طوفانی ایام کے بعد ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۶ء میں ایسے پارٹی کامریڈوں کی بے شمار گرفتاریاں ہوئیں جو سٹالنی حکومت میں وشواس نہیں رکھتے تھے.

"درست پالیسی" کے متعلق سٹالن کا خیال

بہت سے بوڑھے بولشویک لیڈر اس صورت حال پر غش غش کرتے تھے. جب یہ لوگ دہشت کی نظریاتی طور پر تلقین کرتے تھے تو اور بات تھی. لیکن اسے عملی شکل میں دیکھ کر وہ لرز گئے. صرف سٹالن ثابت قدم رہا اور اس کے خیالات اس لئے حاوی رہے کہ اقتدار کی عنان اسی کے ہاتھ میں تھی. جب کبھی کوئی جرأت مند بوڑھا لیڈر اسے ان لوگوں کی مصیبت کی طرف توجہ دلاتا، جن کی فصلیں، زمین اور مویشی ضبط کئے جا چکے ہوں، تو سٹالن پورے سکون کے ساتھ جواب دیتا "جس شخص کی گردن کاٹی جائے اس کی زلفوں کے لئے آنسو بہانا ہمارا شیوہ نہیں" (۲۱) جب بوڑھے لیڈروں نے اسے یہ کہا کہ اس کی پالیسی کی وجہ سے زیادتیاں ہو رہی ہیں تو اس نے یہ جواب دیا کہ وہ اپنی درست پالیسی کو خیرباد کہنے کی بجائے ان زیادتیوں کو جاری رکھنا بہتر سمجھتا ہے.

دنیا کے مروجہ سیاسی معیار کے مطابق درست پالیسی وہ ہوتی ہے جو انسان دوستی پر مبنی ہو اور جس میں بے رحمی اور خون ریزی کو دخل نہ ہو۔ لیکن کمیونسٹوں کا معیار مختلف ہے۔ وہ اپنی جدلیاتی بصارت کی بنا پر یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ فلاں پالیسی ٹھیک ہے۔ اس کے بعد خواہ اس پالیسی سے کروڑوں اشخاص برباد ہو جائیں وہ درست ہی رہتی ہے۔ سٹالن ان لوگوں کا مذاق اڑاتا ہے جو "زیادتیوں کے متعلق باتیں بنا کر" پہلے اپنی لائن کی پردہ پوشی کرتے ہیں" اور پھر "انقلابی پالیسی کو خیرباد کہنے کی کوشش کرتے ہیں" وہ انہیں خبردار کرتا ہے کہ "یہ چال کامیاب نہیں ہوگی"۔ وہ مزید کہتا ہے "تب وہ زیادتیوں کی دہشت ناکیوں کے قصے چھیڑ دیتے ہیں۔ وہ کسانوں کے خط پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کامریڈوں کے خط بھی جو لرزہ براندام ہو گئے ہیں مثلاً مار کوف۔ اس کے بعد وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ کلکوں پر دباؤ ڈالنے کی پالیسی کو ترک کر دینا چاہیئے۔ سلسلہ یوں چلتا ہے صحیح پالیسی کو چلانے میں چونکہ زیادتیاں ہوتی ہیں۔ اس لئے درست پالیسی کو ترک کر دینا چاہیئے۔ موقعہ پرست بالعموم یہی چال چلتے ہیں"۔ (۲۲)

ان حالات میں جب تمام انسانی ذہانت اور رواداری کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ یہ بالکل قدرتی تھا کہ کوئی مصیبت نازل ہو۔ حکومت نے کسانوں سے سارا اناج لے لیا اور اسے فالتو قرار دے کر ذخیرہ کر لیا۔ دوسری طرف کسانوں نے کم سے کم فصل بوئی اور یہ احتیاط برتی کہ اتنا ہی اناج پیدا کیا جائے، جو صرف ان کی ضرورتوں کے لیئے کافی ہو۔ حکومت نے انتقاماً ان کا سارا اناج ضبط کر لیا۔ اس کا نتیجہ تھا قحط۔ ایک ایسا قحط جو کسی بلائے آسمانی کا نتیجہ نہیں تھا جیسا کہ ویب جوڑے نے بڑی عرق ریزی سے اپنی کتاب "سوویٹ کمیونزم" میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

کھیتوں میں فصلیں کھڑی تھیں اور لوگ فاقے مر رہے تھے۔ ایسا کیوں تھا؟ اس لئے کہ لوگ حکومت کے لئے فصلیں کاٹنے کو تیار نہیں تھے اور حکومت اس کیلئے تیار نہیں تھی کہ وہ اپنے مصرف کے لئے کاٹ لیں۔ کھیتوں کے کناروں پر سپاہی کھڑے تھے جن کے ہاتھوں میں

سنگینیں تھیں۔ یہ سپاہی بھوکے عوام کے خلاف "سوشلسٹ جائیداد" کا تحفظ کر رہے تھے۔ لوگ اور مویشی دونوں ہی مرنے لگے۔

حکومت نے صرف زمین کو ہی مشترکہ قرار نہیں دیا بلکہ مویشیوں کو بھی مشترکہ ملکیت قرار دے دیا۔ دو تین سال کے اندر نصف مویشی ہلاک ہو گئے۔ کیونکہ کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا، اور اناج حکومت دبائے بیٹھی تھی۔

لوگوں نے بھوک سے بے بس ہو کر رات کے وقت کھیتوں میں چوری شروع کر دی۔ اس کے جواب میں حکومت نے ۷ اگست ۱۹۳۲ء کو یہ حکم جاری کیا کہ حکومتی اور اجتماعی جائیداد کو چرانے والے کو موت کی سزا دی جائے گی۔ یا کم سے کم دس سال قید بامشقت۔

دیہات کے دیہات فاقے کی موت مرنے لگے۔ کراوچنکو اس تباہی کے عینی شاہد کی حیثیت سے اپنی مشہور کتاب "میں نے آزادی کو منتخب کر لیا" میں لکھتا ہے: "ہم شام کے وقت پیٹرووف کے گاؤں میں پہنچے۔ وہاں ایک ایسی خاموشی طاری تھی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ سیاسی ڈیپارٹمنٹ تک ہماری رہنمائی کرنے والے کسان نے بتایا کہ "اس خاموشی کی وجہ یہ ہے کہ لوگ تمام کتوں کو کھا گئے ہیں۔ لوگ چلتے بھی نہیں۔ کیونکہ ان میں چلنے کی سکت باقی نہیں رہی۔"

جب کراوچنکو ایک کسان کے مکان میں، جہاں اسے ٹھہرایا گیا تھا، پہنچا تو کسان کی بیوی اس سے باتیں کرنے لگی۔ اس گفت گو کو کراوچنکو نے مندرجہ ذیل لفظوں میں بیان کیا ہے:-

"میں تم سے مردوں کی بات نہیں کروں گی مجھے یقین ہے کہ تمہیں اس کا علم ہے۔ نیم مردہ اور قریب المرگ لوگوں کی حالت اس سے بھی خراب ہے۔ پیٹرووف میں سینکڑوں لوگ بھوک سے بے حال ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ہر روز کتنے مرتے ہیں۔ بہت سے لوگ اتنے کمزور ہو گئے ہیں، کہ وہ اب اپنے گھروں سے باہر نہیں نکلتے۔ ایک گاڑی کچھ وقفے کے بعد گاؤں کا چکر لگاتی ہے اور لاشوں کو لے جاتی ہے۔ جو چیز ہمارے ہاتھ پڑی ہم اسے چٹ کر گئے۔ بلیاں، کتے، چوہے اور پرندے۔ جب صبح ہو گی تو تم دیکھو گے کہ درختوں کی چھال غائب ہے۔ کیونکہ ہم اسے بھی

چٹ کر گئے ہیں۔ گھوڑے کی لید تک ہم کھا جاتے ہیں۔" کراو چنکو لکھتا ہے" اس کے اس فقرے پر میں غالباً گھبرا گیا ہوں گا اور میرے چہرے .... سے یہ ظاہر ہو رہا ہو گا کہ میں اسے باور نہیں کر رہا۔ اسی لئے اس نے فوراً کہا: "ہاں ہاں گھوڑے کی لید۔ ہم تو اس کے لئے لڑ پڑتے ہیں۔ اس میں تو بعض وقت اناج کے سالم دانے بھی ہوتے ہیں۔" (۲۳)

مشترکہ کاشت سے انسانی اتلاف

سٹالن نے ایک بار کہا تھا کہ سوویٹ کسان بالکل نئی قسم کے کسان ہیں۔ یہ بات ایک المیہ مفہوم کے ساتھ واقعی درست ہے۔

اس تبدیلی کی وجہ سے جو اوپر سے ٹھونسی گئی اور بلائے آسمانی کی طرح نازل ہوئی کسانوں کو جس تکلیف اور اذیت کا سامنا کرنا پڑا، اگر اسے نظر انداز بھی کر دیا جائے، اور صرف مرنے والوں کی تعداد کو پیش نظر رکھا جائے تو بھی یہ مطالعہ کافی سبق آموز ہے۔ اس معاملے میں صحیح اعداد و شمار حاصل کرنا آسان نہیں، کیونکہ یہ راز صرف روس کی خفیہ فائلوں تک محدود ہے۔ لیکن مختلف اندازوں کی بنا پر جو تخمینے لگائے گئے ہیں وہ نمائندہ تصویر پیش کرتے ہیں۔

"سوشلسٹ ایگریکلچر" کی رو سے کسان گھرانوں کی تعداد میں حسب ذیل تبدیلیاں ہوئیں:- (۲۴)

	کسان گھرانوں کی تعداد
یکم جون سنہ ۱۹۲۹ء	۲۵۸۳۸۰۰۰
" " سنہ ۱۹۳۰ء	۲۵۴۱۵۷۰۰
" " سنہ ۱۹۳۱ء	۲۴۷۳۱۰۰۰

یکم جون سنہ ۱۹۳۲ء	۲۴۴۸۳۱۰۰
" " سنہ ۱۹۳۳ء	۲۳۶۲۰۸۰۰
" اکتوبر سنہ ۱۹۳۴ء	۲۱۷۳۶۶۰۰
" جولائی سنہ ۱۹۳۵ء	۲۰۹۰۳۱۰۰
" " سنہ ۱۹۳۶ء	۲۰۴۱۳۹۰۰
" اپریل سنہ ۱۹۳۷ء	۱۹۹۳۰۶۰۰

مندرجہ بالا اعداد و شمار سے دو نتیجے نکلتے ہیں. اوّل یہ کہ روس کی زراعت ۴۹۳۴۹۰۰ کسان گھرانوں سے محروم ہو گئی۔ گویا ہر خاندان کے پانچ ممبر ختم ہو گئے. بہ الفاظ دیگر اجتماعی کاشت کے زمانے میں کل ۲۴۶۷۴۵۰۰ مرد اور عورتیں موت کا شکار ہو گئیں۔ دوسرا نتیجہ یہ اخذ ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۹ء اور سنہ ۱۹۳۲ء کے درمیان صرف ۱۳۵۴۹۰۰ خاندان یا ۶۷۷۴۵۰۰ افراد ختم ہوئے. لیکن سنہ ۱۹۳۲ء اور سنہ ۱۹۳۵ء کے درمیان خاتمۂ وجود کی رفتار طوفانی انداز اختیار کر گئی۔ اس عرصے میں ۳۵۸۰۰۰۰ خاندان یا ۱۷۹۰۰۰۰۰ افراد صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔

بعض اوقات یہ دلیل دی جاتی ہے، جس میں تھوڑی بہت صداقت بھی ضرور ہے کہ ان میں سے بہتوں نے زراعت کا کام چھوڑ کر کارخانوں میں کام کرنا شروع کر دیا ہو گا۔ لیکن اس سلسلے میں دو باتیں یاد رکھنا ضروری ہیں. اوّل یہ کہ کارخانوں میں جو نئے لوگ بھرتی ہوئے وہ سب کے سب کسان نہیں تھے. بلکہ ان میں کچھ لوگ تاجر اور دستکار بھی تھے۔ دوسری یہ کہ جہاں سنہ ۱۹۳۲ء اور سنہ ۱۹۳۵ء کے درمیان زراعت ۱۷۹۰۰۰۰۰ افراد سے محروم ہوئی۔ وہاں اسی عرصے میں صرف ۱۹۰۰۰۰۰ نئے افراد کارخانوں میں بھرتی ہوئے اس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۶۰۰۰۰۰۰ افراد پھر بھی باقی رہ جاتے ہیں، جن کا کوئی ٹھور ٹھکانہ نہیں ملتا۔

مویشیوں کا اتلاف

انسانی زندگی کو جس بڑی ٹریجڈی کا سامنا ہوا، وہ اگرچہ انتہائی المناک ہے لیکن جس طریقے پر مویشی ضائع ہوئے، وہ بھی کم افسوسناک نہیں۔ کچھ تو کمیونسٹوں کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے اور کچھ اپنی بھوک سے مجبور ہو کر کسانوں نے اپنے مویشیوں کو خود ہی ہلاک کر دیا اور ان کا گوشت کھا گئے۔ پراودا نے اپنی ۲۸ر جنوری ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں صورتِ حال کا مندرجہ ذیل نقشہ پیش کیا تھا۔

	سنہ ۱۹۲۹ء	سنہ ۱۹۳۳ء
گھوڑے	۳۴۰۰۰۰۰	۱۶۶۰۰۰۰۰
گائے بھینسیں	۶۸۱۰۰۰۰	۳۸۶۰۰۰۰۰
بھیڑ بکریاں	۱۴۷۲۰۰۰۰	۵۰۶۰۰۰

مویشیوں کی ہلاکت سے اناج، کپڑے اور جوتوں کی سپلائی پر بہت بُرا اثر پڑا۔ یہ اثر براہِ راست بھی تھا اور بالواسطہ بھی۔ دودھ، مکھن، گوشت، چمڑا اور اون نایاب تر ہو گئے۔ کیونکہ ان کے حصول کا دارومدار کلیتہً مویشیوں پر تھا۔ بالواسطہ اثر یہ پڑا کہ کھاد کی کمی زمین کی زرخیزی پر اثر انداز ہو گئی۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ ٹریکٹروں کے پر زور پروپیگنڈے کے باوجود کسانوں کی ہل چلانے کی قوت میں کمی واقع ہو گئی۔ ٹریکٹروں میں اضافے سے ہل چلانے کی قوت میں جس قدر بھی اضافہ ہوا۔ اس سے کہیں زیادہ نقصان گھوڑوں کی کمی سے ہو گیا۔ سنہ ۱۹۳۷ء میں ٹریکٹروں کی وجہ سے ۸۳۰۲۸۰۰ ہارس پاور کا اضافہ ہوا۔ لیکن سنہ ۱۹۲۶ء اور سنہ ۱۹۳۵ء کے درمیان گھوڑوں کی موت کی وجہ سے ۸۸۰۰۰۰۰ ہارس پاور کا نقصان ہو گیا۔

روسی اخباروں کے کالموں میں اس قسم کی جو اطلاعیں شائع ہوئی تھیں کہ بلوں

میں مویشیوں کی بجائے مردوں اور عورتوں کو جوتا جارہا ہے، ان کا مفہوم سمجھنے کے لئے ان حقائق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ۳۰ رمئی ۱۹۳۳ء کے "پراودا" میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ " گھوڑوں کی جوڑی کی بجائے بعض اوقات ۲۳ مردوں کی ٹولی کو جوتنا پڑتا تھا۔" ۱۷ رمئی ۱۹۳۵ء کے پراودا میں پھر یہ خبر شائع ہوئی کہ "یادگار ایلچ نامی مشترکہ کھیت میں گھوڑوں کی جگہ آدمی کام کر رہے ہیں۔" یہ آدمی سارا دن ہل چلاتے رہے اور ان کے بریگیڈ یر یا مشترکہ کھیت کے مینیجروں نے انسانی وقار کی اس تذلیل کو کوئی اہمیت نہ دی۔ مقامی پارٹی ٹے نے بھی اس معاملے میں مکمل عدم توجہی برتی۔"

رسم غلامی کا احیاء

اجتماعی کاشت کے سلسلے میں اس غلو نے غلامی کی رسم کو تمام جزئیات کے ساتھ بحال کر دیا۔ یہ غلامی آئینی بھی تھی، سیاسی بھی اور اقتصادی بھی۔ اس کے ماسوا اس کی بنیاد ایک ایسے نظام پر رکھی گئی، جو زیادہ بے رحمانہ اور زیادہ مکمل تھا۔

اقتصادی طور پر کسان کی غلامی مکمل اس لئے تھی کہ وہ ایک ایسی پارٹی ٹے کے لئے کام کر رہا تھا جس نے سٹیٹ کے جابرانہ اداروں پر مکمل کنٹرول کیا ہوا تھا۔ اسے انتہائی قلیل اجرت پر کام کرنا پڑتا تھا۔ اور اس کا ماحول ذلیل کن تھا۔ ۱۹۳۲ء میں جب انسان کے خود پیدا کردہ قحط کی وجہ سے بے شمار انسانی زندگیاں برباد ہونے لگیں، تو بھوک سے جاں بلب کسانوں نے ان کھیتوں سے جن پر وہ کام کرتے تھے۔ تھوڑا بہت اناج چرانا شروع کر دیا۔ سوویٹ سرکار نے فوراً ایک قانون نافذ کیا۔ جس کی رو سے "چوری کی سزا گولی اور تمام جائیداد کی ضبطی تھی۔" ۱۹۳۳ء میں اس قانون کا اطلاق "ان تمام لوگوں پر کر دیا گیا۔ جو زراعت میں رکاوٹ ڈالنے، بیج چرانے اور پیداوار کا غلط حساب دینے کے مجرم ہوں۔" (۲۵)

ان قوانین پر بڑی فراخدلی سے عملدرآمد ہوتا تھا۔ Digest of Soviet Justice کے مطابق جس کا سوزانے لابن نے حوالہ دیا ہے، پتہ چلتا ہے کہ "مشترکہ کھیت کی جائیداد کو بلا اجازت استعمال کرنے کی پاداش میں (مثلاً گھوڑے کا استعمال یا مچھلیاں پکڑنے کے لئے کشتی کا استعمال) ٹریبونل نے ۷ راگست ۱۹۳۲ء کے قانون کا استعمال کرتے ہوئے موت کی سزا کا حکم دیا۔ سور پر پتھر پھینکنے کی پاداش میں جسے مشترکہ کھیت کے مویشیوں کو نقصان پہنچانے کا نام دیا گیا۔ موت کی سزا دی گئی"۔ "۲۸ راپریل ۱۹۳۴ء کے پراودا کی رو سے تین بچوں کی ماں ۲۸ سالہ پراس کیوا اور ۴۰ سالہ ناخواندہ پاش چینکوانا کو علاقہ .... کے جج نے ۴ کلو گرام اناج چرانے کی پاداش میں دس سال قید کی سزا دی۔ جب اس سزا کے خلاف پروٹسٹ کیا گیا تو سپریم کورٹ نے اس فیصلے کو بدل کر ایک اور قانون کی رو سے سزا کو ایک سال جبری مشقت میں تبدیل کر دیا"۔

یہ بے رحمانہ قوانین، جن کے مطابق بیشتر اوقات فاقے سے جاں بلب لوگوں کو سزا دی جاتی تھی، انسان دوست ویب جوڑے کے دل کو نہ پگھلا سکے۔ جب چوری ان کے اپنے ملک میں ہو تو یہ دونوں میاں بیوی یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ ایسا ماحول کی وجہ سے ہوا۔ ان لوگوں کے نزدیک برطانیہ کا ماحول چور پیدا کرتا ہے، اور وہ ان تمام قوانین کے خلاف جو چوروں کے خلاف بنائے جائیں، واویلا کرتے ہیں۔ خواہ یہ قانون کتنے ہی نرم کیوں نہ ہوں۔ لیکن جب چوری کی واردات ان کے خوابوں کی سرزمین روس میں ہو تو اسے "قومی جائداد کی شرمناک چوری" (۲۶) کا نام دے دیا جاتا ہے۔ اور اس کی پاداش میں دی گئی سزا جائز بن جاتی ہے۔ چاہے وہ کتنی ہی شدید کیوں نہ ہو۔

روس میں زندگی کے خواہ کسی بھی شعبے میں آزادی کو محدود کیا جائے، ویب قسم کے لوگ اس کا جواز پیش کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر کسانوں کو نقل و حرکت کی آزادی

نہیں۔ ۱۹۳۲ء میں روس کے اندر سفر کے لئے بھی پاسپورٹ رائج کر دیا گیا لیکن ماسکو ڈیلی نیوز کے مطابق آزادی پر یہ پابندی سوشلسٹ پلاننگ کی بہت بڑی ضرورت تھی "اس حقیقت کا بہت دیر پہلے احساس ہو چکا تھا کہ جہاں پیداوار اور سرمائے کے متعلق بہت سے اعداد و شمار موجود تھے، وہاں پیداوار کے اہم ترین عنصر آدمی کے متعلق باضابطہ اعداد و شمار نہیں تھے۔ پاسپورٹ کے جو قانون بنائے گئے ہیں، وہ اس صورتِ حال کو بدل دیں گے۔ اور صرف یہی چیز ان قوانین کو سیاسی اور عملی حیثیت سے اہم بنا دیتی ہے۔"

معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی وضاحت روس کے ویب جیسے مدّاحوں کے لئے کافی ہے کیونکہ انہوں نے اسے بڑے اطمینان سے نقل کیا ہے۔

آزادی پر جو آئینی پابندیاں عائد کی گئی ہیں ان کے علاوہ روس کے عام غیر جمہوری ماحول سے بھی وہاں کے عوام کی آزادیوں کو کافی ضعف پہنچتا ہے مشترکہ کھیت کا منیجر قدیم جاگیرداروں سے کہیں زیادہ جابر ہوتا ہے اور غریب کسانوں کو اس کے شک اور نفسانی خواہشات کی سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ اپریل ۱۹۳۷ء کے سوویٹ فارم کے جسٹیز یہ کی رو سے "نکی ٹنکو مشترکہ کھیت کے صدر کو نوجوان بیکولنکا نے نفسانی معاملے میں مایوس کر دیا۔ اس پر اس شخص نے اس کو اور اس کے سارے خاندان کو جلاوطن کر دیا۔" اس طرح ۱۲ اپریل ۱۹۳۵ء کے پراودا کی رو سے "یورال کے موضع زدک میں مقامی سوویٹ کے صدر کے ۱۱۰ روبل چوری ہو گئے۔ اسے ایک نوجوان بیمار لڑکی ندیز داموٹوریتا اس کے گیارہ سالہ بھائی، سات سالہ لڑکی سوکھوو کووا اور چند بچوں پر جو اس کے گھر میں بالعموم آتے تھے، شک پڑ گیا۔ صدر نے جس کا نام یوماسکن تھا۔ ان تمام لوگوں کو گرفتار کر لیا اور انہیں ایک خنک بارڑے میں بند کر کے کئی بار کوڑے لگائے۔ موٹوریتا کو وہ دریا کے کنارے لے گیا اور وہاں اسے برف کے پانی میں غوطے دئے۔ اسے اقبالِ جرم

پر آمادہ کرنے کے لئے اپنے ایک دوست ٹیروف سے کہا کہ وہ اس لڑکی کے سر کا نشانہ لگا کر گولی چلا دے لیکن یہ احتیاط رکھے کہ گولی اس کے لگے نہیں۔ جب یہ چال بھی کامیاب نہ ہوئی تو اس نے اس لڑکی کو از سر نو باڑے میں بند کر دیا۔ جہاں سے تین دن کے بعد اس کی لاش برآمد ہوئی۔"

مشترکہ کاشت کا ماحصل یہ ہے کہ روس کا کسان اپنی آزادی سے محروم ہو چکا ہے۔ مشترکہ کھیت، اس کے افسروں، خفیہ پولیس اور کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں نے اسے بری طرح جکڑ رکھا ہے۔ اور ان کی گرفت کے ڈھیلا ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ مشترکہ کاشت کی کامیابی کی بدولت کمیونسٹ پارٹی کو مکمل سیاسی اور اقتصادی اقتدار مل گیا ہے۔ سٹالن کا کہنا ہے: "پارٹی صرف انفرادی امور میں مداخلت کرنے پر اکتفا نہیں کر سکتی .... اسے مشترکہ کھیت کی زندگی اور اس کے انتظام کی تمام جزئیات میں دخیل ہونا چاہیئے۔" (۲۷)

مشترکہ کاشت کے بعض نتائج ایسے بھی تھے جو بظاہر نظر نہیں آتے تھے لیکن جن کی اہمیت شک و شبہ سے بالا ہے۔ مشترکہ کاشت ان تمام خیالات اور طریقہ ہائے کار کا باعث ہے اور نتیجہ بھی، جو کمیونزم کے بنیادی اجزائے ترکیبی ہیں۔ اخلاق کے مخصوص کمیونسٹ نظریئے، صنعتیت کی کمیونسٹانہ پرستش اور پیداوار کے مختصر اداروں سے نفرت کے کمیونسٹانہ جذبے کے بغیر کمیونزم کا قیام ممکن نہیں تھا۔ اسی طرح ایک بار قائم ہونے کے بعد کمیونزم نے ایسے نتائج، واقعات، صورتِ حال اور ذہنی کیفیتوں کو جنم دیا جو ایک نئے ماحول کی تخلیق پر منتج ہوئیں اور ان کے طفیل نئی حقیقتیں سامنے آئیں۔ انہوں نے روس کو ایک ایسی وراثت دے دی جس سے نجات حاصل کرنا اس ملک کے لئے اجتماعی کاشت کی کامیابی کے بعد بھی ممکن نہ ہو سکا۔ اس زمانے میں جبر اور کنٹرول کے جو طریقے ایجاد کئے گئے انہیں بعد میں دوسرے مسائل کو حل کرنے کے لئے بھی استعمال کیا گیا۔ آدمی جیسا بوتا ہے ویسا کاٹتا ہے۔ اپنے اعمال کے نتائج کی زد سے بچ نکلنا کسی بھی فرد یا گروپ کے لئے ممکن نہیں۔

بدترین بات یہ ہوئی کہ مشترکہ کاشت کے طریق کار نے ہمیشہ کے لئے کمیونزم کے مفہوم ومطالب کا تعین کر دیا۔ اس نے کمیونزم کو ایک ادارے کی شکل دے کر اس میں تقدیریت کا مفہوم پیدا کر دیا اور ہمیشہ کے لئے یہ طے کر دیا کہ روس میں کمیونزم کو جو شکل دی گئی ہے وہی کمیونزم ہے۔ اس کے ماسوا اور کوئی کمیونزم ممکن نہیں۔ اب کمیونزم ایک وضاحت طلب چیز نہیں بلکہ ایک مکمل ادارہ ہے۔ اس کا مطلب ہے خفیہ پولیس، فوج، جلاوطنیاں، مصنوعی مقدمے، خاتمۂ وجود، کسانوں کی نوآبادیاتی انداز میں لوٹ کھسوٹ، پارٹی کے نام پر ایک محدود ٹولی کی حکومت، اناج کا جبری حصول، ڈر، دہشت، الزام تراشی، اقتصادی بدحالی اور عوام کا اخلاقی اور روحانی زوال۔

مشترکہ کاشت کا اقتصادی مفہوم

آج کمیونزم کا لب لباب یہ ہے کہ پارٹی عوام پر سیاسی کنٹرول حاصل کرے۔ یہ اس کا بنیادی مقصد نہیں تھا۔ یہ چیز بعد میں آئی اور اس کا مقصد ایک اور چیز کا جواز پیش کرنا تھا جس کی غایت صنعتی تھی۔ سٹالن کہتا ہے کہ طاقت کی ضرورت اس لئے ہے کہ "پرانے اقتصادی نظام کو تبدیل کیا جائے اور نئے نظام کی تشکیل کی جائے"۔ انیسویں صدی کا اہم ترین واقعہ تیز رفتار اور ہمہ گیر صنعتی ترقی تھی، جس نے عوام کے رہن سہن، خیالات اور عادات میں بے مثل تبدیلیاں کیں۔ یہ واقعہ اتنا نمایاں اور جاذب توجہ تھا کہ بعض لوگوں نے اسے تاریخ کا واحد محرک مان کر اسے اس کا پہلا اور آخری سبب تسلیم کر لیا۔

کمیونسٹوں نے مارکس اور لینن کی رہنمائی میں اس صنعتی امنگ کو نظریئے کی شکل دے دی۔ اس نظریئے کے مطابق پیداواری قوتیں اپنے پیداواری روابط کا تعین بھی خود ہی کر لیتی ہیں اور جب اول الذکر آخر الذکر کو پیچھے چھوڑ جائیں تو ایک انقلاب رونما ہو کر بگڑے ہوئے توازن کو بالجبر درست کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر موزوں سماجی ادارے اور روابط

بالجبر قائم کر دئے جائیں تو صحیح قسم کی پیداواری قوتیں از خود عالم وجود میں آجائیں گی۔ زراعت کو مشترکہ اسی اصول کے پیش نظر بنایا گیا۔ یہ فرض کر لیا گیا کہ پیداوار کا یہ طریق بہتر ہے اور پیداواری روابط کو بھی زیادہ بارور بناتا ہے۔ لہٰذا اُسے انفرادی ملکیت پر مبنی مختصر پیداوار کے مقابلے میں فوقیت حاصل ہے۔

مشترکہ کاشت اور صنعتیت نے غیر کمیونسٹوں پر بھی کافی اثر ڈالا ہے۔ سوویٹ لیڈروں نے چونکہ زراعت کو مشترکہ بنا کر ٹریکٹروں کا رواج عام کر دیا ہے لہٰذا یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اس کے نتیجے کے طور پہ پیداوار بڑھی ہے اور عام استعمال کی چیزیں فراواں ہو گئی ہیں۔ یہ خیال اتنا عام ہے کہ آئندہ ابواب میں اس کا تفصیلی مطالعہ مفید ہوگا۔ تاکہ غیر عاقلانہ مداحی ہمیں روس کی نقالی کی راہ پر نہ ڈال دے۔

آئندہ ابواب میں ہم ثابت کریں گے کہ اجتماعی کاشت سے فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ نہیں ہوا۔ کسانوں کی بیشتر تعداد خوشحال نہیں ہے۔ شہروں اور دیہات کے درمیان زیادہ منصفانہ تعلقات قائم نہیں ہوئے بلکہ اس کے برعکس ٹیکس بڑھ گئے ہیں۔ پیداوار کی لاگت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ کھانے کو کم گندم ملتی ہے۔ صنعتی پیداوار کم بھی ہے اور مہنگی بھی اور شہری لوگ دیہات کے عوام کو اسی طرح لوٹ رہے ہیں جس طرح سامراجی ملک نوآبادیات کو لوٹتے ہیں۔ ان ابواب میں ہم ثابت کریں گے کہ اجتماعی کاشت کی کامیابیوں کا انحصار پیداوار میں اضافے پر نہیں، بلکہ کسانوں سے زیادہ ٹیکسوں کی وصولی پر ہے۔

سچ بات یہ ہے کہ مشترکہ کاشت کی طرف قدم اس لئے بڑھایا گیا تاکہ ملک کو تیز رفتاری کے ساتھ صنعتیت کی راہ پر ڈال دیا جائے۔ اس کے لئے کسانوں سے شدید تر وصولیاں ضروری تھیں اور جب تک کسان بکھرے ہوئے تھے یہ وصولیاں ممکن نہیں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسانوں کو ایک مرکزی اور ہمہ گیر نظام کے ماتحت ایک ہی زنجیر سے باندھ دیا گیا۔

پانچواں باب

روسی زراعت کے اقتصادیات

(اناج کی فراہمی، زرعی اور صنعتی مال کی نسبتی قیمتیں، مشینی زراعت کی لاگت
مشترکہ زراعت کی لاگت، گاؤں اور قصبے)

۱۔ اناج کی فراہمی

اناج کی وصولی سوویٹ مسئلے کا اہم ترین پہلو ہے۔ جب سے سوویٹ لیڈر برسر اقتدار آئے ان کا اہم ترین مسئلہ یہ رہا ہے کہ افلاس زدہ کسانوں سے زیادہ سے زیادہ اناج وصول کیا جائے اور اس بات سے انکار کرنا مشکل ہے کہ اس معاملے میں ان کو بہت بڑی حد تک کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

اناج کی وصولی کے متعلق سوویٹ رہنما شروع سے ہی فخریہ انداز میں باتیں کرتے رہے ہیں اور اسے انہوں نے اپنا کارنامہ تصور کیا ہے۔ لینن "ہماری فوڈ پالیسی کی فتوحات" کے پُرشکوہ عنوان سے رقمطراز ہے: "پوری طرح برسر اقتدار آنے کے پہلے سال (یکم اگست ۱۹۱۸ء تا یکم اگست ۱۹۱۹ء) میں سٹیٹ نے ...... ۱۱ پوڈ اناج جمع کیا۔ دوسرے سال میں ...... ۲۲ پوڈ اور تیسرے سال میں ...... ۲۸۵ پوڈ سے زائد" (۱) یہ اس وقت ہوا جب پیداوار گھٹ رہی تھی۔ اس کمی کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۱۷ء میں اناج کی کل پیداوار ۳۳۵...... پوڈ تھی۔ ۱۹۲۰ء میں یہ ...... ۲۰۸۲ پوڈ رہ گئی اور ۱۹۲۱ء میں ...... ۱۶۸۹۔
سوویٹ لیڈروں کے نزدیک زرعی محاذ پر "کامیابیوں" کا مفہوم یہی ہے۔ مجموعی پیداوار

میں کمی اور مجموعی وصولیوں میں اضافہ۔

سوویٹ روس کی بعد کی تاریخ میں سٹالن کی توجہ کا مرکز اپنے پیشرو لینن کی طرح یہی رہا کہ مذبذب اور فاقہ زدہ کسانوں سے زیادہ سے زیادہ اناج وصول کیا جائے۔ بالآخر وہ دیہات کی اس لوٹ کو سائنٹیفک اور پائیدار بنیادوں پر منظم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اجتماعی کاشت کا فوری سبب پانچ سالہ سکیم کو کامیاب بنانا تھا جسے صرف کسانوں کی نوآبادیاتی انداز کی لوٹ کھسوٹ سے ہی عملی جامہ پہنایا جا سکتا تھا لیکن جب تک کسان بکھرے ہوئے تھے انہیں مرکز کے جابرانہ کنٹرول میں لانا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا ان کی "ذہنی اصلاح" اور انہیں ایک مرکز پر لانا ضروری تھا۔ سٹالن کہتا ہے "ہمیں اناج خریدنے میں جو مشکلات ہوئیں" انہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ "کسانوں کا انفرادی طور پر کاشت کرنا اب موزوں نہیں" لہٰذا اس نے یہ دلیل پیش کی کہ "غریب اور متوسط طبقے کے کسانوں کی انفرادی کاشت کو مشترکہ کاشت کے کھیتوں کی وسیع ترین ترقی سے تقویت دی جائے"۔ اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے سٹالن مزید کہتا ہے "اس کے بغیر اناج کا مسئلہ حل کرنا ممکن نہیں" (۲)۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ جب سٹالن اناج کا مسئلہ کہتا ہے تو اس سے اس کی حقیقی مراد حصولِ اناج کا مسئلہ ہے۔

سوویٹ روس کے باہر کی دنیا میں مشترکہ زراعت کو لوگ اس لئے قبول کر لیتے ہیں کہ ان کے خیال میں یہ اقتصادی تنظیم کی بہتر شکل ہے لیکن سوویٹ لیڈروں نے اسے اس بنا پر قبول کیا اور اس لئے برقرار رکھا کہ یہ سیاسی اور اقتصادی کنٹرول قائم رکھنے میں مدد دیتی تھی۔ جیسے جیسے سوویٹ سکیمیں آگے بڑھتی گئیں کسانوں کے لئے یہ ناممکن تر ہوتا گیا کہ وہ اپنی پیداوار سے پارٹی اور شہری صنعتوں کی روز افزوں اور ختم نہ ہونے والی ضرورتوں کو پورا کر سکیں۔ اس مشکل مسئلے کو مورس ڈوب نے بہت اچھی طرح بیان کیا ہے۔ "دس برس کے آخری پانچ سالوں میں اقتصادی بحث کا اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ صنعتی مزدوروں کو اناج اور صنعتوں کے لئے خام سامان کی بڑھتی ہوئی سپلائی کو پورا کرنے کے لئے زرعی

پیداوار میں کس رفتار سے اضافہ ممکن ہے" (۳) اس مشکل مسئلے کا حل مشترکہ کاشت میں تلاش کیا گیا اور بہت تھوڑی مدت میں سٹالن یہ شیخی بگھارنے لگا "پارٹی صرف یہ امکان پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی کہ انفرادی کاشت کی برتری کے زمانے کی طرح ۵۰ کروڑ سے ۶۰ کروڑ پوڈ تک اناج فراہم کر سکے۔ بلکہ اب وہ ایک ارب ۲۰ کروڑ سے ایک ارب ۴۰ کروڑ پوڈ تک سالانہ اناج فراہم کر سکتی ہے"۔ (۴)

سنہ ۱۹۲۸ء میں جب فصل ...... ۷۳۳۲ کوئنٹل تھی تو اس میں حکومت کا حصہ صرف ...... ۱۲۴ کوئنٹل اناج تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۳۱ء میں جب مجنونانہ اجتماعی کاشت کی بدولت فصل گھٹ کر ...... ۶۹۴۸ کوئنٹل رہ گئی تھی تو گورنمنٹ کا حصہ ...... ۲۲۷ کوئنٹل اناج تھا۔ سنہ ۱۹۲۸ء کے مقابلے میں تقریباً دوگنا۔ وُوزنیزنسکی کے مطابق حکومت نے سنہ ۱۹۱۴ء سے سنہ ۱۹۱۷ء تک ...... ۱۳۹۹ پوڈ اناج فراہم کیا۔ سنہ ۱۹۱۸ء سے سنہ ۱۹۲۱ء تک ...... ۹۲ پوڈ اور سنہ ۱۹۴۱ء سے سنہ ۱۹۴۴ء تک ...... ۴۲۶۴ پوڈ۔ دوسرے لفظوں میں جیسا کہ ووزنیزنسکی شیخی بگھارتا ہے "اناج کی فراہمی" وطن پرستانہ جنگ کے دوقت پہلی جنگ عظیم کے مقابلے میں تقریباً دوگنی تھی"۔ (۵) اس کے نزدیک یہ اضافہ "دیہات میں مشترکہ کاشت کے نظام کی کامیابی کا نتیجہ تھا"۔ زراعت کی کمیساری کا ایک افسر این اینیسی موف بھی اس قول کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مشترکہ کھیتوں کے سسٹم کی کامیابی کی وجہ سے "سوویٹ زراعت دنیا کی منڈیوں کو سب سے زیادہ اناج مہیا کرنے لگی"۔ (۶) موریس ڈوب بھی "سوشلسٹ" زراعت کی اس صداقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا کہ "مشترکہ کھیتوں سے زراعت کو اہم ترین فائدہ یہ پہنچا کہ قابل فروخت فالتو اناج میں قابل قدر اضافہ ہو گیا"۔ (۷)

زراعت کو مشترکہ بنانے کا مقصد یہ تھا کہ دیہات کو منظم طریق پر لوٹا جا سکے۔ جب سوویٹ رہنما اس مقصد میں کامیاب ہو گئے تو وہ اپنی شاندار کامیابیوں پر اپنے آپ کو مبارکباد دینے لگے لیکن بدقسمتی سے دیہات کے عوام الناس کو ان "شاندار کامیابیوں" کا احساس نہ

ہو سکا۔ بلکہ اس کے برعکس وہ ان کے شاکی تھے اور جہاں تک بس چلتا تھا ان کے خلاف بغاوت بھی کر دیتے تھے۔ یہ لوگ غالباً جاہل اور ناخواندہ تھے۔ شاید انہیں "نغمہ بادِ گل" کے حسن کا احساس نہیں تھا۔ انہیں جدلیات سے لیس پارٹی کی محنت کا اندازہ نہیں تھا۔ جو ان کے پوتوں کے لئے درخشاں مستقبل اور خوشحال کھیتوں کی بنیاد ڈال رہی تھی۔ غالباً عظیم "سوشلزمی تعمیر جدید" کے متعلق بھی ان کے دل میں شک و شبہہ موجود تھا۔ یا پھر شاید کوئی خفیہ ٹراٹسکائی شیطان ان کے دل میں موجود تھا جو انہیں "بہتر طریق پیداوار" کی مزاحمت کرنے اور اس کی تخریب کے لئے اُبھار رہا تھا۔ وجہ چاہے کچھ ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے اپنی جلاوطنیوں، خاتمۂ وجود اور زمین، فصلوں اور مویشیوں کی ضبطی پر خوشنودی کا اظہار نہیں کیا۔ کمیونسٹ افسروں کی زد سے بچ کر جب کبھی بھی انہیں کسی کے پاس اپنی شکایات کا موقعہ ملا انہوں نے اس سے گریز نہیں کیا۔ بہت جلد جائداد کی براہ راست ضبطی کی جگہ چندوں کی وصولی نے لے لی لیکن ان دونوں میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ چندے ہر قسم کے ہوتے تھے۔ موریس ہنڈس کے لفظوں میں "اناج کی وصولیاں ہوتی تھیں، گوشت کا چندہ ہوتا تھا، دودھ کا چندہ ہوتا تھا، غرضکہ ہر طرف چندے کی وصولی کا دور دورہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بہت سے لوگ شہروں اور فیکٹریوں کی طرف بھاگ رہے تھے۔ وہاں کوئی چندہ نہیں ہوتا تھا۔" (۸)

صرف اناج ہی کا چندہ نہیں ہوتا تھا، بلکہ ہر قسم کی زرعی پیداوار اس کی زد میں آجاتی تھی۔ خوش قسمتی سے ایسے اعداد و شمار موجود ہیں، جن کی بنا پر یہ پتہ چل سکتا ہے کہ دوسری جنگِ عظیم کے آغاز کے وقت مختلف اشیاء کی چندے کے نام پر وصولی کی پوزیشن کیا تھی۔

"قابل فروخت جنس (زرعی سال) (۱ پوڈ = ۳۶ء۱۱ پونڈ)" (۹)

	۲۷-۱۹۲۶ء	۳۳-۱۹۳۲ء	۳۸-۱۹۳۷ء	۳۹-۱۹۳۸ء
اناج	۶۳۰۰۰۰۰۰	۱۳۴۰۲۰۰۰۰	۲۳۱۸۱۰۰۰۰	۲۲۲۹۴۰۰۰۰
کپاس	۳۲۶۰۰۰۰۰	۷۳۴۰۰۰۰۰	۱۵۷۱۰۰۰۰۰	۱۶۴۰۰۰۰۰۰

	سنہ ۱۹۲۶-۲۷ء	سنہ ۱۹۳۲-۳۳ء	سنہ ۱۹۳۷-۳۸ء	سنہ ۱۹۳۸-۳۹ء
چمڑا	۷۹۰۰۰۰۰	۱۹۴۰۰۰۰۰	۱۹۸۰۰۰۰۰	۱۸۹۰۰۰۰۰
کھانڈ بنانے والے چقندر	۳۷۳۷۰۰۰۰۰	۳۷۳۴۰۰۰۰۰	۱۳۰۹۵۰۰۰۰۰	۹۹۸۰۰۰۰۰۰
آلو	۱۸۲۸۰۰۰۰۰	۳۵۲۱۰۰۰۰۰	۷۱۳۲۰۰۰۰۰	۴۹۲۳۰۰۰۰۰
گوشت	۷۵۶۰۰۰۰۰	۴۲۹۰۰۰۰۰	۸۹۴۰۰۰۰۰	۱۲۵۴۰۰۰۰۰
دودھ	۲۶۴۰۰۰۰۰۰	۲۷۴۶۰۰۰۰۰	۴۸۹۳۰۰۰۰۰	۵۰۰۰۰۰۰۰۰
اون	۲۰۰۰۰۰	۲۵۰۰۰۰۰	۴۹۰۰۰۰۰	۵۴۰۰۰۰۰

ان اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ہر جنس کی وصولی میں بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اضافہ ہو رہا تھا۔ جنگ نے بھی اس سلسلے کو بند نہیں کیا، بلکہ وصولیاں زیادہ منظم اور زیادہ مؤثر طریق پر کی جانے لگیں۔ سٹیٹ کو زیادہ سے زیادہ اجناس دینے میں مشترکہ کھیت ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔ یکم جولائی سنہ ۱۹۵۱ء کے پراودا اور ازویستیہ میں باشقر کی خود مختار سپبلک کے زرعی مزدوروں کا لکھا ہوا "سٹالن کے نام خط" چھپا ہے جس میں درج ہے کہ انہوں نے سٹیٹ کو سنہ ۱۹۴۹ء کے مقابلے میں ۱۸۰۰۰۰۰ پوڈ زیادہ اناج مہیا کیا۔ ۳۱ر جولائی سنہ ۱۹۵۱ء کے پراودا اور ازویستیہ میں پھر یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ استاڈ روپول نے سٹیٹ کو ۲۲۰۰۰۰۰ پوڈ زائد اناج دیا۔ سنہ ۱۹۵۰ء کے مقابلے میں سٹیٹ کو ۱۵۰۰۰۰۰ پوڈ زائد گندم مہیا کی گئی۔ صوبہ کریمیا کے افسر زراعت کی اطلاع ہے کہ اس صوبے نے فراہمی اناج کی سکیم سے ۶۰ فیصدی زائد اناج دیا۔ یا اناج سنہ ۱۹۴۹ء کے مقابلے میں ۱۰۰۰۰۰۰ پوڈ اور سنہ ۱۹۵۰ء کے مقابلے میں ۱۳۸۰۰۰۰ پوڈ زائد تھا (۱۰)*

---

* ۸ر اگست سنہ ۱۹۵۳ء کو مالنکوف نے سپریم کورٹ کے سامنے جو تقریر کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جبری وصولیاں کہاں تک پہنچ گئی تھیں۔ وہ کہتا ہے "سنہ ۵۲ء میں سٹیٹ کو (باقی صفحہ ۹۵ پر)

ٹیکس کون دیتا ہے؟

دو ونیز نسکی کے قول کے مطابق انقلاب سے پہلے کے روس میں قابل فروخت فالتو اناج کا ۲۳ فیصدی حصہ جاگیرداروں کی ملکیت تھا۔ ۵۰ فیصدی کلکوں کی اور صرف ۲۸ فیصدی کسانوں کی۔ گذشتہ جنگ کے دنوں میں سوویٹ روس میں ۱۰ فیصدی قابل فروخت اناج سرکاری کھیتوں نے پیدا کیا۔ اور ۹۰ فیصدی مشترکہ کھیتوں نے۔" (۱۱)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قابل فروخت اناج کا ۹۰ فیصدی حصہ غریب کاشتکاروں سے جو مشترکہ کھیتوں کے ممبر تھے وصول کیا گیا اور اس کی قیمت بھی برائے نام دی گئی۔ یہ اناج اس اناج کا ۹۰ فیصدی حصہ تھا۔ جو مجموعی طور پر ۱۹۱۳ء کے مقابلے میں دوگنا تھا۔ بہ الفاظ دیگر غریب کسانوں نے ۱۹۱۳ء کے مقابلے میں ۶ گنا اناج دیا۔ اور اس کی قیمتیں بھی تیار شدہ مال کی مروجہ سطح پر لگائی گئیں۔ یعنی بہت قلیل۔ صاف لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۹۱۳ء میں غریب اور طبقہ متوسط کے کسانوں نے ۳۶۹۰۰۰۰۰ پوڈ اناج دیا اور اس کے عوض انہیں کپڑے، جوتوں، نمک، صابن، تیل اور دیگر تیار شدہ مال کی کافی مقدار مل گئی۔ ۳۹-۱۹۳۸ء میں انہوں نے ۲۲۹۳۰۰۰۰۰ پوڈ اناج دیا۔ اور اس کے عوض انہیں جو کچھ ملا وہ صرف برائے نام تھا۔ ۲۷-۱۹۲۶ء میں انہوں نے ۵۶۰۰۰۰۰ پوڈ دودھ مہیا کیا۔ ۱۹۳۸ء میں

(صفحہ ۹۴ کا بقیہ)۔۔۔۔۔۷۷۰۰۰ ٹن کپاس مہیا کی گئی جو ۱۹۴۰ء کے مقابلے میں ۱ء۷ گنا زیادہ تھی۔ اسی سال ملک کو ۹۰ تیار کرنے والا۔۔۔۔۔۲۲۰۰۰ ٹن چقندر مہیا کیا گیا۔ یہ مقدار ۱۹۴۰ء کے مقابلے میں ۳۰ فیصد زیادہ تھی۔ گذشتہ سال سٹیٹ کو۔۔۔۔۔۳۰۰۰ ٹن گوشت مہیا کیا گیا۔ یہ مقدار ۱۹۴۰ء کے مقابلے میں ڈھائی گنا تھی۔ دودھ۔۔۔۔۔۱۰۰۰ ٹن مہیا کیا گیا، جو ۱۹۴۰ء کے مقابلہ میں ۱ء۶ گنا زیادہ تھا۔"

۵۰۰۰۰۰۰ پوڈ یعنی ½۶ گنا۔ ۲۷-۱۹۲۶ء میں انہوں نے ۲۰۰۰۰۰ پوڈ اون مہیا کی۔ اور ۳۹-۱۹۳۸ء میں ۵۴۰۰۰۰ پوڈ یعنی ۲۷ گنا۔

سوویٹ حکومت میں غریب اور طبقۂ متوسط کے کسانوں کو جو فائدہ پہنچا ہے۔ اس کی یہ عمدہ مثال ہے۔

زرعی اور صنعتی مال کی قیمتیں

سٹالن نے ایک بار یہ کہا تھا کہ گذشتہ زمانے میں" ایک کسان کو امیر بننے کے لئے اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بے انصافی کرنا پڑتی تھی، انہیں گراں قیمت پر سامان بیچنا پڑتا تھا۔ اور ان سے مال لیتے وقت کم قیمتیں ادا کرنی پڑتی تھیں" (۱۲)، اب ظاہر ہے کہ صورت حال بالکل الٹ ہوگئی ہے۔ اسے زیادہ قیمت پر مال خریدنا پڑتا ہے، اور کم قیمت پر بیچنا۔

عام لوگوں کی طرح ایک کسان بھی زرعی اور صنعتی دونوں قسم کے مال استعمال کرتا ہے صنعتی مال کے لئے اسے خریداری کو بازار میں جانا پڑتا ہے۔ لہذا اس بات کا انحصار کہ وہ صنعتی مال کی کتنی مقدار حاصل کر سکتا ہے، اس بات پر ہے کہ اسے اپنے زرعی مال کی کیا قیمت ملتی ہے۔

ایک کسان کی خوشحالی کا انحصار دو قسم کے امور پر ہوتا ہے۔ ایک قدرتی دوسرے سماجی۔ اچھی فصل اسے خوشحال بنا سکتی ہے لیکن اگر اس کی پیداوار کا صنعتی مال کے ساتھ بہتر شرح پر تبادلہ ہو جائے تو اس سے اس کی خوشحالی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور اگر شرح تبادلہ اس کے لئے ناسازگار ہو تو اچھی فصل سے حاصل شدہ خوشحالی بے کار ہو جاتی ہے۔

جب سے کمیونسٹ برسر اقتدار آئے ہیں کسان عوام بے شمار مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ ان کے براہ راست استعمال کے لئے اجناس کی مقدار کم کر دی گئی بلکہ ان کے مال کی قیمتیں بھی مصنوعی طور پر بہت کم سطح پر مقرر کی گئیں۔ اس کے مقابلے میں صنعتی

مال کی قیمتیں کافی اونچی تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنی ضرورت کا صنعتی مال انتہائی قلیل مقدار میں حاصل کر سکے۔

مشترکہ کاشت سے پہلے کا دور

اگر معاملے کو ابتدا سے لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۰ء کے درمیانی دور میں جسے "جنگی کمیونزم" کا زمانہ کہا جاتا ہے صنعتی مال کی قیمتیں زرعی پیداوار کے مقابلے میں دو یا تین گنا بڑھ گئیں۔ مورس ڈوب کے الفاظ میں "جہاں شہروں کو زمانہ قبل از جنگ کے مقابلے میں ایک تہائی زرعی پیداوار ملتی تھی، وہاں دیہات کو زمانہ قبل از جنگ کی سپلائی کے مقابلے میں صرف ۱۲ یا ۱۵ فیصدی صنعتی مال ملتا تھا۔" (۱۳) زرعی پیداوار کے مقابلے میں صنعتی مال کی قیمتوں میں جو اضافہ ہوا اس کا اندازہ ایک اور طریقے سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ سوویٹ حکام کے اپنے پیش کردہ اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹-۱۹۱۸ء میں دیہات کو جو صنعتی مال دیا گیا وہ ۱۹۱۳ء کی سپلائی کے مقابلے میں ۱۲ فیصدی سے ۲۰ فیصدی تک تھا اور اس پر چالیس کھرب روبل خرچ ہوئے۔ اسی زمانے میں ۱۹۱۳ء کی سپلائی کے مقابلے میں حکومت نے ۵۰ فیصدی اناج سپلائی کیا اور اس پر دس کروڑ ستر لاکھ روبل خرچ ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں صورت حال اتنی خراب ہو گئی کہ Economicheskaya Zhizn کے اداریہ کی رو سے ایک کسان کو "جوتوں کا ایک جوڑا خریدنے کے لئے تقریباً اپنی ساری فصل دے دینی پڑتی تھی اور نمک کے ایک پونڈ کی قیمت گوشت کا ایک پونڈ تھا۔" (۱۴) مشترکہ کاشت کی ابتدا سے کچھ پہلے زرعی پیداوار کی قیمتیں صنعتی مال کے مقابلے میں انتہائی طور پر گر چکی تھیں۔ ان قیمتوں کے فرق کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کے لئے یہ بہتر ہوگا اگر ہم اس بات کا مطالعہ کریں کہ ایک ہنڈریڈ ویٹ رائی کے مقابلے میں ۱۹۱۳ء میں کیا کچھ خریدا جا سکتا تھا اور ۱۹۲۷ء

میں کیا کچھ؟
ایک ہنڈریڈ ویٹ رئی کے عوض خریدا جاسکتا تھا:- (۱۵)

سال	کپاس کے پرنٹ میٹر	چینی کے کیلوگرام	نمک کے کیلوگرام	تمباکو کے کیلوگرام	مٹی کے تیل کے کیلوگرام	کیلوں کے کیلوگرام
۱۹۱۳ء	۷۲،۲۳	۱۴،۶۰	۱۶۵،۸	۶،۵۲	۴۱،۵۳	۲۳،۳۶
۱۹۲۷ء کی کوآپریٹو قیمتیں	۹۹،۱۲	۶۵،۷	۵،۱۳۵	۷۲،۳	۲۵،۴۴	۹۰،۱۶
۱۹۲۷ء کی پرائیوٹ تجارت کی قیمتیں	۹۱،۱۰	۴۵،۷	۵،۸۶	۵۲،۳	۷۵،۳۸	۷۷،۱۳

یہ اعداد و شمار اپنی کہانی آپ بیان کرتے ہیں۔

جنگ سے پہلے کا دَور

۱۹۲۷-۲۸ء کے بعد کسانوں کی حالت مزید خراب ہو گئی۔ جبر اور تشدد کے ایک ایسے دور کے بعد جس کی نظیر اس سے پہلے کی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی اور افلاس اور فاقہ کشی کے ایک ایسے سلسلے کے بعد جسے سٹیٹ نے مشترکہ کاشت کے سیاسی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے بالقصد جاری کیا تھا ۳۶-۱۹۳۵ء میں جو صورتِ حال قائم ہوئی اُسے مستحکم کر دیا گیا اور یہ استحکام کسانوں کی مسلسل بدحالی کی ضمانت تھا۔

سوویٹ قیمتیں ایک ایسی بھول بھلیاں ہیں۔ جن کا مفہوم سمجھنا ایک آدمی کے لئے ناممکن ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ایک ہی جنس کی مختلف قیمتیں ہوتی تھیں یعنی ہر گروپ اور ہر مارکیٹ کے لئے الگ قیمت۔ تمام قیمتوں کا فیصلہ حکومت کرتی ہے۔ کسی چیز کی انتہائی متضاد قیمتوں کا انحصار اس بات پہ ہے کہ حکومت اس کی خریدار ہے یا فروخت کنندہ؟ سوویٹ قیمتوں کو باقی ملکوں کی قیمتوں سے مختلف اور الگ سمجھنا ضروری ہے کھلی مارکیٹ میں عام طور

پر ایک کسان کو اپنے مال کی وہی قیمت ملتی ہے جو خریدار ادا کرتا ہے۔ اس میں سے ذخیرہ کرنے، باربرداری اور تجارت کے اخراجات ضرور وضع ہو جاتے ہیں جو اوسطاً ۶۰ فیصدی ہوتے ہیں۔ لیکن کمیونسٹ روس میں کسان کو جو رقم ملتی ہے وہ خریداروں کی ادا کردہ رقم کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔ یہ رقم خریداروں کی ادا کردہ رقم کے پانچویں حصے سے پچاسویں حصے تک ہوتی ہے۔ ذیل میں قیمتوں کا ایک نقشہ دیا جاتا ہے جس سے پتہ چل سکتا ہے کہ سنہ ۱۹۱۳ء میں جب زار کی حکومت تھی، کسانوں کو اپنے مال کا کیا معاوضہ ملتا تھا اور سنہ ۱۹۳۴ء میں جب روس سوویٹ روس بن چکا تھا اُسے کیا ملنے لگا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلے گا کہ حکومت کسانوں سے سستے داموں پر مال خرید کر خود ان کی کیا قیمت وصول کرتی تھی۔

قیمتیں فی کیلوگرام کوپکوں کے حساب سے (۱۶)

	سنہ ۱۹۱۳ء کی قیمتیں	سنہ ۳۴-۳۵ء میں جبری حصول کی ادا کی گئی قیمتیں	سنہ ۱۹۳۴ء کی معمولی قیمتیں	تاجرانہ قیمتیں
جَو	۵٫۲	۵٫۵	-	-
چاول	۲۶٫۹	-	۱۱۵	۱۲۰۰
گندم کا آٹا	۱۴٫۲	۱۰٫۱	۷۲	-
رئی کا آٹا	۷٫۴	۴٫۴	۶۶	-
موٹا اناج درجہ اول	۹٫۸	۵٫۸	۲۷	۵۰۰
دودھ	-	۱۵	-	۸۰
تازہ مکھن	۱۱۴٫۸	۲۵۰	۸۰۰	۲۷۰۰

اس نقشے سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت کسانوں سے جو مال برائے نام قیمتیں ادا کر کے خریدتی تھی اس کی خریداروں سے نارمل قیمت کے نام پر پانچ سے دس گنا تک وصول کرتی تھی اور تاجرانہ قیمت کے نام پر تو بعض اوقات سو گنا تک قیمت وصول کی جاتی تھی۔ کسانوں

کو دی گئی قیمت اور خریداروں سے وصول کی گئی قیمت کا فرق حکومت کا منافع ہوتا ہے۔
اسے کسانوں سے ٹیکس کی بالواسطہ وصولی کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔

برطانیہ میں جو خریدار ایک پونڈ روٹی خریدتا ہے اس کی نصف قیمت حکومت ادا کرتی ہے
لیکن روس میں آٹے کے ہر پونڈ کی فروخت پر حکومت نفع کماتی ہے۔ برطانیہ نے سنہ ۱۹۵۰ء
میں خوراک کی قیمتوں کو مناسب سطح پر رکھنے کے لیے پینتالیس کروڑ پونڈ خرچ کیے لیکن
روس نے سنہ ۱۹۴۰ء میں خوراک اور روزمرہ کے استعمال کی دیگر چیزوں پر ٹیکس لگا کر ۱۰۶
ارب روبل کمائے۔ روسی کسان سنہ ۱۹۳۵ء میں چینی، نمک یا صابن پر جو روبل خرچ کرتا تھا
اس پر حکومت فی روبل بالترتیب ۷۶، ۸۳ اور ۶۳ کوپک نفع کماتی تھی۔

غریب کسان غریب تر بنتا جا رہا تھا۔ "عوام کی روزافزوں غریبی" کے اسباب مارکسی
اصطلاح میں "سوشلسٹ" اجتماعیت اور "سوشلسٹ" صنعتیت تھے۔ سنہ ۱۹۲۸ء میں یعنی
سوشلسٹ پروگرام کے نفاذ سے ذرا پہلے عوام کی حالت اتنی بری نہیں تھی، بلکہ اس کے برعکس
کمیونسٹ خانہ جنگی کی لائی ہوئی دس سالہ مصیبت اور مفلسی کے باوجود ملک ایک بار اور
زمانہ قبل از جنگ کی فارغ البالی کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۲۹ء میں
اس امر کے باوجود کہ صنعتی مال کی قلت تھی اور زرعی پیداوار ۱۹۱۳ء کی سطح تک
نہیں پہنچ سکی تھی، کسان مجموعی طور پر ہمیشہ کے مقابلے میں زیادہ خوراک استعمال کر رہے تھے
اس کی وجہ زمینوں کی از سرِ نو تقسیم تھی۔ جو کسانوں نے سنہ ۱۹۱۷ء اور سنہ ۱۹۱۸ء میں خود کی تھی۔
لیکن ایک بار جب اجتماعیت اور صنعتیت کا چکر شروع ہو گیا تو عوام کی حالت خراب سے
خراب تر ہوتی گئی۔ مندرجہ ذیل نقشے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک کسان گھرانے کو اپنی ضرورت
کی چند اشیا خریدنے کے لیے اجتماعیت اور صنعتیت سے پہلے ۱۹۲۶ء میں کیا قیمت ادا کرنا
پڑتی تھی اور اجتماعیت کی کامیابی کے بعد سنہ ۱۹۳۷ء میں اسے کتنے دام دینے پڑتے تھے۔

قیمتیں فی کیلوگرام کوپکوں میں (۱۷)

	سنہ ۱۹۲۸ء	سنہ ۱۹۳۷ء
چینی	۶۲،۸	۳۸۰
صابن	۵۳،۸	۱۵۵
کیلیکو (میٹر)	۳۱،۹	۳۶۵
مٹی کا تیل	۹،۶	۴۷

مجموعی طور پر قیمتوں میں ۶۰ فیصدی اضافہ ہوا۔

جنگ اور اس کے عواقب

اس کے بعد جنگ اور اس کے عواقب کا دور شروع ہوا۔ افراط زر اور ظاہری خوشحالی کے باوجود اور مشترکہ کھیتوں کے "کریڈٹ پتی" کسانوں کے پروپیگنڈے کے باوصف یہ ایک حقیقت ہے کہ معیار زندگی تباہ کارانہ انداز میں پست ہوا اور عوام کو روزمرہ کے استعمال کی چیزوں کی شدید ترین قلت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ٹھیک ہے کہ دوسرے ملکوں کی طرح روس کے بعض عناصر کو بھی اس مصیبت سے فائدہ حاصل ہوا لیکن جہاں تک عوام کا تعلق ہے ان کی بھوک اور فاقہ کشی شک و شبہ سے بالا ہے۔ عام فاقہ کشی کی یہ تصویر بیوروکریسی اور پارٹی حکام کی فربہی کا پرتو تھی کیونکہ جہاں تک دیہات کا تعلق ہے ان سے بدستور دولت اگلوائی جاتی رہی۔ جنگ کے زمانے میں مختلف قیمتوں کا سسٹم از سر نو نافذ کر دیا گیا۔ اور سنہ ۱۹۴۸ء تک جب ایک جیسی قیمتیں رائج کی گئیں یہ سسٹم جاری رہا۔ مندرجہ ذیل نقشہ سنہ ۱۹۳۷ء، سنہ ۱۹۴۷ء اور سنہ ۱۹۴۸ء کی نسبتی قیمتوں کو ظاہر کرتا ہے۔

قیمتیں سنہ ۱۹۳۷ء تا سنہ ۱۹۴۸ء (۱۸)

	سنہ ۱۹۳۷ء ایک قیمت	سنہ ۱۹۴۷ء راشن کی قیمت	سنہ ۱۹۴۷ء کھلی مارکیٹ کی قیمت	سنہ ۱۹۴۸ء ایک قیمت
رائی کی روٹی	۰٫۸۵	۳٫۴	۸	۳٫۲
گندم کی روٹی	۱	۱۱	۴۵	۸
مکھن	۱۷	۷۰	۲۳۰	۶۴
چینی	۴٫۵	۱۴	۷۵	۱۵
تیل (لیٹر)	۱۳٫۵	۳۵	۱۰۰	۳۸

اس نقشے سے دو نتیجے بڑی آسانی کے ساتھ اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ سنہ ۱۹۳۷ء اور سنہ ۱۹۴۷ء کے درمیان اشیاءِ ضروریہ کی قیمتوں میں غیر معمولی طور پر اضافہ ہوا۔ گندم کی روٹی کی قیمت راشن مارکیٹ میں ۱۱ گنا اور کھلی مارکیٹ میں ۴۵ گنا ہو گئی۔ کھلی مارکیٹ ان معنیٰ میں کھلی مارکیٹ نہیں تھی جن میں یہ ترکیب ہمارے یہاں استعمال ہوتی ہے۔ اس مارکیٹ پر بھی حکومت کا مکمل قبضہ تھا اور یہاں کی قیمت باقی قیمتوں کی طرح حکومت ہی قائم کرتی تھی۔ دوسرا نتیجہ یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب ایک جیسی قیمتیں رائج کی گئیں، تو اس سے خوشحال طبقوں کو فائدہ پہنچا جو اپنی ضرورت کا کچھ مال کھلی مارکیٹ کی قیمتوں پر خریدا کرتے تھے۔

اس کے بعد دو مرتبہ قیمتوں میں تخفیف کی گئی۔ ایک سنہ ۱۹۴۹ء میں اور دوسری یکم مارچ سنہ ۱۹۵۰ء میں۔ مارچ سنہ ۱۹۵۰ء کی تخفیف کے بعد روزمرہ کی استعمال کی چیزوں کی قیمتیں حسب ذیل ہیں۔ (۱۹)

سامان	قیمت فی کیلوگرام روبلوں میں
روٹی (سیاہ)	۲
مکھن	۴۳

بیف	(یہ ہم نقل نہیں کر سکتے)
پنیر	۳۲۰
چائے	۱۶۰
دودھ (لیٹر)	۳۷۶
مردانہ جوتے (گھٹیا)	۲۰۰
مردانہ جوتے (اعلیٰ)	۲۷۰
زنانہ جوتے (گھٹیا)	۲۵۰
زنانہ جوتے (اعلیٰ)	۵۳۰
اونی لباس	۴۱۳
مردانہ سوٹ	۶۳۲
نہانے کا صابن (فی ٹکیہ)	۳۰

اگر سنہ ۱۹۱۳ء یا سنہ ۱۹۳۷ء کی قیمتوں سے موازنہ کیا جائے تو ان قیمتوں کو بھی آسمان برابر کہنا پڑتا ہے۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں روٹی کی قیمت ۰٫۰۷ روبل تھی۔ اور سنہ ۱۹۳۷ء میں ۰٫۸۵ روبل سنہ ۱۹۵۰ء میں یہ قیمت دو روبل تھی۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں مکھن کی قیمت ۱٫۵ روبل سنہ ۱۹۳۷ء میں ۱۲٫۵ روبل اور سنہ ۱۹۵۰ء میں ۴۳ روبل تھی۔ سنہ ۱۹۱۳ء کے مقابلے میں تقریباً ۳۰ گنا۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں صابن کی ٹکیہ کی قیمت ۰٫۳۶ روبل تھی۔ سنہ ۱۹۳۷ء میں ۰٫۸۰ روبل اور سنہ ۱۹۵۰ء میں ۳ روبل۔ یعنی تقریباً دس گنا۔

عوام کی عام بدحالی کی حدود کے اندر خواہ یہ عوام شہری ہوں یا دیہاتی، فائدوں اور قربانیوں کو بالکل مساوی طور پر تقسیم کر دیا گیا۔ اس معاملے میں کامل احتیاط برتی گئی کہ نقصان صرف کسانوں کو ہی پہنچے۔ دوبارہ قیمتوں میں جو کمی کی گئی اس میں بھی یہ التزام رکھا گیا کہ فائدہ صنعتی مزدوروں کو پہنچے اور نقصان کسانوں کو۔ مارچ سنہ ۱۹۵۰ء کو

میں قیمتوں کی کمی کے وقت سرکاری ہدایت نامے میں یہ بات خاص احتیاط سے بیان کی گئی
تھی کہ یہ تخفیف کسانوں کی آمدنی میں کافی اضافہ کرے گی کیونکہ انہیں صنعتی مال کی کم
قیمت ادا کرنی پڑے گی اور اس لئے بھی کہ جہاں تک زرعی پیداوار کا تعلق ہے، ان کی
سرکاری قیمتوں میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائیگی لیکن جہاں فیکٹریوں میں کام کرنیوالے
مزدوروں کی اُجرتیں جوں کی توں رہیں وہاں کسان اپنی بیشتر نقدی مشترکہ کھیت کی
مارکیٹ میں اپنا اناج بیچ کر ہی حاصل کرتے تھے۔ اور مشترکہ کھیتوں کی مارکیٹ میں بعض
اجناس کی قیمتیں ۲۵ سے ۳۰ فیصدی تک کم ہوگئی تھیں۔ ان حالات میں وہ کپڑے اور
گھریلو سامان کی قیمتوں میں کمی کا فائدہ اسی وقت اٹھا سکتے تھے اگر معمول سے زیادہ اناج
مارکیٹ میں لے جائیں۔

۳ مشینی زراعت کی لاگت

آج روس کے مداح اس امر کے لئے ایمانداری کے ساتھ روسیوں کی مداحی نہیں کرسکتے
کہ ان کے پاس روٹی اور مکھن کی فراوانی ہے اور نہ اس لئے ہی ان کی تعریف کی جاسکتی
ہے کہ ان کے کپڑے اور مکان بہتر ہیں۔ لہٰذا وہ سوویٹ زندگی کے اتفاقی اور غیر ضروری
پہلوؤں کی تعریف کرنے پر مجبور رہیں مثلاً اس کے ٹریکٹر، مشینیں اور جغرافیائی خصوصیات
ایک مخصوص قسم کی اکنامک منطق کے ماتحت ایسی چیزوں کو جنہیں لاگت میں شمار کیا جانا چاہئے
قابل رشک اندوختے کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ دیپ جوڑا بولشویک رہنماؤں کی
اس بنا پر تعریف کرتا ہے کہ "اب کسان اپنی زمینوں میں ۲۰ سے ۲۵ سینٹی میٹر تک گہرا ہل
چلاسکتے ہیں!" کاشت کے بہت کم ماہر اس عمل سے اتفاق کریں گے اور بیشتر اسے زمین
کی زرخیزی کو تباہ کرنے کا نام دیں گے لیکن یہاں یہ نکتہ زیر بحث نہیں۔ ہم جو چیز اُجاگر
کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ روس پر کتابیں لکھنے والے بیشتر مصنف اس کی مشینوں،

نیکٹریوں، گندھک کے تیزاب اور ٹریکٹروں کی باتیں کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ انہیں ذکر کپڑے، مکان، اناج اور مکھن کا کرنا چاہیئے - وہ ان دونوں قسم کی چیزوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں، حالانکہ ان کی نوعیت جداگانہ ہے اور یہ ضروری نہیں کہ ان میں سے ایک لازمی طور پر دوسری نوع کی چیزوں کی فراوانی کا سبب بنے لیکن یہ مصنّف اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ان دونوں قسم کی چیزوں میں کوئی منطقی اور ناگزیر رابطہ موجود نہیں، لہٰذا اپنے غلط مفروضے کی بنا پر مداحینِ روس کا یہ گروپ بے شمار لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

کیونکہ ایک ٹریکٹر اپنے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ موجود ہے، اس لیے یہ فرض کیا جاتا ہے کہ اسے منافع بخش طریق پر استعمال بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور اس سے بچت بھی ہوگی ہوبرڈ روس میں مشینوں کے استعمال پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "روسی اس خیال میں مبتلا نظر آتے ہیں کہ ٹریکٹر چونکہ ایک حیرت انگیز انداز کے ساتھ بہت سی زمین اُلٹ پلٹ کر دیتا ہے اور اس کی آواز بھی سُریلی ہوتی ہے اس لئے اس کا استعمال دوسرے طریقوں کے مقابلے میں کفایت شعارانہ بھی ہوگا اور مؤثر تر بھی"۔ (۲۰)

ہم یہ بات اکثر بھول جاتے ہیں کہ ٹریکٹر بنانے، اسے اچھی حالت میں قائم رکھنے اور اُسے چلانے پر کافی لاگت آتی ہے۔ سٹالن گراڈ میں ٹریکٹر بنانے کا کارخانہ قائم کرنے کے لئے روس کے باہر سے جو مشینری منگوائی گئی صرف اسی پر سونے کے ساڑھے تین کروڑ روبل خرچ آگئے تھے۔ خارکوف کے کارخانے کی مشینری منگوانے کے لئے ڈیڑھ کروڑ روبل سونے کے، خرچ ہوئے۔ اور چیلیابنک کے ٹریکٹروں کے کارخانے پر سونے کے تین کروڑ بیس لاکھ روبل۔

ٹریکٹروں کو اچھی حالت میں قائم رکھنے پر بھی بڑی لاگت آتی ہے خصوصاً ایک ایسے ملک میں جہاں کے باشندے مشینوں کے استعمال کے عادی نہ ہوں۔ روس میں ان کے

استعمال پہ اظہار خیال کرتے ہوئے ٹراٹسکی کہتا ہے "گذشتہ صنعتی سال (۳۶-۱۹۳۵ء) میں ۸۰ فیصدی ٹریکٹروں کو بڑی بڑی مرمتوں کے لئے بھیجنا پڑا۔ ان میں سے بہت سے ٹریکٹر عین اس وقت پھر بیکار ہو گئے جو ہل چلانے کا وقت تھا۔ بعض اندازوں کے مطابق ملک کے مشینوں اور ٹریکٹروں کے اسٹیشن اپنے اخراجات تبھی پورے کر سکتے ہیں اگر اناج کی فصل فی ایکڑ ۲۰ سے ۲۲ ہنڈریڈ ویٹ لگ بھگ ہو۔ اس وقت جب فصل اس سے تقریباً نصف ہے سٹیٹ اس بات پر مجبور ہے کہ خسارہ پورا کرنے کیلئے کھربوں روبل خرچ کرے"۔ (۲۱)

مشینوں کو چلانے کی لاگت (مخصوص صورتوں سے قطع نظر) حوصلہ شکن ہوتی ہے اور اس کا اس لاگت سے کوئی موازنہ نہیں کیا جاسکتا جو مویشیوں کی مدد سے زراعت پر آتی ہے۔ ہوبرڈ کے لفظوں میں "جرمن فارم کنسیشن (جو ۱۹۳۲ء تک ستائیس ہزار ایکڑوں پر کاشت کرتا رہا) کا تجربہ تھا کہ مویشیوں کی قوت سے ہل چلانا بیشتر اوقات مشینی پاور سے ہل چلانے کے مقابلے میں زیادہ کفایت شعارانہ ہوتا ہے۔ مویشی رکھنے پر کم لاگت آتی ہے اور اس سلسلے میں اُجرتیں بھی کم دینا پڑتی ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں سرکاری معیار کے مطابق موسم بہار میں ایک ہیکٹر زمین پر ٹریکٹر سے ہل چلانے پر ۶ء۲۱ کیوبیٹر تیل صرف ہوتا تھا اور ۱۹۳۴ء میں ایک لٹر بینزائن کی قیمت ۰ء۱ کیلوگرام اناج کی قیمت کے برابر تھی۔ ۲۱ کیلوگرام بینزائن ۲۳ لٹر کے برابر ہوا اور اس کی قیمت ۲۳۰ کیلوگرام اناج کے برابر ہوئی۔ ایک ہیکٹر زمین میں گھوڑوں کی مدد سے ہل چلانے پر جو گھاس اور بھوسہ صرف ہوتا تھا وہ ۳۰ کیلوگرام جئی سے زیادہ قیمت کا نہیں ہوتا تھا۔ ۱۹۳۵ء کے موسم بہار میں ایک ہیکٹر زمین پر گندم کی فصل پیدا کرنے اور اس میں سے اناج نکالنے پر مجموعی طور پر ۳ء۵۷ کیلوگرام تیل صرف ہوا جس کی قیمت ۶۳ لٹر یا ۶۰۳ کیلوگرام اناج کے برابر تھی۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ تیل کی قیمت تقریباً

تقریباً ساری فصل کے برابر تھی"۔ (۲۲)

جن ٹریکٹروں اور بڑی بڑی مشینوں کے متعلق بولشویک لیڈر اتنے بڑھ چڑھ کے باتیں بناتے ہیں ان کی حقیقی تصویر یہ ہے۔ اب اگر اپنے لیڈروں کے مشینی جنون کو مطمئن کرنے کے لئے روسی کسانوں کو اپنے خون اور پسینے کی قیمت ادا کرنی پڑے تو یہ امر موجب حیرت نہیں۔

اس امر کی بے شمار شہادتیں موجود ہیں کہ ٹریکٹروں کو کارآمد رکھنے اور ان کی مرمت کی لاگت میں اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ۱۷ مارچ ۱۹۵۰ء کے پراودا اور ازویستیہ میں درج ہے کہ "تمام سرکاری فارموں نے موسم سرما اور موسم خزاں کے اس کوٹے کو ۱۰ مارچ ۱۹۵۰ء تک ۹۵ فیصدی پورا کر دیا۔ جو ٹریکٹروں کی مرمت کے متعلق مقرر کیا گیا تھا۔ گذشتہ سال کے مقابلے میں ۶۴۰۰ ٹریکٹر، ۵۴۰۰ ہل، ۷۶۰۰ بیج پھینکنے والی مشینیں ۱۷۰۰ فصلیں پکانے والی مشینیں اور ۱۵۰۰ زمین صاف کرنیوالی مشینیں زیادہ مرمت کی گئیں یا ان کی صفائی عمل میں لائی گئی"۔

۴۔ مشترکہ زراعت کی لاگت

مختلف مشینوں اور مختلف طریقہ ہائے کاشت سے ہی لاگت میں فرق نہیں پڑتا بلکہ مختلف قسم کی سماجی تنظیم سے بھی لاگت میں فرق پڑتا ہے۔ اور اس سے حاصل ہونے والی آمدنی بھی مختلف ہوتی ہے۔ سماجی اور آرتھک تنظیم کی بعض شکلیں نسبتاً سستی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک ایسے سماج میں جہاں پیداوار کے مختلف عناصر ایسی جگہوں پر پیدا کئے جائیں جو ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہوں، انہیں استعمال کرنے سے پہلے ایک جگہ پر لانا ضروری ہو اور انہیں استعمال کرنے والے پیدا کرنے والوں سے مختلف لوگ ہوں، وہاں بعض ایسی لاگتیں بھی ناگزیر بن جاتی ہیں جو پیداوار کی دیگر قسم کی تنظیموں

یں ضروری نہیں ہوتیں۔ اگرچہ کوئی خاص قسم کا سسٹم نہ صرف ان لاگتوں کی تلافی کر دیتا ہے، بلکہ ان لاگتوں کے باوجود منافع بخش بھی ثابت ہو سکتا ہے لیکن صحیح رائے قائم کرنے کے لئے اس بات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ ان لاگتوں کا باعث یہ نظام ہی ہے۔

ہمیں مشترکہ زراعت کی لاگتوں کا تخمینہ اسی طریقے سے لگانا چاہیئے۔ ہم یہاں اس سماجی قیمت کا ذکر نہیں کریں گے جو مشترکہ زراعت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ادا کرنی پڑی۔ ہم اس سماجی بے ربطی، بے پایاں مصیبت، بے پناہ ذلت، فاقہ کشی اور موت کا کوئی ذکر نہ کریں گے جو اس نظام کو عالم وجود میں لانے کا نتیجہ تھیں۔ ہم یہاں اس بحث کو بھی نہیں چھیڑینگے کہ مشترکہ زراعت کے استحکام کے بعد کسان اپنی آزادی اور کام کرنے کی امنگ سے بالکل محروم ہو گئے اور ان کی پوزیشن غلاموں سے بھی بدتر ہو گئی۔ ہم یہاں صرف چند بدیہی اور پیش پا افتادہ اقتصادی لاگتوں کا ذکر کریں گے جن کا باعث صرف مشترکہ زراعت تھی اور جن کی کسی اور طریقے سے تلافی کی کوئی اور صورت اس سے نہ بن سکی۔

تجربے نے ہر جگہ بتایا ہے کہ جہاں زراعت اور ڈیری فارمنگ کے کچھ شعبے ایسے ہیں جنہیں امداد باہمی کے اصول پر چلانا سب کے لئے مفید ہو سکتا ہے، وہاں ان دونوں کاموں کو ان کی تمام تفصیلات کے ساتھ صرف امداد باہمی کے طریق پر کرنا اقتصادی طور پر غیر سود مند ہے۔ مشترکہ کاشت کے حامیوں کا دعویٰ ہے کہ دوسرے طریقوں کے مقابلے میں اس پر فی یونٹ کم محنت صرف ہوتی ہے لیکن ایک ایسے ملک میں جہاں دیہات کی آبادی اتنی زیادہ ہو کہ وہ ایک پیچیدہ مسئلہ بن کر رہ گئی ہو، وہاں مشترکہ اقتصادی سرگرمی صرف بیکاری میں اضافہ کرنے کا باعث ہی ہو سکتی ہے۔ مشترکہ زراعت کے حامیوں کی طرف سے ایک اور دعویٰ یہ کیا جاتا ہے کہ کسانوں کے چھوٹے چھوٹے قطعات اراضی کو یکجا کرنے سے مشینی کاشت ممکن بن جاتی ہے۔ لیکن ہمیں یہ بھولنا نہیں چاہئے کہ جب تک فی کس کے حساب سے زمین کی مقدار میں اضافہ نہ ہو تو مشینی کاشت بیکاری میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ کاشت کی لاگت میں بھی اضافہ کر دیتی ہے جس کا بوجھ

اٹھانا غریب کسانوں کے لئے ممکن نہیں رہتا۔ روس میں یہی کچھ ہوا۔

مشترکہ زراعت کے جن فائدوں کا عام طور پر ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے ان کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اس کے نقصان اظہر من الشمس ہیں۔ دفتری کام کرنے والے بچولوں کی ایک پوری فوج ہوتی ہے جس کی گذربسر کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۳۸ء میں مشترکہ کھیتوں کے ۲۴۳۴۸۹ چیرمین اور وائس چیرمین تھے۔ ان کے علاوہ ۲۴۳۳۹۰ اکاؤنٹنٹ تھے اور ۲۴۳۲۲۱ معائنہ کرنے والی کمیٹیوں کے چیرمین تھے۔ ان سب کی مجموعی تعداد ۱۰ لاکھ بنتی ہے ان میں ۱۵۳۰۰۰ ڈرائیوروں اور مشینی کاریگروں کا اضافہ اور کر لیجیے۔ اس طرح ۲۵ لاکھ اشخاص کو کسانوں کے اندوختہ محنت سے معاوضہ دینا پڑتا ہے اور یہ معاوضہ اس لئے دینا پڑتا ہے کہ کسانوں کو اپنے طور پر آزادانہ کام کرنے کا حق نہیں اور وہ ٹولیوں میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ یہ معاوضہ اس لئے دینا پڑتا ہے کہ کسان اپنے گھوڑوں اور بیلوں سے کام کرنے کی بجائے جو ایک روز افزوں اثاثہ ہوتے ہیں، پیچیدہ ٹریکٹروں اور مشینوں سے کام کرنے پر مجبور ہیں۔ ان ٹریکٹروں اور مشینوں سے وہ گھوڑوں اور بیلوں کی طرح از خود کام نہیں لے سکتے بلکہ اس کے لئے دوسروں کی خدمات حاصل کرنے پر مجبور ہیں جنہیں ان کو اپنے سے کہیں زیادہ معاوضہ دینا پڑتا ہے۔

بدیہی لاگتوں کے علاوہ کچھ لاگتیں بالواسطہ بھی ہوتی ہیں جو کم کثیر نہیں ہوتیں۔ مردوں اور عورتوں کو ٹریکٹر بنانے کے لئے فیکٹریوں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ کچھ مردوں اور عورتوں کو ٹریکٹر بنانے والی فیکٹریوں کو لوہا اور کوئلہ مہیا کرنے کے لئے کانوں میں کام کرنا پڑتا ہے۔ بہت سوں کو بار برداری، تقسیم اور مشینوں کے پرزے جوڑنے کے کاموں میں مصروف رہنا پڑتا ہے۔ اس طرح عوام کی بہت بڑی تعداد پرولتاری بن جاتی ہے، جو دھوپ اور تازہ ہوا سے محروم ہو کر گندے اور بدبودار ماحول میں کام کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ تمام باتیں سرمایہ داری کے عروج کا لازمی حصہ ہیں۔ لیکن جب اس سرمایہ داری کو ایک سخت گیرانہ نظام کی شکل دیدی جائے

تو ان کی شدت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب لوگوں کو اس غیر قدرتی، گندے، روح فرسا اور اعصاب شکن ماحول میں کام کرنے پر مجبور کیا جائے تو یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ ان کے لئے زیادہ ہسپتال اور پاگل گھر بنائے جائیں۔ اور ان کی زندگی کو قابل برداشت بنانے کے لئے سنیما جیسی ارزاں تفریحوں کا وافی انتظام کیا جائے۔ یہ چیزیں جو کافی حد تک غیر قدرتی اور گندے طرز معاش کی قدرتی پیداوار ہیں "سوشلسٹ کلچر" اور ترقی کی نشانیاں بن جاتی ہیں۔

اس تبدیلی سے فائدہ کسے پہنچتا ہے؟ افسروں، کمیساروں، مینجروں، چیرمینوں، ڈیلی گیٹوں، فورمینوں اور ان سے بھی زیادہ پارٹی کے بڑے بڑے لیڈروں کو لیکن ان سب کی تعداد مل کر بھی روس کی مجموعی آبادی کا ایک بہت قلیل حصہ بنتی ہے۔ یہ کہنا مقصود نہیں کہ یہ لوگ محض اپاہج ہیں اور کوئی بھی فرض پورا نہیں کرتے۔ یہ واقعہ ہے کہ وہ ایک زنجیر کی اہم اور ناگزیر کڑیاں ہیں۔ لیکن ان کی اہمیت ایک خاص سماجی نظام کی پیداوار ہے۔ اور ان کا وجود نسبتی ہے۔ لوگوں کی ایک بہت بڑی اکثریت کو ایک مرکز پر جمع کرنا اور ان سے کام لینا ہوتا ہے۔ یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ انہیں ان کی مناسب حیثیت کا احساس دلایا جائے اور اس کی یاد دہانی بھی ہوتی رہے۔ ان سے کام لینا پڑتا ہے، نگرانی کرنی پڑتی ہے اور ان کے کام کا حساب کر کے انہیں معاوضہ دینا پڑتا ہے۔ ایک کمیونسٹ اجتماعی نظام میں جس کی تنظیم مرکزی اور ڈکٹیٹرانہ ہو، سب سے زیادہ اہمیت ان ہی فرائض کو حاصل ہے۔ ایک کمیونسٹ سماج میں اکٹھا کرنے، حکم چلانے، رہنمائی کرنے، چھان بین کرنے اور خوفزدہ کرنے کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ لہٰذا اس قسم کے کاموں کا معاوضہ کافی ملتا ہے۔ ایک ایسے سماج میں جس کا ڈھانچہ اس سے مختلف ہو۔ اس قسم کے شعبے یا ان میں سے اکثر و بیشتر غیر ضروری ہوں گے۔

یہ کہنا مقصود نہیں کہ پیداوار کا یہ کمیونسٹ اور اجتماعی انداز اہلیتوں کو بروئے کار لانے کا کوئی بھی موقع نہیں دیتا۔ مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ یہ نظام صرف ایک خاص قسم کی اہلیتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور انہیں کی قدر افزائی کرتا ہے۔ یہ اہلیتیں ہیں حکم چلانا، خوفزدہ

کرنا، نگرانی کرنا، تار ہلانا، پروپیگنڈہ کرنا، مدح سرائی کرنا، پردہ پوشی کرنا، ہیرپھیر کرنا، غلط حسابات بنانا اور منصوبہ بندی وغیرہ وغیرہ۔

سرکاری کھیتوں کی ناکامی

مشترکہ کاشت کے عیوب سرکاری کھیتوں کی مکمل اقتصادی ناکامی سے پوری طرح ظاہر ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ ان کھیتوں کو مشترکہ زراعت کا مکمل ترین اظہار کہا جاسکتا ہے۔ سوویٹ سرکار مشترکہ کاشت کے معاملے میں بالکل بیچ میں اسی لئے رک گئی کہ وہ اس اقتصادی نظام کے تمام فائدوں کو اپنے لئے مخصوص کرلینا چاہتی تھی اور اس کی خامیوں کو غریب کاشتکاروں کے کاندھوں پر ڈال دینے کی آرزومند تھی۔ اس نظام کے فائدے تھے اناج، دودھ، مکھن اور دیگر خام اشیاء کا منظم اور یقینی حصول۔ خواہ موسم اور فصل کی حالت کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ پھر اس کی بدولت صنعتی مال کے لئے منڈی بھی لازمی طور پر میسر آجاتی تھی۔ اس مال میں بڑی بڑی قیمتوں والے ٹریکٹر بھی تھے جنہیں کسان عام حالات میں ہاتھ تک نہ لگاتے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نظام کی بدولت کسان عوام پر مکمل سیاسی کنٹرول حاصل ہوجاتا تھا، جو کسی اور طرح ممکن نہیں تھا۔

کمیونسٹ ہمیشہ عملی تجربے کے تمام پر اپیل کرتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عملی تجربہ ان سے بالکل متضاد قسم کی باتیں کہلوا دیتا ہے اور اس کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ کسی خاص وقت میں کون سی تجویز پیش کی جارہی ہے۔ انقلاب اکتوبر کی بارھویں سالگرہ پر تقریر کرتے ہوئے سٹالن نے کہا "۵۰ ہزار سے ۱ لاکھ ہیکٹر تک کی اناج فیکٹریاں قائم کرنے کے امکان کے خلاف سائنس نے جتنی بھی دلیلیں دی تھیں وہ مٹی میں مل چکی ہیں۔ عمل نے "سائنس" کے مفروضوں کو باطل کردیا ہے۔" (۲۳) لیکن یہی سٹالن اس سے پہلے ۱۹۳۴ء کے آغاز میں سترھویں پارٹی کانگریس کے موقعہ پر یہ اعلان کرچکا تھا کہ "ہمارے اناج کے

سرکاری کھیت اتنے بوڑھے ہیں کہ ان پر قابو پانا ممکن نہیں۔" اس تقریر میں اس نے انکشاف کیا تھا: "سرکاری کھیتوں پر سٹیٹ نے جو بڑی بڑی رقمیں خرچ کی ہیں اگر ان کا موازنہ حاصل شدہ نتائج سے کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری کھیتوں کے ذمے بہت بڑی رقم نکلتی ہے۔" (۲۴)

بہت جلد پچاس ہزار ہیکٹر سے ایک لاکھ ہیکٹر تک کے کھیت جن کے متعلق سٹالن نے اتنی بڑی شیخی بگھاری تھی، فیشن سے خارج ہو گئے۔ اب انہیں گھٹا کر ۵ ہزار ایکڑوں تک محدود کر دیا گیا۔ سنہ ۱۹۳۵ء تک سرکاری کھیتوں کا کل رقبہ ۱۴۴۰۰۰۰۰ ہیکٹر پر مشتمل تھا، جو کل رقبۂ کاشت کا ۱۱ فیصدی تھا۔ سنہ ۱۹۳۸ء میں یہ رقبہ ۱۲۴۰۰۰۰۰ ہیکٹر رہ گیا یعنی کل رقبۂ کاشت کا ۹ فیصدی۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ "ایک خالص سوشلزمی انداز کا بہت بڑا زرعی تجربہ" بہت زیادہ خسارے پر چل رہا تھا۔

سرکاری کھیتوں کو سرمایہ، مشینیں اور کھادیں بڑی فراخدلی سے فراہم کی جاتی ہیں لیکن ان سے آمدنی بہت کم ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۳۸ء میں ان کا بنیادی سرمایہ ۱۶۷۷۰۰۰۰۰ روبل تھا۔ پہلے دو پانچسالہ منصوبوں میں زراعت کے لئے جو ۲۴ ارب ۴۰ کروڑ روبل وقف کئے گئے ان کا ۶۲ فیصدی حصہ یعنی ۱۵ ارب روبل صرف سرکاری کھیتوں پر صرف ہوئے، اور ساری زراعت کے لئے جتنے ٹریکٹر مخصوص تھے ان میں سے ایک تہائی سرکاری کھیتوں کے لئے وقف ہو گئے۔ (سنہ ۱۹۳۵ء میں ٹریکٹروں کی کل تعداد ۳۲۰ ہزار تھی۔ ان میں سے ۱۰۲ ہزار ٹریکٹر سرکاری کھیتوں کے لئے وقف تھے)، لیکن پیداوار کا تناسب کیا تھا؟ سنہ ۱۹۳۸ء میں ان کھیتوں کی مجموعی پیداوار ۷۶۰۰۰۰۰۸ کوئنٹل تھی یعنی کل پیداوار کا ۹ فیصدی۔ کپاس کے معاملے میں تو حالت اس سے بھی خراب تھی۔ ان کھیتوں میں کل ۱۴۰۰۰۰۰ کوئنٹل کپاس پیدا ہوئی جو مجموعی پیداوار ۲۶۹۰۰۰۰۰ کا ۵ فیصدی حصہ تھی۔

اقتصادی ناکامی ہر قسم کے مشترکہ کھیتوں کا لازمی وصف ہے۔ سرکاری کھیتوں کے

معاملے میں یہ وصف اور بھی نمایاں ہو گیا۔ سٹالن نے ۱۹۳۳ء میں اعتراف کیا تھا کہ ۲½ لاکھ مشترکہ کھیتوں میں صرف چند ہزار کھیت اپنے اخراجات پورے کر رہے ہیں۔ اور ۵ ہزار سرکاری کھیتوں میں خود کفیل کھیتوں کی تعداد چند درجن کھیتوں سے زیادہ نہیں تھی۔ مندرجہ ذیل نقشہ مختلف قسم کے کھیتوں کی نسبتی تقسیم ظاہر کرتا ہے جس سے طریق پیداوار کی نسبتی برتری یا اس کا گھٹیا پن بھی ظاہر ہوتا ہے۔

۱۹۳۸ء میں مختلف قسم کے کھیتوں کی نسبتی تقسیم (۲۵)

	بور رقبہ	گھوڑوں کی ملکیت	مجموعی پیداوار میں نسبتی حصہ
	فیصدی	فیصدی	فیصدی
مشترکہ کھیت	۸۵٫۶	۷۶٫۸	۶۲٫۹
مشترکہ کھیتوں کے ممبر کسان گھرانے	۳٫۹	۴٫۷	۲۱٫۵
انفرادی کسان	۰٫۶	۲٫۹	۱٫۵
سرکاری کھیت	۹٫۱	۱۲٫۵	۹٫۳

یہ اعداد و شمار سرسری ہیں لیکن ہمارے مقصد کے لئے کافی ہیں۔ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بڑے بڑے کھیت جن کی تحویل میں رقبۂ کاشت کا فیصدی حصہ سب سے زیادہ ہے اور انہیں دوسری سہولتیں بھی بڑی فراوانی سے حاصل ہیں۔ زرعی پیداوار کا سب سے کم فیصدی حصہ پیدا کرتے ہیں۔ مشترکہ کھیتوں کے پاس ۸۵٫۶ فیصدی زمین ہے لیکن وہ زرعی پیداوار کا صرف ۶۲٫۹ فیصدی حصہ پیدا کرتے ہیں۔ اسی طرح سرکاری کھیتوں کے پاس کل رقبۂ کاشت کا ۹٫۱ فیصدی ہے۔ ان کے پاس گھوڑوں کا بھی ۱۲٫۵ فیصدی حصہ ہے اور ٹریکٹروں اور کھادوں کا غیر معمولی حصہ اس سے علاوہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود مجموعی زرعی پیداوار کا صرف ۹٫۳ فیصدی حصہ پیدا کرتے ہیں۔ دوسری طرف آزاد کسانوں اور مشترکہ کھیتوں سے تعلق رکھنے والے کسانوں نے جو تھوڑی تھوڑی زمین رکھی ہوئی ہے اور جو بالترتیب کل رقبۂ کاشت کا ۶ فیصدی اور ۳٫۹

فیصدی ہے۔ وہ بالترتیب مجموعی زرعی پیداوار کا ۵ء۱۱ فیصدی اور ۵ء۲۱ فیصدی حصہ پیدا کرتے ہیں۔

دیہات اور قصبے

ہم دیکھ چکے ہیں کہ کمیونزم کی تعمیر صنعت کی ڈکٹیٹرشپ کے اصول پر ہوئی، جس نے دیہات کی خالص "نوآبادیاتی انداز میں لوٹ کھسوٹ کی"۔ یہ لوٹ کھسوٹ ہمہ گیر تھی اور اس نے کئی رنگ اختیار کیے۔ این دوزنینسکی کے قول کے مطابق ۱۹۱۳ء میں دیہات ۵۰۰۰۰۰۰۲ شہری آبادی کو رزق مہیا کرتے تھے۔ ۱۹۴۰ء میں وہ ۱۹۱۳ء کے اعداد و شمار کے مقابلے میں ۴۰ء۱ گنا شہری آبادی کو رزق مہیا کرتے تھے (۲۶) یہ مشترکہ کاشت کا کرشمہ تھا کہ کسانوں سے منظم طریق پر اناج وصول کر کے اتنی بڑی نکھٹو آبادی کا پیٹ بھرا جا سکا۔ اناج کی یہ وصولی ۲۷-۱۹۲۶ء میں ۶۳۰۰۰۰۰۰ پوڈ سے بڑھ کر ۳۰-۱۹۲۷ء میں ۲۳۱۸۰۰۰۰۰ پوڈ تک پہنچ گئی جس کا مطلب ہے ۳۰۰ فیصدی اضافہ۔

کسانوں کو صرف بڑھتی ہوئی شہری آبادی کا پیٹ ہی نہیں بھرنا پڑتا تھا۔ بلکہ انہیں روس کی ساری صنعتی ترقی کا بوجھ بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ جو کمیونسٹوں کی رہنمائی میں مجنونانہ طور پر جاری تھی۔ روس کی قومی اقتصادی تنظیم میں ۱۹۲۸ء میں ۲۷۰۰۰۰۰۰۰ روبل سرمایہ لگا۔ ۱۹۳۲ء میں ۱۸۰۰۰۰۰۰۰۰۰، ۱۹۳۷ء میں ۳۰۰۰۰۰۰۰۰۰۰ اور ۱۹۴۰ء میں ۴۳۰۰۰۰۰۰۰۰۰ (۲۷)

یہ سب روپیہ کہاں سے آیا؟ کسانوں کی جاگیردارانہ لوٹ کھسوٹ اور مزدوروں کی بہیمانہ انداز کی لوٹ کھسوٹ سے پیدا شدہ "قدر زائد" کی تخلیق سے۔ یہ سب کچھ جس طریق پر ممکن ہوا۔ اسے بکری ٹیکس کا نام دیا گیا۔ جس کا مطلب ہے کہ مال پیدا کرنے والوں سے اتنے سستے نرخوں پر مال حاصل کرنا، کہ خرید اور ضبطی میں کوئی فرق نہ رہے۔ اور پھر اسی مال کو بھاری بھرکم داموں پر فروخت کر دینا۔ یہ ٹیکس اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ ۱۹۳۳ء کے بعد اس سے حاصل شدہ رقم اس سرکاری بجٹ سے تجاوز

کرتی رہی جو ملک کی ساری قومی اقتصادی تنظیم میں روپیہ لگانے کے لئے درکار ہوتا تھا۔ کئی سال ایسا بھی ہوا کہ یہ رقم قومی اقتصادی تنظیم کے اخراجات اور قومی دفاع کے اخراجات کی مجموعی رقم سے بڑھ گئی۔

غیر ملکی ایکسچینج حاصل کرنے کے لئے بھی کسان ہی روپیہ دیتے تھے۔ پہلی پانچسالہ سکیم کے دوران ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۲ء تک، سوویٹ اعداد و شمار کے مطابق روس نے اپنے ملک کی صنعتی ترقی میں مدد کے بدلے غیر ملکی فرموں کو ۴۰۰۰۰۰۰۰ طلائی روبل ادا کئے۔ غیر ملکی ٹیکنیکل مشوروں کا بھی معاوضہ ادا کرنا پڑتا تھا۔ یہ روپیہ کہاں سے آتا تھا؟ اناج، مکھن اور چینی کی برآمد سے۔ گویا کسانوں کی عزیز ترین متاع غیر ملکیوں کے استعمال کے لئے برآمد کر دی جاتی تھی۔

دیہات کو صرف شہروں کی صنعتی ترقی کے لئے روپیہ ہی نہیں ادا کرنا پڑتا تھا بلکہ محنت کی صورت میں بھی ادائیگی کرنی پڑتی تھی۔ ۱۹۲۸ء میں مزدوروں اور ملازموں کی تعداد ۱۱۶۰۰۰۰ تھی لیکن ۱۹۴۰ء میں یہ ۳۰۴۰۰۰۰ تک پہنچ گئی۔ بیشتر نئے مزدور دیہات سے ہی آئے تھے۔ جب پرولتاریہ نے فیکٹریوں میں شدید محنت کا مطالبہ کرنے والے کاموں کو چھوڑ کر آسان اور زیادہ معاوضہ والے کام سنبھال لئے تو فیکٹریوں میں گھٹیا اور زیادہ محنت کا کام کرنے کے لئے کسانوں کی بھرتی شروع ہو گئی۔ اس وقت بیشتر مزدور مشترکہ کھیتوں سے حاصل کئے جاتے ہیں اور بعض حالتوں میں مشترکہ کھیتوں پر مزدور مہیا کرنے کی پابندی بھی عائد ہوتی ہے۔ بچوں کی پرورش اور تعلیم کا خرچ دیہات کو برداشت کرنا پڑتا ہے لیکن جوں ہی وہ بالغ ہو کر کام کے قابل ہوتے ہیں انہیں شہروں میں بھیجدیا جاتا ہے۔ یہ بات دیہات کے لئے مسلسل نقصان کا باعث بنی رہتی ہے۔

دیہات عام اچھی نو آبادیوں کی طرح شہری آبادی کو سستی خوراک اور شہری صنعتوں کو سستا خام مال مہیا کرتا ہے۔ ۲۷-۱۹۲۶ء میں دیہات نے ۳۲۶۰۰۰۰۰ پوڈ کپاس مہیا کی۔ لیکن ۳۹-۱۹۳۸ء میں انہیں ۶۴۰۰۰۰۰ پوڈ کپاس سپلائی کرنا پڑا۔ ۳۰-۱۹۲۷ء میں جب

بھیڑ بکریوں کی تعداد ۱۴۶۰۰۰۰۰ تھی، دیہات کو ۲۰۰۰۰ پوڈ اون سپلائی کرنا پڑتی۔ لیکن سنہ ۳۹-۱۹۳۸ء میں جب بھیڑ بکریوں کی تعداد گھٹ کر ۱۰۲۰۰۰۰۰ رہ گئی تو دیہاتیوں کو ۵۴۰۰۰ پوڈ اون سپلائی کرنا پڑ گئی۔ گویا تین چوتھائی بھیڑ بکریوں سے ۲۶ گنا اون۔

سستے کچے مال کا مخزن ہونے کے ساتھ ساتھ دیہات صنعتی مال کی یقینی منڈی بھی تھے۔ یہ مال عام استعمال کی چیزیں نہیں تھیں بلکہ گراں قیمت مشینیں تھیں۔ اس بات پر بحث کرتے ہوئے کہ دہشت زدہ کسانوں پر اجتماعیت کو کس طرح بہ سرعت تمام ٹھونس دیا گیا۔ ہیوبرڈ کہتا ہے کہ مختلف اسباب کی وجہ سے بڑے یونٹوں میں زمین کا فوری ارتکاز تقریباً تقریباً لازمی ہو گیا تھا۔ سوویٹ انڈسٹری، ٹریکٹروں اور زرعی مشینوں کی بڑے پیمانے پر تیاری شروع کرنے والی تھی۔ سٹالن گراڈ ٹریکٹر فیکٹری کو سنہ ۱۹۳۰ء کے موسم خزاں میں پیداوار کا آغاز کر دینا تھا تو دوسری برسک خارکوف اور دوسرے مقامات پر مختلف قسم کی زرعی مشینیں تیار کرنے والے کارخانوں کی تعمیر شروع ہو گئی تھی۔ ان تمام مشینوں کو جو چھوٹے چھوٹے کھیتوں کیلئے کارآمد نہیں ہو سکتی تھیں کہیں نہ کہیں کھپانا ضروری تھا۔ لہٰذا اجتماعیت ناگزیر ہو گئی۔

اس سے ہندوستان میں برطانوی سامراج کے ابتدائی ایام کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جب غیر ملکی سستے مال نے اس ملک پر حملہ کیا تو اس ملک کی سماجی تنظیم اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے اور اپنے آپ کو اس کے مطابق بنانے پر مجبور ہو گئی۔ یہ اور بات ہے کہ اس سے لاکھوں انسان بھوک اور موت کا شکار ہو گئے۔ روس میں بھی یہی کچھ ہوا۔ شہروں کے پاس قابل فروخت ٹریکٹر اور مشینری تھی لہٰذا زراعت کو اس طرح تبدیل کرنا ضروری ہو گیا کہ وہ انہیں جذب کر سکے۔ لوگوں کے لئے ضروری ہو گیا کہ وہ اپنی صدیوں پرانی طرز زندگی، اپنے طریق کار اور عادات کو تبدیل کریں۔ تاکہ وہ ان نئی لاگتوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا سکیں۔ لیکن کمیونزم میں کوئی چیز سست رو اور اتفاقی نہیں ہوتی لہٰذا یہ تبدیلی "بولشویک سوشل منصوبہ بندی" کے تحت پوری قوت ارادی کے ساتھ بہ سرعت تمام لائی گئی۔ اس امر کے نتیجے کے طور پر جائداد

کی ضبطی، جلاوطنیاں، گولی مارنے، بم باری کرنے اور اجتماعی فاقہ کشی کے جو واقعات رونما ہوئے وہ جزوی منصوبہ بندی کا نتیجہ تھے۔ تاکہ تبدیلی کا عمل آسان تر ہو جائے۔ سٹالن واقعات کو چھپاتا نہیں بلکہ اس کے برعکس کھلے بندوں اعتراف کرتا ہے کہ دیہات کے طور طریقوں کو تبدیل کرنا ضروری تھا۔ تاکہ وہ شہری ضرورتوں کے مطابق ہو سکیں۔ وہ اعلان کرتا ہے "دیہات کی سوشلزمی تبدیلی میں اہم ترین عنصر شہروں کی سوشلزمی صنعت کا وجود ہے۔ اگر سوشلسٹ شہروں کو دیہاتی عوام کو اپنے پیچھے لگا کر سارے راستے ان کی رہنمائی کرنا ہے تو بقول لینن یہ بہت ضروری ہے کہ دیہات کی اقتصادی زندگی جس میں زراعت بھی شامل ہے، نئے تیکنیکل سانچوں میں ڈھال دی جائے۔" (۲۸)

اب تشدد کے نمایاں تر مظاہر کا سلسلہ موقوف ہو چکا ہے لیکن گذشتہ تشدد سے جو فائدے حاصل ہوئے تھے وہ بدستور قائم ہیں۔ دیہات کی ظالمانہ لوٹ کھسوٹ اب بھی جاری ہے اور اس کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ کسان کو جو قیمت اپنے مال کی ملتی ہے اس کا موازنہ اس قیمت سے کیا جائے جو وہ صنعتی مال کی ادا کرتا ہے۔

بقول لینن محنت کش کسان کو "نئی اقتصادی بحالی کا مرکزی کردار بننا تھا" لیکن ہوا یہ ہے کہ وہ بقا کی خوفناک جدوجہد کا مرکزی کردار بن گیا ہے لینن کے قول کے مطابق کسانوں کی پیداوار کا بڑی بڑی سوشلسٹ صنعتوں کی پیداوار سے تبادلہ سوشلزم کا اقتصادی جوہر تھا۔ تبادلہ اجناس یعنی مختلف قسم کے مالوں کا منصفانہ تبادلہ صرف سوشلزم ہی نہیں، بلکہ ہر ایماندارانہ اقتصادی رابطے کا جوہر ہے۔ منصفانہ تبادلہ اجناس کے لئے دو باتیں ضروری ہیں۔ اول یہ کہ تبدیل کئے جانے والے مال کی دونوں پارٹیوں کو ضرورت ہو اور دونوں ہی اس کی خواہشمند ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک پارٹی دوسری پر اپنی پسند کی چیزیں ٹھونس دے جیسا کہ برطانیہ نے چین پر افیون ٹھونس دی تھی۔ دوسری بات جو ضروری ہے وہ یہ ہے کہ تبادلہ منصفانہ بنیادوں پر بھی ممکن ہے کہ ہر پارٹی کو اس کے مال کا مناسب معاوضہ ملے۔ ایسا نہ ہو

کہ ایک طاقتور فریق دوسرے فریق پر ایسی شرائط ٹھونس دے جو اس کا مال ضبط کرنے کے مترادف ہوں۔

لیکن روس میں بالکل یہی ہوا ہے اور جب سے کمیونسٹ برسرِ اقتدار آئے ہیں اس کا سلسلہ بھی موقوف نہیں ہوا۔ پہلے کسان اپنی پیداوار کا بیشتر حصہ اپنی ضرورت کے لئے رکھ لیتا تھا اور اس کا کچھ حصہ اپنی ضرورت کی چند چیزیں حاصل کرنے کے لئے فروخت کر دیتا تھا۔ اب وہ اپنی پیداوار کے بیشتر حصے سے دستبردار ہونے کے لئے مجبور ہے اور اس کی قیمت بھی اسے برائے نام ملتی ہے۔ مثال کے طور پر سنہ ۲۸-۱۹۲۷ء میں کسان اپنی گندم کا ۸۰ فیصدی حصہ اپنی ضرورت کے لئے رکھ لیتا تھا اور صرف ۲۰ فیصدی حصہ فروخت کرتا تھا۔ سنہ ۱۹۳۸ء میں اناج کا صرف ۲۶٫۹ فیصدی مشترکہ کھیتوں کے مزدوروں اور کسانوں کو ان کے حق الخدمت کے طور پر تقسیم کیا گیا اور جن لوگوں کو یہ اناج تقسیم ہوا، وہ صرف کسان ہی نہیں تھے بلکہ ان میں ہزاروں مشینی کاریگر اور ڈرائیور بھی تھے۔ پھر سنہ ۱۹۴۰ء میں جہاں کسان کو اپنے مال کی قیمت وہی ملتی تھی جو سنہ ۱۹۱۳ء میں ملا کرتی تھی وہاں اسے اپنی ضرورت کی چیزوں کی قیمت سنہ ۱۹۱۳ء کے مقابلے میں کئی گنا دینی پڑتی تھی۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں اسے دانے دار چینی کے ایک کیلوگرام کی قیمت ۲۹ کوپک دینی پڑتی تھی، لیکن سنہ ۱۹۴۰ء میں وہ ۴۱۰۵ کوپک دینے پر مجبور تھا۔ یہ قیمت پہلی قیمت کے مقابلے میں ۱۴ گنا تھی۔

یہ تمام سودے یکطرفہ ہوتے ہیں اور ان میں دوسرے فریق کو لب کشائی کی اجازت نہیں۔ حکومت جو قیمت ادا کرتی ہے وہ برائے نام ہوتی ہے لیکن وہ خود اس خرید شدہ مال کی بھاری بھر کم قیمتیں وصول کرتی ہے۔ اسے تبادلۂ اجناس یا منصفانہ تبادلے کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ ڈکیتی اور ضبطی ہے جس کا جواز طاقت کے ماسوا اور کچھ نہیں۔ یکطرفہ اور جابرانہ اقتصادی رابطوں کو قانون کی شکل دے دی گئی ہے۔ جاگیردارانہ جبر کو ڈکٹیٹرانہ رنگ دے دیا گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ روس کا اقتصادی نظام جامد اور بے حرکت بن کر

رہ گیا ہے اور وہ قدرتی عوامل معطل ہو گئے ہیں۔ جو فطرت کی ازخود تلافی کر دیا کرتے ہیں۔ کمیونزم جاگیردارانہ سامراج کا دوسرا نام ہے جسے صنعتی طریق پیداوار کے سانچوں میں ڈھال دیا گیا ہے۔

چھٹا باب

کسان عوام کا معیار زندگی

بہت سے لوگ اس طرح کی دلیلیں دیتے ہیں۔ سیاسی طور پر سوویٹ روس میں ڈکٹیٹرشپ سہی اور یہ بھی درست سہی کہ اس نے شخصی آزادی اور تقریر کی آزادی پر پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ اس نے بھوک کے بنیادی مسئلے کو حل کر لیا ہے۔ اس بیان کے بعد جو اُن کے نزدیک روس کی واقعاتی تصویر ہے وہ ایک اصول وضع کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور یہ اصول انہیں دل و دماغ کا مکمل سکون عطا کر دیتا ہے۔ بالعموم یہ اصول اس قسم کا استدلالی رنگ اختیار کرتا ہے' آخر ایک فاقہ کش کے لئے آزادی کی کیا قیمت ہے؟ اسے اگر ایک دھوکا اور فریب نہ بھی کہا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ ایک خیالی چیز ہے۔ اگر شخصی آزادی کو حقیقی چیز بننا ہے تو اس کے لئے بھوک کے "حقیقی" مسئلے کو حل کرنا ضروری ہے۔ باقی تمام آزادیوں اور حقوق کی بنیاد اسی پر استوار کی جا سکتی ہے' اور ایک "ماورا" واقعات کی قسم کھا کر وہ اعلان کرتے ہیں کہ اس امر کا دعویٰ کون کر سکتا ہے کہ جمہوریتوں نے بھوک کے مسئلے کو حل کر لیا ہے؟ ان میں سے بعض تو اس امید پر بھی شک کا اظہار کرتے ہیں کہ

شخصی آزادی اور جمہوریت کے حدود کے اندر رہتے ہوئے اس مسئلے کو حل بھی کیا جا سکتا ہے۔

اس تمام استدلال کی بنیاد غلط معلومات اور ناقص اقدار پر ہے۔ اس قسم کی دلیلیں مہاتما گاندھی کے سامنے کئی بار پیش کی گئیں لیکن ان پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہوں نے سوویت اقتصادی نظام کا مطالعہ کیا تھا اور اس کی قدر و قیمت سے آگاہ تھے۔ بلکہ ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو فطری طور پر ضروری اور غیر ضروری اور جائز اور ناجائز میں امتیاز کر سکے۔ انہوں نے اس قسم کی دلیلوں کو اس بنا پر مسترد کر دیا کہ جس ملک میں لوگ شخصی آزادی اور تقریر کی آزادی سے محروم ہوں، وہاں یہ پتہ چلانا ناممکن ہے کہ لوگ فاقے نہیں مر رہے ہیں۔

اس باب میں ہم نسبتی قدروں اور صحیح تناسب نظری سے بحث نہیں کریں گے اور نہ بڑے بڑے مسائل کو بیچ میں لائیں گے۔ ہم صرف کسانوں کی قوتِ خرید اور معیارِ زندگی سے بحث پر اکتفا کریں گے۔ لاکھوں عوام خصوصاً ایشیا کے غیر فاقہ کش، دانشور مندرجہ بالا دلیل سے اثر پذیر ہوئے ہیں۔ لہٰذا ہم امید کرتے ہیں کہ روس کے معیارِ زندگی کے متعلق واقعاتی بحث ان کی غلط فہمیوں کے ازالے اور اس سوال پر درست رائے قائم کرنے میں مدد دے گی۔

گذشتہ باب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ جب ایک نسل کے افلاس اور مصیبت کے بعد مجموعی پیداوار بدقت تمام ایک مرتبہ اور زمانۂ قبل از جنگ کی سطح تک پہنچی، تو ٹریکٹروں، مشینوں اور کھادوں کے جبری استعمال والے نظامِ زراعت کی وجہ سے پیداوار کی مجموعی لاگت میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا تھا۔ ان لاگتوں کا زرعی پیداوار کے ساتھ لازمی سمبندھ نہیں تھا۔ بلکہ انہیں صرف شہروں کی آمدنی بڑھانے کے لئے بے بس دیہات پر زبردستی ٹھونس دیا گیا تھا۔ وہ تمام لوگ جنہیں نظریات کے علاوہ

سوویٹ روس کے مسائل میں کوئی اور دلچسپی بھی ہے، اس بات پر متفق ہیں کہ مشترکہ کاشت کے آغاز سے قبل ۱۹۲۸ء کے قلیل سے وقفے کے ماسوا انقلاب کے بعد روسی کسانوں کے معیارِ زندگی میں قابلِ غور حد تک کمی ہوئی ہے۔

اس حقیقت کو ثابت کرنا چنداں دشوار نہیں اور اس کے لئے سوویٹ حکام کے پیش کردہ اعداد و شمار ہی کافی ہیں۔ مثال کے طور پر سٹالن کی اس تقریر کو لیجئے جو اس نے ۲۸ مئی ۱۹۲۸ء کو انسٹی ٹیوٹ آف ریڈ پروفیسرز کے طالب علموں کے سامنے "اناج کا محاذ" کے عنوان سے کی تھی (۱) اس تقریر میں اس نے اناج کی مجموعی پیداوار کے اعداد و شمار بھی پیش کئے تھے اور اناج کی فروخت کے بھی۔ ان اعداد و شمار کا تعلق غریب کسانوں سے بھی تھا طبقہ متوسط کے کسانوں سے بھی اور کلکوں سے بھی۔ یہ اعداد و شمار ۱۹۱۳ء اور ۲۷-۱۹۲۶ء سے تعلق رکھتے تھے۔ کلکوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم مندرجہ ذیل اعداد و شمار پر اکتفا کرتے ہیں:۔

سال	غریب اور طبقہ متوسط کے کسانوں کی تعداد	اناج کی مجموعی پیداوار	فروخت شدہ اناج	باقی ماندہ اناج
۱۹۱۳ء	۱۴۰۰۰۰۰۰	۲۵۰۰۰۰۰۰۰۰ پوڈ	۳۶۹۰۰۰۰۰۰ پوڈ	۲۱۳۱۰۰۰۰۰ پوڈ
۱۹۲۶ء	۲۵۰۰۰۰۰۰	۴۰۵۲۰۰۰۰۰ پوڈ	۴۶۶۲۰۰۰۰ پوڈ	۳۵۸۶۰۰۰۰ پوڈ

غریب اور طبقہ متوسط کے کسانوں کے فروخت شدہ اناج میں وہ اناج بھی شامل ہے جو انہوں نے جاگیرداروں کو بطور لگان ادا کیا تقسیم کے سادہ اصول پر عمل کرنے کے بعد غریب اور طبقہ متوسط کے کسان گھرانوں کا حصہ یہ رہ جاتا ہے۔

۱۹۱۳ء	۱۵۲۲۰۰۰۰ پوڈ
۲۷-۱۹۲۶ء	۱۴۳۵۰۰۰۰ پوڈ

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب مشترکہ کھیت رواج پا گئے تو ان کا ممبر بننے والے کسان

گھرانوں کا اناج میں حصہ کیا تھا؟ ۱۹۳۹ء کے "سوشلسٹ ایگریکلچر" کے شمارہ ۱۲ کی رو سے ان کا حصہ حسب ذیل تھا:-

۱۹۳۲ء	۳۶۶۰۰۰۰۰ پوڈ
۱۹۳۷ء	۱۰۶۲۰۰۰۰ پوڈ
۱۹۳۸ء	۱۰۰۰۰۰۰۰ پوڈ

یہ اعداد و شمار اپنی کہانی آپ بیان کر رہے ہیں۔ دیگر ذرائع سے بھی روسی عوام کے "بڑھتے ہوئے افلاس" کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔ ۸ رمئی ۱۹۳۶ء کے پراودا میں مسٹر ڈیلن کا یہ بیان شائع ہوا ہے کہ "۱۹۳۵ء میں خاص خاص زرعی پیداوار کی اوسطاً ماہانہ کھپت حسب ذیل تھی:- روٹی اور غلہ ۸ء ۲۱ کیلوگرام۔ آلو ۹ء ۱۵ کیلوگرام۔ دودھ اور دودھ سے تیار ہونے والی چیزیں ۰۷ء ۴ کیلوگرام"۔ دوسری طرف لینن کے قول کے مطابق ۱۸۹۲ء کے زارشاہی کے روس میں کم سے کم تنخواہ والا کھیت مزدور بھی ساراٹوف کے صوبے میں ۳ء ۴۱۹ کیلوگرام سالانہ اناج استعمال کرتا تھا۔ گویا تقریباً ۳۶ کیلوگرام ماہانہ۔ یہ مقدار ۱۹۳۵ء کی مقدار کے مقابلے میں تقریباً دگنی ہے اور ۱۹۳۵ء کا زمانہ بولشویکی جنت کے عروج کا زمانہ تھا۔

۱۹۳۵ء میں اناج کی کھپت کا معیار صرف ۱۸۹۲ء کے معیار سے ہی کم نہیں تھا بلکہ اجتماعی کاشت اور ٹریکٹروں سے ایک سال پہلے کے زمانے یعنی ۱۹۲۷-۲۸ء کے مقابلے میں بھی کم تھا۔ "پلینڈ اکانومی" کے مطابق ۱۹۲۷-۲۸ء میں اناج کی فی کس اوسط کھپت ۸ء ۲۹۸ کیلوگرام تھی اور دودھ کی کھپت ۳۶ء ۱۱۱ کیلوگرام (اس میں دودھ سے تیار ہونے والی دوسری چیزیں شامل نہیں)۔ یہ دونوں اعداد و شمار ۱۹۳۵ء کے ان اعداد و شمار سے زیادہ ہیں، جنہیں مسٹر ڈیلن نے پیش کیا۔ ان اعداد و شمار کی رو سے اناج کی سالانہ کھپت ۴۴ء ۵۸ کیلوگرام بنتی ہے۔

یہ ایک عام تصویر ہے جس سے اوسط درجے کے کسان گھرانوں کی حالت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ اس عمومی تصویر سے بعض عناصر ایسے چن لئے جائیں جن کی حالت اوسط سطح سے بہتر ہو۔ اور پھر ان نسبتاً بہتر عناصر کو اس انداز میں پیش کیا جائے کہ اس سے بالکل غلط نتیجے اخذ کئے جاسکیں۔ یہ واقعہ ہے کہ منتخب عناصر کو خاص انداز میں پیش کرنے کا طریقہ برت کر ویب جوڑے اور موریس ڈوب جیسے مصنف سوویٹ روس کی انتہائی دل کش اور مبالغہ آمیز تصویریں پیش کرتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ویب جوڑے نے ۔۔۔۔۔۲۲ گھرانوں کی "خوشحالی" ثابت کرنے کے لئے ایک طویل اقتباس پیش کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ کوبان کے ایک مشترکہ کھیت کراسنی ٹامنٹر پر کام کرنے والوں کو "۱۹۳۶ء میں ایک دن کے کام کے عوض ۴½ کیلو گرام اناج اور ۶ روبل نقد ملتے تھے اور دوسری قسم کی زرعی پیداوار اس کے علاوہ تھی"۔ (۲)

یہ سچ ہے لیکن یہ اس قسم کی صداقت ہے جو اپنی مبالغہ آمیزی کی وجہ سے ان لوگوں کے لئے، جو سوویٹ روس کی صورت حال سے اچھی طرح واقف نہیں ایک بہت بڑے جھوٹ کا درجہ رکھتی ہے۔ ان اعداد و شمار کو پڑھنے والوں کا عام رجحان یہ ہوگا کہ وہ کھیت مزدوروں کی ماہانہ یا سالانہ آمدنی کی اوسط نکالنے کے لئے انہیں ۳۰ یا ۳۶۵ سے ضرب دے دیں لیکن یہ طریق بالکل گمراہ کن ہوگا۔ کیونکہ روسی کسانوں کو سال کے بہت کم حصے میں کام کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ درحقیقت کھیت مزدوروں کی سال بھر کی آمدنی ان اعداد و شمار کے تناسب سے بہت کم تھی۔ "سوشلسٹ ایکسٹرکشن آف ایگریکلچر" کے مطابق کوبان کے ۴۵ فیصدی مشترکہ کاشتکاروں نے ۱۹۳۶ء میں اپنے ایام محنت کے عوض فی کس ۲۴۴ کیلو گرام اناج ۸، ۷ کیلو گرام آلو اور سبزیاں تقسیم کیں۔ یاد رہے، کہ ۲۴۴ کیلو گرام اناج ایک ایسے سال میں ملا جب فصل بہت اچھی تھی اور جن کھیتوں کے مزدوروں کو یہ اناج ملا وہ روس کے زرخیز ترین علاقے میں واقع تھا۔ ۴½ کیلو گرام فی یوم

محنت کے حساب سے ۴۴۴ کیلو گرام سالانہ کا مطلب یہ ہوا کہ کھیت مزدوروں نے ۳۶۶ دنوں میں صرف ۵۴ دن کام کیا۔ گویا ایک ہفتے میں ایک دن۔ یہ سچ ہے کہ ایک کھیت مزدور کو ایک دن کی محنت کے عوض ۴ ½ کیلو گرام اناج مل جاتا تھا لیکن درحقیقت اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے ½ ۱ پونڈ یعنی ایک سیر سے بھی کم یومیہ اناج ملتا تھا۔

یہ بات کہ بولشویک حکومت میں کسانوں کی اقتصادی حالت بدتر ہو گئی ہے شک و شبہ سے بالا ہے۔ اور وہ تمام کسان جن کے دل میں پرانے زمانے کی یاد تازہ ہے اور کسی نہ کسی وجہ سے وہ اس قابل ہیں کہ اپنی داستان بیان کر سکیں، اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں۔ نکولائی کوول کی شہادت سنئے جو جنگ کے زمانے میں جرمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا تھا اور جس نے خاتمہ جنگ کے بعد روس واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ شہادت ایک ناخواندہ کسان کی ہے جسے "۱۳ مفرور" کے مصنفین نے تحریری جامہ پہنا دیا ہے۔

"اجتماعی کاشت سے قبل میں دو شیڈوں اور دو کمروں والے جھونپڑوں کا مالک تھا۔ بعد میں میرے پاس صرف ایک شیڈ اور ایک جھونپڑی رہ گئی باقی چیزیں مشترکہ جائیداد کے نام پر مجھ سے چھین لی گئیں۔

"انقلاب سے پہلے میرے پاس ۲۷ ایکڑ زمین تھی۔ کوئی میرے معاملوں میں مداخلت نہیں کرتا تھا اور میں اچھی زندگی بسر کرتا تھا مشترکہ زراعت کے بعد میری زمین، میری جائیداد، میرے گھوڑے اور آلات کاشت مجھ سے چھین لئے گئے۔ میں بمشکل اپنے آپ کو زندہ رکھ سکا۔ انقلاب سے پہلے میں تین چار ہزار پونڈ اناج مارکیٹ میں فروخت کرتا تھا اور سؤر اور بچھڑے بھی فروخت کیا کرتا تھا مشترکہ کاشت کے بعد ان چیزوں سے میں خود بھی محروم ہو گیا۔

"مشترکہ کھیت سے ہمیں جو اناج ملتا تھا وہ صرف ۶ ماہ کے لئے کافی ہوتا تھا۔ باقی ۶ ماہ ہم لوگ حکومت کے مسترد کردہ گھٹیا اناج، مختلف بیجوں اور گھاس پر گزارہ کرتے تھے اسے خوراک کا نام نہیں دیا جا سکتا لیکن پیٹ تو بھرنا ہی پڑتا ہے۔" (۳)

۲۷ ایکڑ زمین کے مالک ایک شخص کا یہ حال ایسا نہیں جسے غیر نمائندہ کہا جا سکے۔ ہمیں بھولنا نہیں چاہیے کہ خود لینن کے قول کے مطابق زار کے زمانے میں غریب ترین کسانوں کے پاس بھی اوسطاً ۱۸ ایکڑ زمین ہوتی تھی۔

آندرے ژید کا شمار یورپ کے عظیم ترین مصنفوں میں ہوتا ہے۔ کسی زمانے میں وہ روس کا بڑا مداح تھا لیکن اس عجوبۂ روزگار دھرتی کی زیارت کرنے کے بعد وہ اپنی رائے بدلنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ روسیوں کے افلاس کی مندرجہ ذیل لفظوں میں شہادت دیتا ہے: "مجھے ایک ماڈرن مشترکہ کھیت دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اس کا شمار سوویٹ یونین کے بہترین اور خوشحال ترین کھیتوں میں ہوتا تھا۔ میں نے متعدد کسانوں کے گھر دیکھے۔ کاش میں اس روح فرسا یکسانیت کا کوئی تصور پیش کر سکتا جس کا نقشہ ہر گھر پیش کرتا تھا۔ ان گھروں میں انفرادیت کا مکمل فقدان تھا۔ ہر گھر میں ایک ہی طرح کا بدنما فرنیچر تھا اور سٹالن کی ایک ہی تصویر۔ اس کے ماسوا وہاں کچھ نہ تھا" (۴)

سابق کمیونسٹ وکٹر سرج بھی اسی نتیجے پر پہنچا۔ وہ کہتا ہے کہ ماؤں نے اس سے کئی بار شکایت کی کہ ان کے بچوں کو وہ اچھا وقت دیکھنا کبھی نصیب نہیں ہوا جب مذہبی تہواروں پر پیسٹری اور کریم جیسی عمدہ چیزیں پیش کی جاتی تھیں۔

لیکن روس کے کسانوں کی حالت کا نقشہ موزک سے بہتر لفظوں میں پیش کرنا ممکن نہیں یہ الفاظ اس نے ایک ایسی میٹنگ میں کہے تھے جس میں موریس ہنڈس موجود تھا۔ یہ واقعہ انقلاب کے ابتدائی ایام سے تعلق رکھتا ہے لیکن روس کی موجودہ حالت پر بھی پوری طرح صادق آتا ہے موریس ہنڈس اس واقعہ کی روداد اس طرح پیش کرتا ہے: "یکایک کہیں سے جو جلسہ گاہ کا آخری کنارہ تھا ایک گہری آواز گونجی۔ جو بجلی کے کڑکے کی طرح چونکا دینے والی تھی "یہ الفاظ! الفاظ، صرف الفاظ!" یہ بوڑھا موزک بول رہا تھا۔ اس کے پاؤں ننگے تھے سر ننگا تھا اور قمیص سیلی ہوئی تھی۔ اس نے ہوا میں اڑتی ہوئی ڈاڑھی کے ساتھ اپنا ہاتھ بلند کیا۔ غالباً اس لئے کہ اس کی مداخلت کی وجہ سے جو احتجاج کی آوازیں بلند ہوں انہیں خاموش کر سکے۔ "یہ سب

غیر ملکی سیاح کے لئے ہے"۔ اس نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ "سب دکھاوا، میری طرف دیکھو اس نے اپنی چھاتی پر مکے مار کر کہا۔ "صداقت میں ہوں، اس بیمانہ دھرتی کی واحد گندی حقیقت میں ہوں"۔ ہر طرف سے اس پر ملامت کی بوچھار ہونے لگی۔ لیکن اس نے کوئی پروا نہیں کی۔ میری عمر ۶۵ سال ہے سوویٹوں نے مجھے زمین ضرور دی لیکن میں اس کا کیا کروں؟ کیا میں اس زمین کو کھا سکتا ہوں؟ کیا یہ میرا پیٹ بھر سکتی ہے؟ میرے پاس کوئی گھوڑا نہیں۔ اور گھوڑے کے بغیر میں زمین کا کیا کر سکتا ہوں؟" چیرمین نے بذاتِ خود اسے خاموش کرانے کی کوشش کی لیکن وہ پورے سکون سے بولتا گیا۔ "پرانے زمانے میں" اس نے اپنی آواز کو شور و غوغا سے بلند تر کرتے ہوئے کہا: "زار، جاگیردار اور لوٹ کھسوٹ کرنے والے سبھی ہوتے تھے۔ لیکن جب بھی میرا گھوڑا مرتا تھا میں دوسرا خرید سکتا تھا۔ میں بوٹ بھی خرید سکتا تھا اور اگر پیسہ ہو تو حسب ضرورت کپڑے بھی۔ لیکن اب زار نہیں، جاگیردار نہیں، لوٹ کھسوٹ کرنے والے نہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود نہ گھوڑا ہے، نہ بوٹ ہیں، نہ کپڑے ہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ اسے یاد رکھنا اجنبی"۔ (۵)

مصنف نے اس واقعے سے یہ نتیجہ ہرگز ہرگز اخذ نہیں کیا کہ کسانوں کی مشکلات میں اضافہ ہو گیا ہے بلکہ روس کے دوسرے مداحوں کی طرح اس نے بھی یہی ظاہر کیا ہے کہ کسانوں کو اپنی شکایتوں کا اظہار کرنے کی نئی آزادی مل گئی ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو بھی کوئی بات تھی۔ لیکن بدقسمتی سے اب یہ بھی درست نہیں۔ یہ کہانی پرانے زمانے سے تعلق رکھتی ہے اب ڈون میں کافی پانی بہہ چکا ہے۔ پرانے زمانے میں کسانوں کو اپنے دل کی بات کہنے کی تھوڑی بہت آزادی ضرور تھی لیکن مشترکہ کاشت کے بعد یہ آزادی بتدریج سلب ہوتی گئی حتیٰ کہ اب یہ حالت ہے کہ ایک کسان کو اپنے سائے سے بھی ڈر محسوس ہوتا ہے۔

کسانوں کو صرف زرعی اور صنعتی مال کی شدید قلت کا سامنا ہی نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات اسے ایسی چیزیں بھی لینا پڑ جاتی ہیں جن کا کوئی مصرف نہیں ہوتا۔ اس سے حاصل شدہ مال کی افادیت میں اور بھی کمی ہو جاتی ہے۔ چیزوں کی تیاری اور ان کی تقسیم منطق سے

بالکل مادرا ہے۔ عوام کو وہ کچھ نہیں ملتا جس کی انہیں واقعی ضرورت ہو بلکہ وہی کچھ حاصل کرنا پڑتا ہے جسے سٹیٹ پانچسالہ سکیم کی تکمیل کے سلسلے میں تیار کرنے کا فیصلہ کرے۔ جہاں پیداوار اور تقسیم دونوں ہی ایک مرکزی نظام کے ماتحت ہوں وہاں اس قسم کی باتیں رونما ہونا ناگزیر ہے۔ اس قسم کے نظام میں مقامی ضرورتوں اور پسند اور ناپسند کا لحاظ رکھنا ممکن نہیں یا لوگوں کو اپنی ضرورت اور پسند کو ایک بڑی سکیم کے مطابق بنانا پڑتا ہے جو پہلے سے ہی تیار کر لی جاتی ہے۔ اس سکیم کی مختلف کڑیوں کو کنٹرول کرنا ممکن نہیں ہوتا اور یہ لچک سے بھی محروم ہوتی ہے اس میں وہ تمام حماقتیں ناگزیر ہیں جو کسی بڑی سکیم کے ماتحت پیداوار کا لازمی حصہ ہیں۔ اس قسم کی سکیم کا اپنے بے شمار مرحلوں میں سے کسی ایک مرحلے پر ناکام ہو جانا یقینی ہے۔

بہت سے آزاد مصنفوں نے روسی نظام پیداوار و تقسیم کی بوالعجبیوں کو نمایاں کیا ہے انہوں نے براہ راست تجربے سے یہ معلوم کیا ہے کہ جہاں حکومت روس کے پاس ایسی چیزوں کی فراوانی ہے جو پیداوار کے کام آئیں وہاں روسی عوام کو روزمرہ کے استعمال کی شدید ترین قلت کا سامنا ہو رہا ہے۔ روس میں ٹریکٹروں، آلات، مشینوں اور مشینوں کے اوزاروں کی فراوانی ہے لیکن زرعی پیداوار میں اس اضافے کا کہیں پتہ نہیں چلتا جو ان سب چیزوں کا جواز پیش کر سکے۔ روس میں لوہا پیدا کرنے کے لئے کوئلہ موجود ہے اور کانوں سے کوئلہ نکالنے کے لئے لوہا لیکن عوام کو نہ ایندھن ملتا ہے نہ کیلیں۔ قصہ مختصر یہ کہ ملک ایک ایسے نظام کے چکر میں گرفتار ہے جو پیداشدہ اشیاء کو خود ہی ہڑپ کر جاتا ہے۔

یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اور ہمیں روس کے سارے نظام پیداوار پر بحث کرنے کے لئے مجبور کرتا ہے جس کے لئے ہم اس مرحلے پر آمادہ نہیں۔ یہاں ہم صرف اس نظام کی چند خامیوں کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کریں گے۔ مثلاً یہ کہ یہ نظام اشیائے ضرورت اور آلات پیداوار میں عدم توازن پیدا کر دیتا ہے۔ مختلف اشیائے ضرورت کے باہمی توازن کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ ان کی پیداوار اور تقسیم دونوں میں ہی بے ربطی پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے اور وقت اور

جگہ دونوں کی موزونی کا کوئی لحاظ نہیں کرتا۔ اس نظام کی بدولت جو چیزیں پیدا ہوتی ہیں ان کی ضرورت نہیں ہوتی اور جن کی ضرورت ہوتی ہے وہ پیدا نہیں ہوتیں۔ جب ضرورت کی چیزیں پیدا بھی کی جاتی ہیں تو یہ بات نظر انداز ہو جاتی ہے کہ زیادہ ضرورت کس چیز کی ہے اس نظام میں یہ ممکن ہے کہ لوگوں کو ریڈیو تو مل جائیں لیکن وہ کپڑے سے محروم رہیں! اسی طرح تیار شدہ چیزیں غلط جگہوں پر، غلط موسم میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ اور آبادی کے ایسے حصوں میں بانٹ دی جاتی ہیں جنہیں ان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ روس میں کچھ تو اشیائے ضروریہ کی بنیادی طور پر کمی ہے ہی لیکن عدم توازن اور بے ہنگم نظام نے اس کمی کو شدید تر بنا دیا ہے۔

افلاس کے مجموعی نقشے میں مندرجہ ذیل قسم کے واقعات مزید رنگ آمیزی کر دیتے ہیں (۱) خاندانوں کی آمدنی میں سال بہ سال نمایاں فرق پڑتا رہتا ہے اور اس کے اسباب ایسے ہوتے ہیں جن پر ان خاندانوں کا کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ (ب) تمام دیہات میں بیکاری کا دور دورہ ہے۔ (ج) آمدنیاں غیر مساوی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگوں کو اوسط سطح سے کم معیار پر زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ تاکہ کچھ لوگ عیش و آرام کی زندگی بسر کر سکیں۔

چند سال ہوئے روس سے دلچسپی رکھنے والے ۳۵ ماہرین اور فاضلان اقتصادیات کو ہنری والس نے مدعو کیا کہ وہ اسے روس کے معیار زندگی کے متعلق مشورہ دیں ان سب نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ دیا کہ ۱۹۲۸ء کو چھوڑ کر روس کا معیار زندگی ۱۹۱۳ء کے مقابلے میں متواتر پست رہا ہے ۳۷-۱۹۳۶ء کے مختصر سے دور میں صورت حال نسبتاً قابل برداشت ہو گئی تھی لیکن یہ معیار ۱۹۲۸ء یا اجتماعی کاشت سے پہلے کی سطح کو کبھی نہیں چھو سکا جنگ کے زمانے میں زندگی کا معیار ۵۰ فیصدی نیچے گر گیا۔ ووزنسکی کے مطابق "۱۹۴۲ء میں اناج کی کھپت ۱۹۴۰ء کی مقدار کا ۵۰ فیصدی حصہ تھی" (۶)

ناؤم جاسنی نے "روس کی سوشلسٹ زراعت" کے عنوان سے ایک عالمانہ کتاب لکھی ہے

جو ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں بھی مصنف اسی نتیجہ پر پہنچا ہے۔ اس نے دکھایا ہے کہ کس طرح ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء تک سٹیٹ کے حصے میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور اسی تناسب سے کسانوں کے حصے میں کمی ہوتی گئی۔ اس رحجان میں مزید اضافہ ہوا۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی جن کی آمدنیاں عام کسانوں کے مقابلے میں کئی گنا ہیں۔ اس مراعات یافتہ گروپ کی تعداد ان کلکوں سے کئی گنا زیادہ تھی، جسے اس نے نیست و نابود کیا۔ جاسنی کے مطابق مشترکہ زراعت سے پہلے غریب کسانوں کی آمدنی اوسط سے ۳ فیصدی کم ہوتی تھی۔ لیکن ۱۹۳۸ء میں غریب کسانوں کی آمدنی اوسط آمدنی سے ۱۵ فیصدی کم تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء تک غریب کسانوں کی فی کس آمدنی میں تقریباً ۱۲ فیصدی کی کمی ہوئی۔" (۷)

سوویٹ مبالغوں کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ ۱۹۵۰ء کی فصل جنگ سے پہلے کی فصل سے کچھ ہی زیادہ تھی اور یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ۱۹۵۰ء میں کھانیوالوں کی تعداد میں ایک کروڑ ۲۰ لاکھ کا اضافہ ہوگیا۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت اناج کی پیداوار اور کھپت کی سطح جنگ سے پہلے کی سطح سے زیادہ نہیں۔ جہاں تک دودھ، گوشت اور چربی کا سوال ہے یہ سطح جنگ سے پہلے کی سطح سے یقینی طور پر کم تھی۔ یعنی ۱۰ یا ۲۰ فیصدی کم۔ کھپت میں کمی اشیاء ضروریہ پر پیچیدہ قسم کے ٹیکس لگا کر کی جاتی ہے یہ ٹیکس ۵۰ فیصدی سے ۸۰ فیصدی تک ہوتے ہیں۔ خوردہ فروشی کی جو قیمتیں مقرر ہوتی ہیں۔ اوسطاً ان کا ۶۰ فیصدی حصہ ٹیکسوں کی صورت میں چلا جاتا ہے۔ ٹیکسوں کی زیادتی کا اندازہ کسانوں کو ملنے والی گندم کی قیمت اور روٹی اور آٹے کی بازاری قیمت کے فرق سے لگایا جا سکتا ہے۔ گندم کی قیمت ۱۰ء روبل پونڈ ہے اور روٹی اور آٹے کی قیمت بالترتیب پانچ اور ایک روبل پونڈ۔ گویا یہ قیمتیں گندم سے ۱۰ سے پچاس گنا تک ہیں۔

آمدنیوں کا غیر معمولی زیر و بم

سوشلسٹ عقیدہ رکھنے والے بیشتر لوگوں کے نزدیک سوشلزم ایک ایسا نظام پیداوار ہے جو آمدنی کے تحفظ اور اس کے استحکام کا باعث ہے۔ صرف یہی کافی نہیں کہ آمدنی کافی اور یقینی ہو بلکہ اس کا مستقل ہونا بھی ضروری ہے۔ تاکہ لوگ اپنے خرچ اور ضرورتوں میں ربط پیدا کر سکیں۔ آمدنیوں میں آج کل جس حد تک رد و بدل ہوتا ہے انسان کا ذہن اسے پسند نہیں کرتا۔ اور چاہتا ہے کہ یہ اتار چڑھاؤ ختم ہو جائے۔ کم از کم جس حد تک یہ اتار چڑھاؤ کسی خاص نظام پیداوار کی خامی کا نتیجہ ہے اور کسی بلائے آسمانی کا نتیجہ ہونے کے سبب انسان کے کنٹرول سے باہر نہیں اس کا علاج ضرور ہو جانا چاہیئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ "سوشلسٹ" روس میں سوشلزم سے اس قسم کی کوئی مراد نہیں لی جاتی۔ وہاں سوشلزم سے مراد نہ آمدنی کا تسلسل ہے نہ اس کا تحفظ اور نہ اس میں کسی قسم کا کوئی اضافہ۔ کم از کم ذاتی آمدنیوں پر تو اس قسم کا کوئی اصول ہرگز لاگو نہیں ہوتا۔ وہاں سوشلزم سے مراد صرف بڑی بڑی مشینوں کی مدد سے غیر معمولی صنعتی ترقی اور اس مقصد کے لئے لوگوں کو بڑی بڑی فیکٹریوں یا فارموں میں جمع کر دینا ہے۔ ان باتوں کا ان بلند انسانی مقاصد یا آدرشوں سے کوئی تعلق نہیں، جو سوشلزم کے محرک اول تھے۔

جب سوویٹ رہنما آمدنی کی پائیداری اور اس کے تسلسل کا ذکر کرتے ہیں، تو اس سے مراد انفرادی آمدنی کا استحکام یا تسلسل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی مراد سرکاری بجٹ کی مضبوط پوزیشن ہوتی ہے۔ ان کا مدعا صرف یہ ہوتا ہے کہ کسانوں سے بہت ارزاں اور برائے نام قیمتوں پر اناج، دودھ اور کپاس کی فراہمی مستقل اور مسلسل طور پر جاری رہے۔ زرعی پیداوار میں کسانوں کے حصے میں بڑی سے بڑی کمی ممکن ہے۔ اس کا تعلق اس بات سے ہے کہ حکومت کتنے ٹیکس عائد کرتی ہے اور اس کے مقامی ایجنٹ مختلف فنڈوں کے لئے کتنی

کتنی مقدار مقرر کرتے ہیں۔ یہ فنڈ نصف درجن سے کم نہیں ہوتے۔ مثلاً چارہ فنڈ، بیج فنڈ، آرٹ کی ریاستی ملوں کا فنڈ، ٹریکٹر فنڈ، تعلیمی فنڈ اور بچوں کا فنڈ وغیرہ وغیرہ۔ یولنگا کے علاقے کے ایک مشترکہ کھیت کے متعلق "ماسکو ڈیلی نیوز" نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو شیخی بگھارتے ہوئے لکھا تھا کہ کھیت کے ممبروں نے فرداً فرداً جو رقمیں وصول کیں وہ "اس روپے اور اناج سے ۳ یا ۶ گنا تھیں جو اُن ممبروں نے گذشتہ سال اپنے ایام محنت کے معاوضے کے طور پر وصول کیا"۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دو سال میں کسانوں کی انفرادی آمدنیوں میں ایک اور ۶ کی نسبت سے تغیر و تبدل ہوا۔ ماسکو ڈیلی نیوز نے ۱۹۳۱ء اور ۱۹۳۲ء کا ذکر کیا ہے۔ ان دو سالوں میں اناج کی مجموعی پیداوار ۶۹۵۰۰۰۰۰ کوئنٹل اور ۶۹۸۷۰۰۰۰ کوئنٹل تھی۔ لہٰذا کسانوں کی انفرادی آمدنی کے تغیر و تبدل پر مجموعی پیداوار کے تغیر و تبدل کا اثر نہیں پڑا بلکہ اس فرق کی ذمہ داری حکومت کے خودسرانہ ٹیکسوں پر ہے۔

یوم محنت

سوویٹ حکومت نے زراعت میں یوم محنت کا رواج جاری کیا ہے۔ یوم محنت کا مطلب کسانوں کو کسی معین اجرت کی ادائیگی نہیں بلکہ اس سے مراد اناج کی وہ غیر معین مقدار ہے جو حکومت کے معین ٹیکس اور پہلے سے مقرر شدہ دیگر اخراجات ادا کرنے کے بعد مشترکہ کھیت کے پاس بچ جائے۔ جہاں تک حکومت کے ٹیکسوں اور سرکاری کارندوں کو ملنے والی دیگر رقوم کا تعلق ہے ان میں بارش یا آندھی کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر کسی چیز میں فرق پڑ سکتا ہے تو وہ کسانوں کا حق الخدمت ہے۔ اس سسٹم کی بدولت جیسا کہ بائلی نے اشارہ کیا ہے، حکومت نے زمین کا واحد مالک ہونے کے باوجود فصل اُگانے کی مکمل ذمہ داری اور اس سلسلے میں پیش آنے والے تمام خطرات کا بوجھ غریب کسانوں کے کاندھوں پر ڈال دیا ہے اور کسان اس کے لئے بھی مجبور ہیں کہ وہ بڑے بڑے سوشلزمی منصوبوں کی تکمیل کے لئے بھی

وسائل مہیا کریں۔ طرفہ کمال یہ کہ حکومت پر کاشتکاروں کو کوئی معاوضہ دینے کی ذمہ داری بھی عائد نہیں ہوتی۔

اس یوم محنت پر عمل درآمد کس طرح ہوتا ہے اس کا نقشہ جون سٹروہم نے اپنی کتاب "چشم دید روس" میں پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر مرغیاں پالنے والی اور سوٗر پالنے والی عورتوں کو معاوضہ اس شرح کے مطابق ملتا تھا۔" ایک بہت بڑے مرغی گھر سے ایک عورت انڈوں کی ٹوکری لے کر باہر نکلی، حکومت ایک مرغی سے ایک سال میں کتنے انڈوں کی امید رکھتی ہے؟ میں نے مسکرا کر دریافت کیا۔ ۹۰ پچاسی، ٹینی نے فوراً جواب دیا۔ ٹینی کو موسم سرما میں ۲۱ یوم محنت اور موسم گرما میں ۳۰ یوم محنت مقررہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس کے علاوہ مرغیوں کے ہر ایک سو انڈوں کے عوض اسے ۶، یوم محنت معاوضہ ملتا ہے۔ اس کے معاہدے میں ایک بونس کی مد بھی شامل ہے۔ ۸۵ کے بعد کوئی مرغی جتنے بھی انڈے دے ان پر ٹینی کو ۱۵ فیصدی بونس ملتا ہے۔

" انا کا کام مشترکہ کھیت پر سوٗروں کی نگرانی کرنا تھا۔ اسے اس کام کے عوض ۳ یوم محنت ماہوار کے حساب سے مقررہ تنخواہ ملتی ہے۔ اس کے علاوہ جب سوٗر سال میں دوبار بچے دیتے ہیں تو وہ ہر مرتبہ ۵ یوم محنت کی حقدار بن جاتی ہے۔ سوٗر کا جو بچہ ایک ماہ سے زائد زندہ رہے اس کے عوض اسے ½۲ یوم محنت ملتے ہیں اور جو بچہ ۲ ماہ سے زائد زندہ رہے اس کے عوض ½۴ یوم محنت۔ سوٗروں کے وزن میں ۲۲ پونڈ کے ہر اضافے کے عوض اسے ½ ایوم محنت ملتا ہے۔" (۸)

دیہات میں بیکاری

محنت بچانے والی مشینوں کے استعمال کی وجہ سے روس کے دیہات میں بیکاری بڑھتی رہی ہے۔ ایام محنت میں اضافے سے بیکاری کو چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن اس کی حقیقت شک و شبہ سے بالا ہے۔ دیہات میں زائد آبادی یا روزگار کی کمی کا اندازہ زمین

کے رقبے اور کسان گھرانوں کی تعداد کی مناسبت سے کیا جا سکتا ہے۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں مشترکہ کھیتوں کے ممبر گھرانوں کی تعداد ۱۹۳۰۰۰۰۰ تھی اور رقبۂ کاشت ۱۱۳۹۰۰۰۰۰ ہیکٹر تھا۔ گویا فی گھرانہ ۶ ہیکٹر۔ اجتماعی کاشت کے بعد کے زمانے میں مشترکہ کھیتوں میں فی کس ۲۵۹۵ ہیکٹر (۱/۲ ۷ ہیکٹر) بوئی ہوئی زمین ہوتی تھی اور سرکاری کھیتوں میں ۶۲۰۹ ہیکٹر یا ۱۵۲۲ ایکڑ زمین فی کس۔ این ووزنیز نسکی کے بیان کے مطابق سنہ ۱۹۴۰ء میں مشترکہ فارم کے ممبر گھرانوں کے پاس فی گھرانہ ۶۲۳ ہیکٹر زمین تھی اور سنہ ۱۹۴۲ء میں فی گھرانہ ۷ ہیکٹر۔ فی کاشتکار یہ زمین ان سالوں میں بالترتیب ۳۲۳ ہیکٹر اور ۳۲۴ ہیکٹر تھی۔ ظاہر ہے کہ اس تناسب سے زمین کی کاشت اقتصادی طور پر کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتی۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں بھی جب روسی کسان ٹریکٹروں کی سعادت سے محروم تھے، خود لینن کے قول کے مطابق غریب سے غریب کسان کے پاس ۷ ہیکٹر زمین ہوتی تھی۔ اور طبقۂ متوسط کے کسان خاندانوں کے پاس تو فی خاندان ۱۵ ہیکٹر زمین ہوتی تھی۔ ٹریکٹروں اور مشینوں کے استعمال کا مطلب یہ ہونا چاہیئے تھا کہ کسان زیادہ زمین پر کاشت کر سکیں جیسا کہ امریکہ میں جہاں ۱۴ سال سے زائد عمر کے ہر کسان کے پاس ۱۴۰ ایکڑ زمین ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ روس میں کسانوں کو ٹریکٹروں اور مشینوں سے صرف اتنا فائدہ پہنچا ہے کہ ان کو خریدنے اور چالو رکھنے کا بوجھ ان کے کاندھوں پر پڑ گیا ہے۔

اس چھپی ہوئی بیکاری کی مصیبت میں اس بات سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ روس میں ایسی دستکاریاں مفقود ہیں جن میں مصروف ہو کر کسان اپنی زرعی آمدنی میں اضافہ کر سکیں۔ ان دستکاریوں کو بہت دیر پہلے شہر کی بڑی بڑی صنعتوں کے لئے گنجائش پیدا کرنے کی غرض سے ختم کر دیا گیا تھا۔ باسلی مشترکہ کھیتوں کی اصل پوزیشن کو ان لفظوں میں بیان کرتا ہے: "مشترکہ کھیتوں کو صرف ظاہری طور پر ہی وسیع پیمانے پر کاشت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان کا اندرونی ڈھانچہ مختصر کاشت کی تمام خامیوں کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ مثلاً زمین

کی کمی، مزدوروں کی فراوانی، پیداوار کی مدھم رفتار اور نتیجے کے طور پر مشترکہ کھیتوں کے ممبر کسانوں کی مادّی بدحالی، مشینی کاشت کا ارتقا روسی دیہات کی زائد آبادی کے مسئلے کو سال بہ سال پیچیدہ تر ہی بناتا جائے گا۔" (۹)

عدم مساوات

افلاس کی سختی میں اس امر سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ روس میں ایک اقلیت عیش اور سرا ہی کی زندگی بسر کرتی ہے۔ الیگزینڈر ورتھ نے جنگ کے زمانے میں یہ اطلاع دی تھی کہ خاستان کے ایک مشترکہ کھیت کے چیرمین نے جنگ میں ۱۰ لاکھ ۳۸ ہزار روبل قرضہ دیا۔ اس مشترکہ کھیت کا نام کارل مارکس کے نام پر ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اوپر کے لوگوں کو اتنی بڑی بڑی تنخواہیں ملیں گی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ عام لوگوں کی آمدنی اوسط سطح سے بہت نیچی گر جائے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ زیادہ سے زیادہ تنخواہ کس حد تک گر سکتی ہے۔ کیونکہ "سوشلسٹ" روس میں کم سے کم تنخواہ کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی۔ سوشلسٹ تمام دنیا میں مطالبہ کرتے ہیں اور متعدد ملکوں میں یہ مطالبہ مان بھی لیا گیا ہے کہ تنخواہ کی کوئی ایسی حد ضرور مقرر ہونی چاہیئے، جو ایک شریفانہ زندگی کے لئے کافی ہو اور کسی کارخانہ دار کو یہ حق نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ کسی کو اس سے کم تنخواہ پر ملازم رکھ سکے۔" سوشلزم کی دھرتی میں اس اصول کا کوئی احترام نہیں کیا گیا۔ وہاں تنخواہ پست سے پست تر سطح تک گر سکتی ہے اور بلند سے بلند تر سطح تک اوپر جا سکتی ہے۔

عدم مساوات کئی قسم کی ہوتی ہے (۱) شہروں اور دیہات کے درمیان عدم مساوات (۲) مختلف مشترکہ کھیتوں کے درمیان عدم مساوات اور (۳) ایک ہی مشترکہ کھیت کے مختلف گھرانوں کے درمیان عدم مساوات۔

اس عدم مساوات کا ذاتی کوشش یا اہلیت کے فرق سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ

حکومت اسے مصنوعی طور پر قائم کرتی ہے اور مصنوعی طور پر ہی برقرار رکھتی ہے۔ ایسا کرنا حکومت کے لئے آسان اس لئے ہے کہ قیمتوں اور تنخواہوں کے تقرر کا اسے مکمل اختیار حاصل ہے۔ ٹراٹسکی اس نتیجے کی تصدیق کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے "آمدنیوں کے درجے صرف جزوی طور پر ہی مہارت اور محنت پر منحصر ہوتے ہیں۔ کسانوں کا تقرر خواہ وہ اجتماعی ہو خواہ انفرادی، ضروری طور پر ایسے حالات میں ہوتا ہے جو انتہائی طور پر غیر مساوی ہوتے ہیں۔ حالات کے غیر مساوی ہونے کا انحصار موسم، زمین، فصل کی نوعیت اور فصلوں اور صنعتی مراکز کے باہمی رابطے پر ہوتا ہے۔ شہر اور دیہات کا فرق پانچسالہ پلان کے دوران صرف یہی نہیں کہ کم نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس شہروں اور نئے صنعتی خطوں کی اندھادھند ترقی سے اس میں مزید اضافہ ہوگیا۔ سوویٹ سماج کا یہ بنیادی سوشل تضاد ناگزیر طور پر مختلف مشترکہ کھیتوں کے درمیان اور خود ایک مشترکہ کھیت کے اندر بھی تضاد پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ لگان کی شرح کا فرق ہے۔

یہ بیوروکریسی کا لامحدود اقتدار بھی سماجی درجے پیدا کرنے کا کوئی کم مؤثر ذریعہ نہیں۔ اس کے ہاتھوں میں تنخواہوں، قیمتوں، ٹیکسوں اور کریڈٹ اور بجٹ کی تمام کنجیاں ہوتی ہیں۔ وسط ایشیا کے کپاس کے مشترکہ کھیتوں میں سے بیشتر کو جو فوق العادت آمدنی ملتی ہے اس کا بیشتر انحصار ان مشترکہ کھیتوں کے ممبروں کی محنت پر نہیں، بلکہ حکومت کی مقرر کردہ قیمتوں پر ہے۔ آبادی کے ایک عنصر کے ہاتھوں دوسرے عنصر کی لوٹ کھسوٹ ختم نہیں ہوئی، بلکہ اس نے بھیس بدل لیا ہے۔" خوشحال "مشترکہ کھیتوں کی خوشحالی کا انحصار باقی مشترکہ کھیتوں اور صنعتی مزدوروں کی غیر آسودگی پر ہے ...

" مختلف مشترکہ کھیتوں کے درمیان آمدنی کا جو فرق ہے وہ زیادہ گہرے نتائج پیدا کر رہا ہے۔ کیونکہ ان مشترکہ کھیتوں کو یہ موقعہ مل جاتا ہے کہ وہ مزید کھادوں اور مزید مشینوں کا مطالبہ کریں۔ اور اس طرح زیادہ تیزی کے ساتھ خوشحال تر بن جائیں

کامیاب مشترکہ کھیت اکثر اوقات غریب تر کسانوں کو بہ طور مزدور ملازم رکھ لیتے ہیں اور حکام اس بات سے آنکھیں موند لیتے ہیں۔ مشترکہ کھیتوں کو غیر مساوی قدر و قیمت کی زمین الاٹ کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے باہمی امتیاز میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے کے طور پر بورژوائی مشترکہ کھیت عالم وجود میں آتے ہیں جنہیں اب "لکھ پتی مشترکہ کھیتوں" کا نام دیا جا رہا ہے۔" (۱۰)

صرف سٹالن کی پالیسیوں پر نکتہ چینی کرنے والا ٹراٹسکی ہی نہیں بلکہ ان پالیسیوں کا مداح ویب جوڑا بھی ان امتیازوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مشترکہ کھیتوں پر بحث کرتے ہوئے یہ جوڑا رقمطراز ہے: "اب اس چیز کے عالم وجود میں آنے کا ذکر ہے جسے عام طور پر "لکھ پتی" مشترکہ کھیت کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایسے مشترکہ کھیت ہیں جن کے ممبروں کی مجموعی آمدنی (ایک مشترکہ کھیت کے ممبر ایک درجن خاندانوں سے ایک ہزار تک ہو سکتے ہیں) ۳۷-۱۹۳۶ء میں نقدی اور جنس ملا کر ۱۰ لاکھ روبل سے تجاوز کر گئی۔ کہا جاتا ہے کہ روس میں اس قسم کے کئی ہزار مشترکہ کھیت ہیں۔ ان میں سے بعض بڑے بڑے کھیتوں کی آمدنی پچاس ہزار روبل تک پہنچ جاتی ہے۔" (۱۱)

مختلف مشترکہ کھیتوں کی عدم مساوات میں اس عدم مساوات سے مزید اضافہ ہو جاتا ہے، جو ایک ہی مشترکہ کھیت کے مختلف گھرانوں میں ہوتی ہے جس طرح پہلی قسم کی عدم مساوات کو مختلف قیمتوں اور قرضے اور مشینیں دینے کے معاملے میں امتیازی سلوک سے مصنوعی طور پر برقرار رکھا جاتا ہے، اسی طرح دوسری قسم کی عدم مساوات بھی مختلف تنخواہوں اور امتیازی سلوک کا نتیجہ ہوتی ہے۔ یہ عدم مساوات یوم محنت کے ادارے کے طفیل برقرار رکھی جاتی ہے۔ یوم محنت کا مطلب ہر کسی کے لئے یوم محنت نہیں۔ اس کے برعکس یہ ہارس پاور کی طرح صرف ایک تصور ہے جس کا حقیقی مترادف مادی دنیا میں موجود نہیں۔ یہ صرف ایک پیمانہ ہے لیکن ہارس پاور کی طرح یہ کوئی

ایسا پیمانہ نہیں جس میں یکسانیت ہے۔ یہ پیمانہ گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے اور اس کے گھٹنے بڑھنے کا انحصار اس بات پر ہے کہ ناپنا کس چیز کو ہے۔ مثال کے طور پر گھٹیا قسم کے کاموں میں ایک کسان کی دن بھر کی محنت نصف یوم محنت شمار کی جا سکتی ہے اور اگر یہ کسان اس کام کی نوعیت کے اعتبار سے ایک خاص معیار پر پہنچنے میں ناکام رہے تو اسکے یوم محنت میں مزید کمی کی جا سکتی ہے لیکن ایک میکینک یا ایک ڈرائیور کی دن بھر کی محنت کا اندازہ ۲½ یوم محنت سے لگایا جاتا ہے۔ اور اگر یہ کام زیادہ اونچے ٹائپ کا ہو تو ایام محنت میں مزید اضافہ بھی ممکن ہے۔ اس طرح مختلف لوگوں کی محنت کے معاوضے میں ایک سے ۵ یا ایک سے ۶ تک کا فرق پیدا ہو جاتا ہے اور اس امتیاز کا قانونی اور آئینی جواز موجود ہے۔ ایک مینیجر کے کام کا معاوضہ اس سے بھی زیادہ ہو سکتا ہے حالانکہ چیرمین اور سکریٹری کی طرح اسے بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ ٹرانسپورٹ، مکان اور مشترکہ جائداد سے مفت بہرہ اندوز ہو سکتا ہے۔

شروع شروع میں امتیازات کی بنیاد اس بات پر تھی کہ زمین کی تقسیم کے معاملے میں امتیاز برتا جاتا تھا۔ اب یہ اس لئے قائم ہے کہ کام کا معاوضہ مختلف ملتا ہے۔ پہلے یوں ہوتا تھا کہ ایک آبادی میں زمین کو غیر مساوی طور پر بانٹ دیا جاتا تھا اور اس غیر مساوی تقسیم کی بنا پر ہم مختلف قسم کے لوگوں کو جاگیردار، کلک، متوسط کسان یا غریب کسان کا نام دیتے تھے۔ اس وقت ہم یہ دلیل دیا کرتے تھے کہ عدم مساوات کی وجہ یہ ہے کہ جاگیرداروں، کلکوں اور غریب کسانوں کے درمیان مساوات ممکن نہیں۔ اب ہم نے یہ تمام درجے ختم کر دیئے ہیں اور اس قسم کی دلیل بے معنی نظر آتی ہے۔ اس کی بجائے ہم نے عوام کو کام کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف درجوں میں بانٹ دیا ہے اور کسی بھی جواز کے بغیر ان کی الگ الگ اور غیر مساوی قیمتیں مقرر کر دی ہیں۔ اس کے بعد ہم یہ دلیل دیتے ہیں کہ ان لوگوں کو مختلف معاوضہ ملنا اس لئے ضروری ہے کہ ان میں کوئی مینیجر ہے کوئی مکینک، کوئی افسر

کوئی عام کسان : پہلی عدم مساوات کی بنیاد ایک رواج پر تھی اور دوسری کی بنیاد حکومت کی مطلق العنانی پر :-

اس قانونی عدم مساوات نے جس کا فیصلہ پہلے دفتری انداز میں کیا جاتا ہے، اور پھر عوامی جلسوں میں اس کی تائید کرالی جاتی ہے خاندانوں کی انفرادی آمدنی میں بہت بڑا فرق پیدا کر دیا۔ ٹراٹسکی کے لفظوں میں "بعض مشترکہ کھیتوں کی آمدنی فی گھرانہ ۳۰ ہزار روبل تک ہوتی ہے۔ بالعموم مشترکہ کھیتوں کے ان بڑے بڑے کاشتکاروں کی آمدنی اوسط درجے کے مزدور یا کم درجے کے کاشتکار کی آمدنی کے مقابلے میں ۱۰ گنا سے ۱۵ گنا تک ہوتی ہے۔" (۱۲)

ویب جوڑے کو بھی اس قسم کی عدم مساوات کا اعتراف ہے۔ وہ کہتے ہیں: "ایسا بارہا ہوتا ہے کہ کچھ خاندانوں کی آمدنی ۳۰ ہزار، ۴۰ ہزار حتیٰ کہ ۶۰ ہزار روبل تک ہو۔" اس اعتراف کی بنا پر وہ یہ نتیجہ اخذ نہیں کرتے کہ روس میں عدم مساوات موجود ہے، اس قسم کا نتیجہ اخذ کرنا چھوٹے آدمیوں کا کام ہے ان کی شان کے یہ شایاں نہیں۔ جب وہ اپنے ملک میں افلاس اور خوشحالی کا یہ تضاد دیکھتے ہیں تو اسے سرمایہ داری، لوٹ کھسوٹ اور فدر رزائد کا نام دیتے ہیں لیکن جب یہ چیز انہیں اپنی آرزوؤں کی سرزمین میں نظر آتی ہے تو وہ اسے "وسیع تر خوشحالی" تصور کر لیتے ہیں (۱۳)

ایک کمیونسٹ سماج میں جس کا مقولہ یہ ہے کہ تمام سؤر برابر ہیں۔ اتنی بڑی عدم مساوات کیوں ہے۔ جیسا کہ آرویل نے "چوپایوں کے دلیش" میں کہا ہے۔ یہ مقولہ حصول سوشلزم کے دوران تبدیل ہو گیا ہے اور اس کی موجودہ شکل یہ ہے: "تمام سؤر مساوی ہیں لیکن بعض سور دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مساوی ہیں۔"

تیسرا حصّہ

سوویٹ نظریئے اور پریکٹس کی ناگزیریت

ساتواں باب

بین الاقوامی کمیونزم کے لئے روسی مثال کی پیروی لازمی ہے

ہم نے کسانوں کو برباد کرنے کے متعلق کمیونسٹ تھیوری کا خاکہ پیش کر دیا ہے۔ اس تھیوری کی بنیاد لینن اور سٹالن کی بصیرت، تجربے اور عمل پر ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر جو ایک بڑے نظریاتی نظام کا حصہ ہے، بڑی کوشش اور وضاحت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ تاکہ ان کے پیرو چاہے وہ کہیں بھی ہوں، ان سے ہدایت حاصل کر سکیں۔ دنیا کی تمام کمیونسٹ پارٹیوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان ہدایات پر عمل کریں اور سبھی کمیونسٹ پارٹیاں خالص غلامانہ انداز میں پیروی کا حق ادا کرتی ہیں۔ سوشلزم کی طرف لے جانے والا کوئی مخصوص راستہ یا آزادانہ پگڈنڈی موجود نہیں۔ جو لوگ اس معاملے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائیں انہیں اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کو تنبیہہ کرتے ہوئے مسٹر این، پی فارودی روف نے ایک سوویٹ جرنل میں لکھا تھا۔" اس تصور نے کہ عوامی جمہوریت کے لئے سوشلزم کی طرف قدم بڑھانے کے لئے ایک آزاد راستہ موجود ہے، جس کی خصوصیتیں اسے اصولی طور پر اس راستے سے ممتاز کرتی ہیں جن پر سوویت روس چلا تھا، پولینڈ کے گومل کا، اور رومانیہ کے پیٹراسکانو کو ایک ایسی راہ پر ڈال دیا جہاں وہ طبقاتی جدوجہد کی ناگزیریت سے منکر ہو گئے...... یہ دعوے کہ کسی ملک کے لئے اپنی طاقت کے بھروسے اور اپنے مخصوص راستے پر چل کر تنہا طور پر سوشلزم قائم کرنا ممکن ہے دراں حالیکہ

فہمند سوشلزم والا ایک ملک موجود ہے، قوم پرستی کا خالص احیا ہے۔" (۱) مزید براں وہ ہمیں یقین دلاتا ہے کہ " عوامی جمہوریتوں کی کمیونسٹ پارٹیوں کو عوامی جمہوریت کی نوعیت اور ان کے جوہر کا تعین کرنے کے لئے اور مخصوص پالیسیوں اور سوشلسٹ تعمیر جدید کے جاریہ کاموں کا فیصلہ کرنے کے لئے سوویٹ یونین کی کمیونسٹ پارٹی اور کامریڈ سٹالن سے ذاتی طور پر کافی مدد ملی۔" (۲) ایک اور ماہر جی۔ ایس مینکووسکی کہتا ہے۔ " کامریڈ سٹالن نے سوشلسٹ سٹیٹ کے متعلق جو مکمل اور طے شدہ نظریہ تیار کیا ہے، وہی عوامی جمہوریتوں میں تعمیر سوشلزم کی جدوجہد کا پروگرام ہے۔" (۳) موسی تنگ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ " مارکسزم لینین ازم کی صداقت عالمگیر ہے جس کا اطلاق ہر جگہ ہو سکتا ہے۔" اپنے اور اپنی پارٹی کے متعلق وہ کہتا ہے: " روس کے راستے پر چلنا.... یہی نتیجہ اخذ کیا گیا۔" (۴) ہندوستان میں پچھلے دنوں اس سوال پر کافی بحث ہوئی تھی کہ ہندوستان انقلاب کے فروری والے مرحلے میں ہے یا اکتوبر والے مرحلے میں۔ کیونکہ " اگر ہم انقلاب کے اس دور سے گذر رہے ہیں جو روس میں فروری میں تھا تو ہمیں طبقۂ متوسط کے کسانوں کے ساتھ متحدہ محاذ بنانا چاہیئے اور اگر ہم اکتوبر کی طرف قدم بڑھا رہے ہیں تو ہمیں طبقۂ متوسط کے کسانوں کو غیر مؤثر بنا دینا چاہیئے۔" (۵)

ان واقعات کے باوجود کمیونسٹوں کی بداعمالیوں کے باوجود اور اس موضوع پر ان کے لیڈروں کے واضح اور غیر مبہم بیانوں کے باوجود بہت سے لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں جن سے ان کی ہمہ رس بے خبری کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کمیونزم کے متعدد اجزا، اور متعدد مرحلے ہوتے ہیں۔ یہ بات بالکل قدرتی ہے کہ جو شخص کمیونزم کے مکمل ڈھانچے سے آگاہی نہ رکھتا ہو وہ کسی ایک جزو یا مرحلے کو دیکھ کر غلط فہمی کا شکار ہو جائے۔ کمیونزم کو اس کے حقیقی گھناؤنے روپ میں دیکھنے کے لئے اس کا مکمل مشاہدہ ضروری ہے۔ کیونکہ عموماً اس کا ایک پہلو دوسرے پہلوؤں کو چھپانے کے کام آتا ہے۔ ہمیں

اس قابل ہونا چاہیئے کہ ہم کمیونسٹوں کے کسی ایک طریق کار، کسی ایک نعرے، یا کسی ایک مرحلے (خواہ وہ "کسانوں کو زمین دو" ہو۔ خواہ سوشلسٹوں کے ساتھ متحدہ محاذ ہو، خواہ "نئی جمہوریت" ہو اور خواہ "زرعی اصلاح") کا مفہوم اس وسیع تر سیاق و سباق کی روشنی میں دیکھ سکیں، جس کا یہ فوری نعرہ یا طریق کار حصّہ ہے۔ اس قسم کی تفہیم میں ہمارے سفیر پانیکر جیسے لوگ ضرور گڑبڑ ڈالیں گے جن کی آنکھیں صرف ایک ہی پہلو کو دیکھ کر اتنی خیرہ ہو جاتی ہیں کہ اس کے بعد وہ ہر چیز کو دیکھنے سے انکار کر دیتے ہیں اسی طرح اس تفہیم میں وہ کلچرل وفد بھی ضرور حائل ہوں گے، جو بالعموم ایسے لوگوں پر مشتمل ہیں، جن کی قوتِ تمیز مشکوک ہو۔ اور جنہیں وقتاً فوقتاً ہمدردوں کی صفوں میں سے بھرتی ہی غلط فہمی پیدا کرنے کے لئے کیا جاتا ہے۔ ہمیں گہری چھان بین کی عادت ڈالنا چاہیئے۔

آئندہ صفحات میں ہم کمیونزم کے اس نمونے سے بحث کریں گے، جو ممالک بالٹک اور مشرقی یورپ میں موجود ہے اور جس نے ان ملکوں کو مکمل طور پر روس کی غلامی کے شکنجے میں کس دیا ہے۔ اس کے بعد ہم کمیونسٹ چین سے بحث کریں گے جو روس کے ساتھ "ماتحتانہ تعاون" کر رہا ہے اور جس کے لئے سوویٹ سانچے سے نکلنا بھی ناممکن نہیں بشرطیکہ وہ اسے پسند کرے۔

ممالکِ بلقان

سوویٹ روس اور مشرقی یورپ کے اخباروں میں عوامی جمہوریتوں کے سلسلے میں جو بحث ہوتی رہی ہے اس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اپنے مفہوم، اپنی امنگوں، اپنے طریق کار، اپنی تنظیم اور اپنی سیاست کے اعتبار سے عوامی جمہوریت پرولتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ سے بالکل مختلف نہیں۔ ایس ہونووسکی ایک روسی جرنل میں رقمطراز ہے کہ "سوویٹ

ری پبلک اور مرکزی اور جنوب مشرقی یورپ کی عوامی جمہوریتیں صرف پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کے مختلف سیاسی پہلو ہیں۔" (۶) جی۔ ایس مینکووسکی اس دلیل میں مزید اضافہ کرتا ہے: "سوویٹ سٹیٹ اور عوامی جمہوری ریاستیں سوشلسٹ سٹیٹ کے واحد ڈھانچے کی حدود میں مختلف مظاہر کی حیثیت رکھتی ہیں۔" (۷) اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ روس کی طرح طاقت پرولتاریہ کے پاس ہی ہو۔" پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی ایک شکل کی حیثیت سے عوامی جمہوریت کو کمیونسٹ پارٹی کی لیڈرشپ سے الگ دیکھنا ممکن نہیں۔" (۸) اور اگرچہ اِن ملکوں میں حکومتی اقتدار کا انحصار "مزدور طبقے اور کسانوں کے اتحاد" پر ہے لیکن یہ بات شک وشبہ سے بالا ہے کہ "رہنمائی کرنے والی قوتیں کمیونسٹ اور مزدوروں کی پارٹیاں ہی ہیں۔" (۹)

کسانوں کو ختم کرنے کے لئے بھی وہی طریقے اختیار کئے گئے جو سوویٹ روس میں برتے گئے تھے۔ تمام کام کو مختلف مرحلوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ پہلے پہل جاگیرداری کو ختم کیا گیا اور یہ کام کسان پارٹیوں نے خود انجام دیا۔ اسے زرعی اصلاحات کا نقطۂ تکمیل سمجھنا چاہیئے جن کا آغاز پہلی جنگ عظیم کے بعد ہی ہو گیا تھا۔ کسان انقلاب کے بعد کمیونسٹ انقلاب آیا۔ سرخ فوج نے حقیقی اکثریت والی پارٹیوں پر کمیونسٹوں کی الحاقی گورنمنٹ کو ٹھونس دیا۔ اس کے بعد قدم بہ قدم غیر کمیونسٹ پارٹیوں کو خوفزدہ کر کے مطیع کر لینے کا سوال شروع ہوا حتیٰ کہ ان کا وجود تک باقی نہ رہا۔ سماجی طور پر شروع شروع میں کسانوں کی حوصلہ افزائی کی گئی کہ وہ بڑے بڑے کسانوں کی زمینیں آپس میں بانٹ لیں۔ دیہات میں ایک طرح کی خانہ جنگی شروع کر دی گئی۔ غریب کسانوں کی کمیٹیاں قائم کی گئیں، ککلکوں کو باقی کسانوں سے الگ کر دیا گیا، اور جہاں وہ موجود نہیں تھے وہاں ان کا وجود مصنوعی طور پر پیدا کر دیا گیا۔ بعد میں تمام کسانوں کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ مشترکہ کھیتوں میں کام کریں۔ لیکن ہمیں واقعات کو فرض نہیں کرنا چاہیئے۔

جو کچھ رونما ہوا اس کی حقیقی اور واقعاتی روداد معلوم کرنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ ہم کمیونزم کے مشہور نظریہ ساز جوسیف ریوائی سے مدد لیں۔ سنہ ۱۹۴۹ء میں "ہماری عوامی جمہوریت کے کیریکٹر" (۱۸) پر لکھتے ہوئے وہ خالص سٹالنی انداز میں اقتدار کے آخری مسئلے پر زور دیتا ہے اور اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ نظریے کو عمل پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کے نزدیک "یہ ٹھیک ہے کہ اقتصادی تعمیر جدید کے مسائل اور سوشلزمی کام کو ہماری دلچسپیوں میں مرکزی حیثیت حاصل ہے لیکن اس معاملے میں اتنا آگے نہیں نکل جانا چاہیئے کہ سیاست اور اقتدار کے مسئلے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہی ہو جائیں"۔

اس کے بعد وہ بتاتا ہے کہ "عوامی جمہوریت پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کا ایک نمونہ ہے اور ایک ایسے عمل کا نتیجہ ہے جو ایک شدید طبقاتی جدوجہد کا ماحصل ہے"۔ اس کے بعد وہ اس عمل کے مختلف مرحلوں کی وضاحت پیش کرتا ہے۔ یہ مرحلے مسلّم "انقلابی مرحلوں" سے مختلف نہیں۔ سب سے پہلے "بورژوائی جمہوری" انقلاب ہے جو "سوشلزمی تبدیلی" سے پہلے رونما ہوتا ہے۔ اس مرحلے کے متعلق وہ کہتا ہے: "پارلیمنٹ اور حکومت میں ہم اقلیت میں تھے لیکن اس پر بھی رہنمائی کرنے والی قوت کے نمائندہ ہمیں تھے"۔ رہنمائی کرنے والی قوت کی نمائندگی وہ کس حیثیت سے کرتے تھے اس کی وضاحت مصنف دوسرے فقرے میں کرتا ہے: "ہمیں پولیس فورس پر فیصلہ کن کنٹرول حاصل تھا۔ ہماری قوت میں اس واقعے سے بھی اضافہ ہوتا تھا کہ سوویٹ یونین اور سوویٹ فوج ہماری مدد اور اعانت کے لئے ہر وقت موجود تھی"۔

اس مرحلے پر "عوامی جمہوریت" براہ راست سرمایہ داری کے خلاف نہیں تھی۔ بلکہ "ہم نے یہ کہا کہ عوامی جمہوریت بورژوائی جمہوریت کی ایک عوامی جنگجو اور مقبول شکل ہے۔ سنہ ۱۹۴۵ء میں جب چھوٹے چھوٹے کاشتکاروں کی پارٹی ٹتے ہمیں اشتعال دلا کر انتخابی مہم کو 'سوشلزم یا بورژوائی پرائیویٹ جائیداد' کے سوال پر لڑنے کے لئے ابھارا تو ہم اس اشتعال سے پہلو تہی کرنے میں حق بجانب تھے اور اس معاملے میں ہم نے کوئی غلطی نہیں کی"۔ مزید براں

اس مرحلے پر" یہ بھی درست تھا گو ہم نے اس بات پر زور نہیں دیا کہ یہ عبوری دور سوشلزم کی جد وجہد کا ایک مرحلہ ہے ... ہم نے اچھا کیا جو اپنے حقیقی ارادوں کو طشت از بام نہ کیا۔"

اس کے بعد وہ ان کامریڈوں کو سرزنش کرتا ہے جو اس مرحلے کی عبوری نوعیت کو سمجھنے میں ناکام رہے۔ اور" یہ بھول گئے کہ عوامی جمہوریت اس وقت صرف بورژوائی جمہوریت کی عوامی شکل ہی نہیں تھی بلکہ اس سے زیادہ حیثیت رکھتی تھی۔ یہ سوشلزمی تبدیلی کی طرف ایک قدم تھا اور اس وقت بھی اس میں ایسے عناصر موجود تھے جو ترقی کر کے پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ میں تبدیل ہو جائیں۔"

جن کسان پارٹیوں کے ساتھ کمیونسٹوں نے اتحاد کیا اور ان کے ساتھ الحاقی حکومتیں قائم کیں۔ ان کے منصب کی وضاحت کرتے ہوئے ریوائی اپنے آپ سے یہ سوال دریافت کرتا ہے" کیا چھوٹے کسانوں اور کاشتکاروں کی دوسری پارٹیوں کے ساتھ ہمارا الحاق ان معنی کا حامل ہے کہ ہم ان سے مل کر رہنمائی کرتے ہیں۔ اور ہماری وجہ سے طاقت مزدور طبقے اور محنت کش کسانوں کے درمیان بٹی ہوئی ہے؟" فوراً ہی وہ اس کا جواب غیر مبہم "نہیں" میں دیتا ہے اور کہتا ہے" رسمی طور پر بعض عناصر ایسے ہیں جن سے طاقت اور قیادت کی تقسیم کا گمان ہوتا ہے لیکن کامریڈو! واقعہ یہ ہے کہ مزدور طبقہ ہی تنہا طور پر برسر اقتدار ہے حقیقت میں صرف ہماری پارٹی ہی سٹیٹ کی مشینری کو چلا رہی ہے۔" یہ سوال اٹھانے کے بعد کہ" اس طاقت کا استعمال کسانوں کی ہمراہی میں کیوں نہیں ہو سکتا؟" وہ جواب دیتا ہے" اس لئے کہ اس صورت میں سٹیٹ اس ہتھیار کی حیثیت سے ختم ہو جائے گی جس کا مقصد سوشلزم کا قیام ہے۔ کیونکہ کسان حتیٰ کہ محنت کش کسان بھی جزوی طور پر پرائیویٹ جائیداد کے طرفدار ہیں اور جزواً کواپریٹو طریق پیداوار کے حامی۔" آخر میں وہ کامریڈوں کو مشورہ دیتا ہے کہ وہ اس تصور کو ملیامیٹ کر دیں۔ کہ مزدور طبقہ دوسرے طبقوں کو اقتدار میں شریک کرتا ہے۔"

وہ انہیں یہ مشورہ بھی دیتا ہے کہ وہ "اس نقطہ نگاہ کی آلائشوں سے دست کش ہو جائیں جس کے مطابق عوامی جمہوریت ایک مخصوص نوع کی سٹیٹ ہے۔ جو صرف ہیئت میں ہی سوویٹ نظام سے مختلف نہیں بلکہ اس کا جوہر اور اس کا نظام کار بھی مختلف نوعیت کا ہے۔" وہ اپنے کامریڈوں کو خبردار کرتا ہے "کہ یہ بات ہر جگہ شور مچانے کی نہیں کہ اقتدار کلیتہً مزدور طبقے کے ہاتھ میں ہے۔"

دوسری عوامی جمہوریتوں میں بھی اسی نمونے پر عمل درآمد ہوا اور اسی انداز فکر کی پوری پوری پیروی کی گئی۔ ہر جگہ عوامی جمہوریت کو پہلے "محنت کش عوام کی حکومت" کا نام دیا گیا، جو متعدد پارٹیوں کی کولیشن کے ذریعہ کام کرتی تھی۔ لیکن بعد میں "محنت کش عوام کی حکومت" کو "مزدوروں کی حکومت" میں تبدیل کر دیا گیا۔ سوویٹ اصطلاح میں محنت کش ہر قسم کے مزدور کو کہتے ہیں۔ خواہ اس کا کام جسمانی ہو خواہ دماغی، خواہ زرعی ہو خواہ صنعتی۔ لیکن مزدور سے مراد ایک ایسا شخص ہے جو فیکٹری میں کام کرتا ہو۔ سوشلسٹ تبدیلی کا مطالبہ ہے کہ "مزدور طبقے کی فرماں روائی" سارے سماجی نظام پر ہونی چاہیے۔ جس میں محنت کش بھی شامل ہیں۔ صرف مزدور ہی اپنے "ہراول دستے" کمیونسٹ پارٹی اور سوویٹ یونین کی قیادت میں سوشلزم کی طرف محنت کشوں کی رہنمائی کرنے کے اہل ہیں۔

اقتدار پر اس مکمل اور تنہا کنٹرول کا باعث "سوشلسٹ تبدیلی" یا فوری صنعتیت ہے۔ جس کا اہل صرف پرولتاری طبقہ ہے۔ یہ طبقہ سٹالن کے لفظوں میں سٹیٹ کو ایک کمانی کی طرح استعمال کر کے پرانے اقتصادی نظام کو نئے نظام میں تبدیل کر دیتا ہے۔" یہ کام دیہات کی "نوآبادیاتی لوٹ کھسوٹ" سے ہی ممکن ہے۔ جس کے لیے اجتماعی کاشت کی تکمیل ضروری ہے۔ این او خلوف کہتا ہے "کامریڈ سٹالن کی یہ ہدایت کہ سوشلسٹ تعمیر کو مختلف بنیادوں پر قائم کر کے طویل عرصے تک قائم رکھنا ناممکن ہے، عوامی جمہوریتوں پر بھی پوری طرح لاگو ہوتی ہے۔ سوشلسٹ تعمیر کے لیے یہ ممکن نہیں کہ ایک طرف بڑی بڑی سوشلسٹ صنعتیں ہوں

اور دوسری طرف زوال آمادہ پسماندہ چھوٹے کسانوں والا نظام کاشت"(۱۱) اس ناممکن کے مقابلے میں ملک کے لئے پیروی کرنے کو سوویٹ یونین کا "بارآور تجربہ" موجود تھا۔

مشترکہ کاشت

اگرچہ کمیونزم کا آخری مقصد کسانوں کا وجود ختم کرکے "مشترکہ کاشت" کو قائم کرنا ہے لیکن جب تک اس کی تکمیل کی تمام تیاریاں پوری نہ ہو جائیں یہ واقعہ ایسا نہیں کہ اس کا ہر جگہ شور مچایا جائے۔" مشرقی یورپ کے تمام دیشوں میں جو روس کے حاشیہ بردار ہیں، اگرچہ کسان پارٹیوں اور ان کے لیڈروں کو ختم کیا جا رہا تھا لیکن ۲۹ جون ۱۹۴۸ء تک جب یوگوسلاویہ کی کمیونسٹ پارٹی کی صورت حال کے متعلق کامنفارم کا ریزولیوشن شائع ہوا مشترکہ کاشت کا کوئی ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔ اس ریزولیوشن کی اشاعت کو حاشیہ بردار دیشوں کے طریق کار میں اہم موڑ کا نام دیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کاشت کی اجتماعیت کے آغاز کا اعلان تھا۔ اس سے پہلے اجتماعی کاشت کا ذکر نہیں کیا جاتا تھا اور جو لوگ اس کا ذکر کرتے تھے وہ مصیبت میں گرفتار ہو جاتے تھے۔ اس سے پہلے جو سرگرم کمیونسٹ اجتماعی کاشت کی تجویز پیش کرتے تھے ماسکو ان پر "ٹراٹسکائی انحراف" کا الزام لگا دیتا تھا۔ روس کے محکمہ زراعت کے افسر جے ایلیسی ابرگاس نے جب پبلک طور پر یہ تجویز پیش کی کہ کسانوں کو اس بات کا فیصلہ کرنے میں آزاد ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی انفرادی ملکیت کو الگ الگ رکھیں یا اسے ملا کر ایک مشترکہ کھیت کی شکل دے دیں، تو اسے برطرف کر دیا گیا۔ لیکن جون ۱۹۴۸ء میں جب مندرجہ بالا ریزولیوشن شائع ہوا تو صورت حال یکایک تبدیل ہو گئی۔

اس کے بعد مختلف کامنفارم ممالک کی کمیونسٹ پارٹیوں میں متعدد صفائیاں ہوئیں اور ان کے متعدد رہنماؤں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ یہ صفائیاں اور قتل اس لئے ہوئے کہ کمیونسٹ پارٹیوں کو ایک "نئے کام کے لئے" تیار کرنا تھا اور انہیں جد وجہد کے ایک نئے مرحلے"

کے قابل بنانا تھا جو "سوشلزم کی طرف قدم بڑھانے کے لئے "ضروری اور" ناگزیر" تھا۔

کامنفارم کے ریزولیوشن سے پہلے مشترکہ کاشت کے سوال سے صرف پہلوتہی ہی نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ عوام کو گمراہ کرنے کے لئے اس سے صاف طور پر انکار بھی کر دیا جاتا تھا ۱۷ مارچ ۱۹۴۸ء کو رومانیہ کے وزیر صنعت و تجارت گھیو رگھیو ڈیج نے اعلان کیا "کسان اس بات کو فراموش نہیں کر سکتے کہ زمین جاگیرداروں سے لی گئی تھی اور ان کو دی گئی تھی مانہیں یہ زمین اس لئے ہرگز نہیں دی گئی تھی کہ کوئی اسے پھر واپس لے لے۔ وہ اس لئے دی گئی تھی کہ وہ اپنے خاندان اور بچوں کے ساتھ اس کے مالک بنیں اور اس پر کام کریں"۔ اسی گھیورگھیو ڈیج نے جو رومانیہ کی ورکرز پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا جنرل سکریٹری ہے۔ ۸ اپریل ۱۹۵۰ء کو کمیونسٹ جرنل میں اعلان کیا کہ "جب تک زمین کی نجی ملکیت موجود ہے دیہات میں سوشلزم کی فتح مکمل نہیں ہو سکتی" اسی شخص نے یہ بھی اعلان کیا کہ ساری زمین کو قومی ملکیت بنانے کی بنیاد قائم کرنے کے لئے ٹیکسوں اور جبری کوٹوں میں اضافہ ہونا چاہیئے" اجتماعی کاشت کی رفتار کو تیز کرنا چاہیئے اور کلکوں کے خلاف کارروائی بھی پوری رفتار سے ہونی چاہیئے۔ ۳ جون ۱۹۴۹ء کو رومانیہ کی ورکرز پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے اپنے اجلاس میں یہ تسلیم کر لیا کہ آخری مقصد اجتماعی کاشت ہے۔

اسی طرح پولینڈ کے وزیر صنعت ہلاری منک نے ۳ مئی ۱۹۴۵ء کو نیشنل کونسل کے اجلاس میں اعلان کیا "میں اپنے دشمنوں کے پھیلائے ہوئے اس الزام کو ناممکن الامر اور اشتعال انگیز قرار دیتا ہوں کہ زراعت کے میدان میں حکومت اجتماعی انداز کی کاشت کی طرف جا رہی ہے اور زرعی اصلاح کے بعد مشترکہ کھیتوں کا قیام شروع ہو جائے گا۔ ہم انفرادی کاشت کے اصول پر مضبوطی سے قائم ہیں" لیکن یکم مارچ ۱۹۵۰ء تک پولینڈ میں ۵۲۶ مشترکہ کھیت قائم ہو چکے تھے جن کا رقبہ ۱۱۱۴۲۸ ہیکٹر اور ان کے ممبروں کی تعداد ۱۵۸۵۶ تھی۔ مزید برآں کاشت کو اجتماعی بنانے کی رفتار تیزی اختیار کر رہی

تھی۔ کمیونسٹوں نے عمداً جھوٹ اور دو رُخی کی گفتگو کو ایک آرٹ کی شکل دے دی ہے
اور جس حد تک وہ جھوٹ بول سکتے ہیں اس کی کوئی انتہا نہیں۔

مشترکہ کاشت کو شدید مزاحمت کے ماحول میں عملی جامہ پہنایا گیا اور اس
مقصد کے لئے دیہات کو مختلف گروپوں میں بانٹ دیا گیا۔ سوویٹ اخباروں نے اس سلسلے
میں اس قسم کی اطلاعیں شائع کیں: "بڑھتی ہوئی طبقاتی جدوجہد کا ماحول … مزدور طبقہ
غریب کسانوں کا سہارا لے کر اور عام کسانوں کے ساتھ اتحاد کو مضبوط بنا کر کلکوں کے
خلاف فیصلہ کن جدوجہد میں مصروف ہے۔ کمیونسٹ پارٹیاں جو عوامی جمہوریتوں کی رہنمائی
کرنے والی قوت ہیں وہ اس جدوجہد میں ہراول دستے کا کام دے رہی ہیں"(۱۲) ایک اور
رپورٹ بھی ملاحظہ فرمایئے جو مشترکہ کاشت کے عام فلسفے پر بھی روشنی ڈالتی ہے: "مشترکہ
کاشت کے قیام کا راستہ نرم رو تبدیلی کا راستہ نہیں۔ مشترکہ کھیت کلکوں اور راذقوں کے ساتھ
شدید جدوجہد کے دوران ہی طاقت حاصل کرتے ہیں۔ روس کی حیات افروز مثال کو اپنے
سامنے رکھ کر کمیونسٹ مشترکہ کاشت کے نظام کے لئے راستہ صاف کر رہے ہیں اور دشمنوں کا
سر بے دردی سے کچل رہے ہیں۔" (۱۳)

کسانوں کو بولشویکی سانچے میں ڈھالنے کے لئے پہلا قدم ان کے لیڈروں کو خوفزدہ
کرنا اور موت کے گھاٹ اتارنا تھا۔ ہنگری کے سابق وزیر اعظم فیرینک ناگی (سمال ہولڈرز
پارٹی کا لیڈر جسے اس انتخاب میں جو سُرخ فوج کے ماتحت ہوا ۶۳ فیصدی ووٹ ملے)
کے قول کے مطابق پولینڈ کے ۱۰ ہزار باشندوں کو جنہیں کسانوں میں اثر و رسوخ حاصل
تھا، پولینڈ سے سائبریا میں جلاوطن کر دیا گیا۔ رومانیہ کے مانیو نامی رہنما اور اس کے ۱۸
ہزار وفادار ساتھیوں کو غداری کے الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا اور ان میں سے بیشتر
بعد میں لاپتہ ہو گئے۔ بلغاریہ میں کسان رہنما ڈاکٹر جارج ایم ڈمیٹروف بھاگ گیا۔ اس
کے نائب نکولائی پیٹکوف کو قتل کر دیا گیا اور اس کے ۳۱ ہزار پیرووں کو جہازوں میں

میں لاد کر روس بھیج دیا گیا۔ ہنگری، یہ بیلا ورداور خود ناگی کو جلاوطن ہونا پڑا اور ان کے پیروؤں کو عوامی جمہوریت کے خلاف سازش کرنے کے الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا۔ ان میں سے ۸ ہزار کے قریب اس وقت روس کے نظر بندی کے کیمپوں میں موجود ہیں (۱۴) کسانوں کے رہنماؤں پر مشقِ ستم کے ساتھ کسانوں کی سیاسی پارٹیوں کو ملیامیٹ کرنے کا عمل بھی شروع ہو گیا۔ انہیں پھوٹ ڈال کر مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا اور اس کے بعد باری باری سب کو ختم کر دیا گیا۔ اس کام کو ان "معاملہ فہم" عناصر نے آسان بنا دیا جو دنیا کے ہر گوشے میں موجود ہیں۔ انہیں کمیونسٹوں کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کا خاص شوق ہے اور "مشترکہ مفاد" اور "طے شدہ" امور پر وہ کمیونسٹوں کے ساتھ ہر کارروائی میں شریک ہو جاتے ہیں۔

مکمل سوویٹ نظام

جب سے ۱۹۴۸ء میں کامنفارم کا ریزولیوشن شائع ہوا ہے، مشرقی یورپ کے تمام حاشیہ بردار ملکوں کے اقتصادی نظام کو سوویٹ ماڈل کے مطابق بنایا جا رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مقامی حالات کے مطابق ان میں تھوڑا بہت فرق روا رکھا گیا ہو۔ اس عمل کے فیصلہ کن مرحلے یعنی اجتماعی زراعت کو بے رحمانہ شدت کے ساتھ عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ کسانوں کے دل میں اب کوئی شبہ باقی نہیں رہا کہ ان کا آئندہ حشر کیا ہو گا۔

لندن کا مشہور اخبار اکانومسٹ اپنی ۱۸ر فروری ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:-

اجتماعی کاشت کا مقصد وہی ہے جو بیس سال پہلے روس میں تھا، یعنی کسانوں کا سیاسی کنٹرول تاکہ شہروں اور صنعتی مزدوروں کی خوراک کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکے اجتماعی کھیتوں کی انتظامی کمیٹیوں کے ذریعے جن پر کمیونسٹوں کا مکمل کنٹرول ہے حکومت شہروں کے لئے مسلسل طور پر اناج اور مزدور حاصل کر سکتی ہے۔ اگر، جیسا کہ لیڈروں کو

کو امید ہے ـــ ہمارا خیال ہے کہ یہ امید باطل ہوگی ـــ زراعت کو مشینی بنانے سے اناج کی فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ ہوگیا تو ہر شخص کو زیادہ اناج مل سکے گا۔ لیکن اگر پیداوار میں اضافہ سست رفتار سے ہوا تو کمیونسٹ لیڈر اس بات کا پورا پورا انتظام کردیں گے کہ اناج کی ناکافی سپلائی پر پہلا حق شہری آبادی کو حاصل ہے۔

صورت حال میں اصلاح اگر کبھی ہوئی بھی تو لازمی طور پر وقت لے گی۔ اس عرصے میں کسانوں کو مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اناج حکومت کے حوالے کردیں۔ اس سلسلے میں مشترکہ کھیت جبر کے آلے کا کام دیتے ہیں۔ جن کی انتظامیہ کمیٹیوں پر کمیونسٹوں کو مکمل کنٹرول حاصل رہے۔

صنعتی ترقی کے نام پر آج جس چیز کو روا رکھا جارہا ہے، اس کا بدترین پہلو یہ ہے کہ اگر اناج اور دوسرے خام مال کی پیداوار میں مجموعی طور پر اضافہ ہو بھی جائے تو بھی یہ اضافہ بڑھتی ہوئی ضرورتوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اکانومسٹ کا کہنا ہے کہ صنعتی پھیلاؤ جتنا بھی کامیاب ہوگا اتنی ہی اناج اور صنعتی مزدوروں کی مانگ بڑھتی جائے گی اور اسی تناسب سے مشترکہ کاشت کی رفتار بھی تیز تر ہوتی جائے گی۔ مشرقی یورپ کو چند سال کے اندر اندر اسی مصیبت کا سامنا ہوگا، جس کا روسی منصوبہ بندوں کو سامنا ہوا تھا اناج کی سپلائی کی بے یقینی۔ بہرحال کچھ دیر کے لئے کسانوں سے زیادہ اناج حاصل کرکے شہری مزدوروں، کمیونسٹ بیوروکریسی اور صنعتوں کی ضرورت کو پورا کیا جاتا رہے گا۔

اگرچہ ان ملکوں میں کسانوں کو اس شدید جبر کے ساتھ مشترکہ کھیتوں کی ممبری پر مجبور نہیں کیا جارہا، جس کا سامنا روس کے کسانوں کو ہوا تھا، لیکن دیہات میں کمیونسٹ اپنی کمیٹیوں "حجروں" اور مشین اور ٹریکٹر اسٹیشنوں کے حکام کے توسل سے شدید "طبقاتی جنگ" کا پرچار ضرور کر رہے ہیں۔ شہروں اور قصبوں کے درمیان اشیاء کے تبادلے اور زرعی مشینوں کی سپلائی پر بھی کمیونسٹ جماعتوں کی اجارہ داری ہے۔

روس کی طرح ان ملکوں میں بھی اجتماعی کاشت کے عمل کے ساتھ ساتھ کلکوں کے خاتمہ وجود کا عمل جاری ہے۔ اور روس کی طرح سرکاری پروپیگنڈے میں یہاں بھی اس عمل کو "غریب اور طبقۂ متوسط کے کسانوں" کی بلاترغیب تحریک کا نام دیا جا رہا ہے، جو کلکوں کی لوٹ کھسوٹ سے نجات حاصل کرنے میں مصروف ہیں۔ روس کی طرح یہاں بھی مشترکہ کاشت کی مدد کے لئے کمیونسٹ پارٹی کے جو انجینیر دیہات میں پہنچتے ہیں، انہیں سرکاری پروپیگنڈے میں کارکنوں کا نام دیا جا رہا ہے۔ جو "شہری اور دیہاتی پرولتاریہ کے درمیان لڑاکے اتحاد" کو مضبوط بنانے کے لئے رضاکارانہ طور پر کسانوں کی مدد کر رہے ہیں۔ اگرچہ ان ملکوں سے روس کے پیمانے پر اذیت ناک واقعات کی اطلاعیں موصول نہیں ہوئیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ مجموعی مصیبت، خوف اور بے انصافی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

صفحات کی قلت اس بات کی اجازت نہیں دیتی کہ ہر عوامی جمہوریت کا ذکر تفصیلی طور پر الگ الگ کیا جائے لیکن ہم کسی بھی ملک کو بطور مثال لے سکتے ہیں ــــ مثلاً بلغاریہ ـــــ اور اس ملک کی حالت کو باقی کمیونسٹ ملکوں کی حالت کی نمائندہ قرار دے سکتے ہیں۔ اس قسم کے مطالعے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اجتماعیت کا انداز اور اس کی آخری شکل ہر جگہ لازمی طور پر ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔ سوشلزم کو شہروں سے دیہات تک لے جانا، اس کام کو مختلف انقلابی مرحلوں میں تقسیم کرنا، شہری آبادی کو پھوٹ ڈال کر مختلف گروہوں میں بانٹنا اور پھر ان گروہوں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا، کلکوں کو فنا کرنا، کسانوں کی زمین اور ان کے ہتھیار ہتھیانا، انہیں مشترکہ ملکیت قرار دینا، عوام پر زیادہ کنٹرول حاصل کرنے کیلئے مشین اور ٹریکٹر سٹیشن قائم کرنا، تاکہ سٹیٹ کے لئے زیادہ اناج حاصل کیا جا سکے اور بالآخر دیہات میں بیکاری کا اضافہ اور عوام کی غلامی۔

زنجیر کی اہم کڑیاں یہی ہیں۔ اپنی بات کو شک و شبہ سے بالا بنانے کے لئے ہم دی سٹاندو ڈیمو ویکیہ کے مضمون کا حوالہ دیتے ہیں جو ۵۰۰ ،۶ لفظوں پر مشتمل ہے اور

Sotsialisticheskoye selskoye khozyiastvo.
کے شمارہ نمبر ۸ (مطبوعہ اگست ۱۹۴۹ء) میں شائع ہوا ہے اور جس کا نام ہے "بلغاریہ میں کواپریٹو کھیتوں کا قیام"۔

(۱) چھوٹے کاشتکاروں کا خاتمہ۔ شہر دیہات کو گھسیٹتے ہیں

"ایک ایسے ملک میں جو سوشلزمی تعمیر کی راہ پر گامزن ہو جائے، زراعت کا وسیع پیمانے پر پیداوار کے طریقوں کو اپنا لینا ایک تاریخی ضرورت ہے۔ شہروں میں سوشلزم کو اس وقت تک عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا جب تک اسے دیہات میں عملی جامہ نہ پہنایا جائے۔ جب تک ملک میں چھوٹے پیمانے پر پیداوار کا سلسلہ موجود ہے سرمایہ دارانہ نظام کی بنیاد مضبوط رہے گی۔ کیونکہ چھوٹے پیمانے پر پیداوار سرمایہ داری کو جنم دیتی ہے۔

(۲) کام اور اس کے مختلف "مرحلوں" کا تصور

"وی، آئی لینن اور جے۔ وی سٹالن نے اس بات پر ایک سے زائد بار زور دیا ہے کہ صرف اقتصادی اقتضا کا لحاظ رکھنا ہی ضروری نہیں بلکہ اس بات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے کہ آبادی کسی خاص کام کو کس حد تک عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلغاریہ کی کمیونسٹ پارٹی نے شاہ پسند اور فاشسٹ ڈکٹیٹر شپ کے خلاف جدوجہد کے زمانے میں زمین کو قومی ملکیت قرار دینے کے مطالبے کو بطور نعرہ پیش کرنے سے اجتناب کیا اور اس کے بعد بھی اسے ایک منصوبے کی حیثیت سے پیش نہیں کیا۔ کمیونسٹ پارٹی کی قوت کا انحصار اس اہلیت پر ہے کہ وہ حقیقی صورت حال کی بنیاد پر عمل کر سکے اور ترقی کے غیر عبور شدہ مراحل کو پھلانگنے کی کوشش نہ کرے۔ اس کی قوت کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ عوام کے ساتھ اپنا تعلق برقرار رکھ سکے"۔ (بلغاریہ کے وزیر اعظم اور کومنفارم کے ایک بہت بڑے لیڈر ڈیمی ٹروف نے اس خیال کو بہتر لفظوں میں پیش کیا تھا: "فی الحال کمیونسٹ پارٹی کو ایک عام جمہوری پارٹی کا بھیس بھر لینا چاہیئے۔ جن کمیونسٹوں کو نظریے کی اس دو رُخی سے تکلیف ہوتی

ہے وہ یا تو مارکسسٹ نہیں ہیں اور یا وہ اشتعال دلانے والے ہیں؛“)

دیہاتی عوام میں پھوٹ ڈالنا

”بلغاریہ کی کمیونسٹ پارٹی کی پانچویں کانگریس میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے سکریٹری دی چرونیکوف نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ پارٹی دیہات میں کسانوں کے مختلف طبقوں کے متعلق پالیسی کے مسئلے کی نظریاتی وضاحت کے معاملے میں پیچھے رہی ہے۔ بلغاریہ کے کلکوں کی اقتصادی سیرت کو نمایاں نہیں کیا گیا۔ جن ڈیلی گیٹوں نے کانگریس میں تقریریں کیں انہوں نے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ مرکزی کمیٹی کے سولھویں اجلاس (جولائی ۱۹۴۸ء) سے قبل پارٹی کی مقامی شاخیں نہ تو کلکوں کو ننگا کرتی تھیں اور نہ ان کے خلاف جہاد کرتی تھیں۔ پارٹی کے کارکن اور حکومت کی مقامی ایجنسیاں اس حقیقت کو دیکھنے میں ناکام تھیں کہ گاؤں طبقات کا مجموعہ ہے۔ اسے متحدہ اکائی ہی تصور کیا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوامی سٹیٹ کی اقتصادی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے میں متعدد غلطیاں رونما ہوئیں؛“

(۴) کلکوں کو ختم کرنا

”کلکوں کے جبری طور پر پیداوار کے بنیادی ذرائع کو فروخت کرنے اور زیادہ سے زیادہ زمین کی حد مقرر ہونے سے دیہات میں سرمایہ دارانہ عناصر کی قوت کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔۔۔“

”اس کے ساتھ ہی حکومت یہ کوشش کر رہی ہے کہ ٹیکسوں اور حکومت کو سامان سپلائی کرنے کا بیشتر بوجھ خوشحال گروہوں پر ڈال دیا جائے اور چھوٹے کسانوں کا بوجھ ہلکا کیا جائے۔

”طبقاتی جنگ کی روزافزوں شدت کے ماحول میں دیہات کے اندر کواپریٹو ادارے قائم کئے جا رہے ہیں۔ دیہات کے کلک اور سرمایہ دارانہ عناصر عوامی جمہوری حکومت کے تمام

پروگراموں کی مجنونانہ مخالفت کر رہے ہیں۔ طبقاتی جنگ مختلف شکلیں اختیار کرتی ہے۔ کبھی یہ کھلی تقریروں اور دہشت پسندانہ کارروائیوں کا رنگ اختیار کرتی ہے اور کبھی عمداً تباہی اور تخریب کاری کا۔

"کلک زرعی کواپریٹوؤں کے خلاف شدید ایجی ٹیشن کر رہے ہیں۔ وہ رسوا کن افواہیں پھیلاتے ہیں اور جو لوگ کواپریٹو کاشت کے حق میں ہیں ان کو دھمکیاں دیتے ہیں کواپریٹو تحریک میں سرگرم حصہ لینے والوں اور کواپریٹو کھیتوں کے ڈائرکٹروں کے خلاف دہشت پسندانہ کارروائیاں بھی ہوئیں۔

(۵) طبقۂ متوسط کے کسان

"جون ۱۹۴۹ء کو بلغاریہ کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں اس بات کا نوٹس لیا گیا کہ پارٹی نے دیہات کے متعلق اپنی پالیسی میں شدید غلطیاں کی ہیں۔ خصوصاً طبقۂ متوسط کے کسانوں کے متعلق۔ (تمام پیداوار کو سٹیٹ کے پاس فروخت کرنے کا مطالبہ، اناج کی کم قیمت، شہر اور دیہات کے درمیان تجارت کی ناقص تنظیم وغیرہ وغیرہ)"

(۶) غریب کسانوں کی زمین کی ضبطی

"۱۷ دسمبر ۱۹۴۸ء کو ملک میں ۱۰۴۶ کواپریٹو کھیت تھے۔ جن کا رقبہ ۲۸۰۱۴۴ ہیکٹر اور ممبروں کی تعداد ۷۳۰۶۹ تھی۔ مئی تک کواپریٹو کھیتوں کی تعداد ۱۵۶۳ تک پہنچ گئی۔ ان کا رقبہ ۵۴۱۰۰۰ ہیکٹر اور ممبروں کی تعداد ۱۴۶۰۰۰ تھی۔"

(۷) سٹیٹ نے آلات بھی ہتیا لئے

"صنعت کو قومی ملکیت قرار دینے والے قانون کے مطابق (دسمبر ۱۹۴۷ء) ہزاروں چھوٹی چھوٹی ملیں جو کلکوں کی نجی ملکیت تھیں، مقامی سوویٹوں کے حوالے کر دی گئیں۔ کلکوں کے مسافر گھروں کو پہلے ہی ختم کیا جا چکا تھا۔ فروری ۱۹۴۸ء کو گرانڈ نیشنل اسمبلی نے بڑی بڑی زرعی مشینری کی جبری خرید کا قانون پاس کر دیا۔

پرائیویٹ افراد کے پاس ۴ ہزار ٹریکٹر، ۲۳ ہزار ٹریکٹروں سے چلنے والے ہل، اور دوسری قسم کی زرعی مشینری موجود تھی۔ اور ۱۹۴۷ء کے اواخر تک سرکاری فارموں کے پاس کل ۳۰۷ ٹریکٹر تھے۔ اور مشین ٹریکٹر سٹیشنوں کے پاس ۱۴۰۱۔"

(۸) مشین ٹریکٹر سٹیشنوں کی مدد سے سرکاری کنٹرول

"۱۹۴۵ء کے موسم خزاں تک اناج پیدا کرنے والے اضلاع میں ۳ مشین ٹریکٹر سٹیشن قائم کر دئے گئے۔ ۱۹۴۸ء تک ان سٹیشنوں کی تعداد ۱۷ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۴۸ء کے اواخر میں وزراء کی کونسل نے ایک خاص قانون پاس کیا، جس کی رو سے سیاسی کام کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کا ایک نیا عہدہ عالم وجود میں آیا۔"

بلغاریہ کی زراعت کو ترقی دینے کی پانچسالہ سکیم نے جو یکم جنوری ۱۹۴۹ء کو منظور ہوئی، کنٹرول کو اور بھی مضبوط کر دیا۔ "مشین ٹریکٹر سٹیشنوں کی تعداد پانچسالہ سکیم کے خاتمے پر ۱۵۰ تک پہنچا دی جائے گی۔ ۱۹۵۳ء میں دس ہزار ٹریکٹر، تیرہ ہزار ٹریکٹروں سے چلنے والے ہل، ۴۳۰۰ ٹریکٹروں کی مدد سے بیج پھینکنے والی مشینیں، ۵۳۰۰ اناج نکالنے والی مشینیں اور بہت سی دوسری قسم کی مشینیں کام کر رہی ہوں گی۔"

سیاسی اور اقتصادی تنظیم کی تکمیل کے بعد کسانوں کو کس قسم کی صورت حال کا سامنا ہوا؟ ناکافی زمین، ٹریکٹروں کی وجہ سے بیکاری میں اضافہ، غلامی، ایام محنت اور اناج کی جبری فراہمی۔

(۹) دیہات میں بیکاری۔ کم زمین کی وجہ سے غیر منفعت بخش کاشت۔

"۱۹۴۶ء میں کواپریٹو کھیتوں کے ۶۶ء۷ فیصدی ممبروں کے پاس ۵ ہیکٹر سے بھی کم رقبے کے کھیت تھے۔ ۱۹۴۷ء میں کواپریٹو کھیتوں کے کم زمین والے ممبروں کی تعداد ۸۵ء۷ فیصدی تھی۔ ۱۹۴۸ء میں کواپریٹو کھیتوں کے ممبروں کے پاس فی خاندان ۵ء۳ ہیکٹر زمین تھی۔ جبکہ طبقہ متوسط کے ان کسانوں کے پاس جو شرکہ

کھیتوں کی دسترس سے باہر تھے، فی خاندان ۴۲ ہیکٹر زمین تھی۔

(۱۰) آزاد کسانوں کا خود اپنی زمین پر پٹہ داری بن جانا

"اس ریزولیوشن (جو وزرا کی کونسل نے دسمبر ۱۹۴۶ء کو پاس کیا) کا مقصد محنت کی تنظیم میں اصلاح اور کام کے کوٹے اور فصلوں کے لئے معیار کا تصور ہے۔ ریزولیوشن میں عام معیار سے بہتر فصلیں پیدا کرنے والوں کے لئے مزید معاوضے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔"

(۱۱) سٹیٹ کو پیداوار کی بالجبر فراہمی

"۱۲ مئی ۱۹۴۷ء کو وزرا کی کونسل نے ایک ریزولیوشن پاس کیا۔ یہ ریزولیوشن سٹیٹ کو اناج کی جبری فروخت سے متعلق ہے۔"

(۱۲) بلغاریہ کی اجتماعی کاشت کے لئے روس کا شکریہ

"زراعت کو نئے سانچوں میں ڈھالنے میں سوویٹ یونین کی برادرانہ امداد بہت اہم فرض پورا کرتی ہے۔۔۔۔ سوویٹ یونین کی مثال اور سوویٹ یونین کے مشترکہ کھیتوں کی کامیابی بلغاریہ کے مزدوروں کے دلوں میں پرجوش امنگ بھر دیتی ہے اور اس طرح ان کا مشترکہ کاشت کا کام آسان ہو جاتا ہے۔ اس طریقے سے سوویٹ یونین ہماری مدد کرتی ہے اور اس کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی وجہ سے ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں، جن میں مشترکہ کاشت نسبتاً زیادہ جلدی اور تیزی کے ساتھ ممکن بن جاتی ہے۔"

سوویٹ روس کے حاشیہ بردار دیشوں سے آنے والی اطلاعیں مندرجہ بالا طویل اقتباس کی تصدیق کرتی ہیں۔ اکانومسٹ کے نامہ نگار کے بیان کے مطابق بلغاریہ کی زراعت میں پرشکوہ سٹالنی دور کا آغاز زبردست پروپیگنڈے اور وسیع پیمانے پر "صفائیوں" سے ہوا۔ ان صفائیوں میں وزارت زراعت کے کئی اراکین کا صفایا

ہو گیا اور وزیر زراعت اور پولٹ بیورو کے ایک ممبر کو شدید سرزنش کی گئی۔ مشترکہ فارم کو ایک ماڈرن قانون کے مطابق چلایا جاتا ہے جس کی بنیاد "مشترکہ کاشت کے عظیم سٹالنی اصولوں" پر ہے۔ اس ضابطے کی رو سے کسانوں کو شدید سزائیں دی جاتی ہیں۔ مشترکہ جائیداد سے عدم توجہی یا مشینری اور فارم کے مویشیوں سے عدم توجہی کی سزا اس طرح دی جاتی ہے جیسے وہ ایک نیک مقصد کے ساتھ غداری کے مترادف ہو۔ فارم کا پریزیڈنٹ ممبر کسانوں کو مختلف بریگیڈوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ معاوضے کا اندازہ ایام محنت کے حساب سے لگایا جاتا ہے اور مختلف بریگیڈوں کے معاوضے کا معیار مختلف ہوتا ہے۔ سال کے شروع میں یوم محنت کا معاوضہ صرف عارضی طور پر مقرر کیا جاتا ہے اور اس طرح کسان سارا سال اس علم کے بغیر کام کرنے پر مجبور رہے کہ اس کے ایام محنت کا حقیقی صلہ کیا ہوگا؟ فارم کی رکنیت رضاکارانہ ہے۔ لیکن جو کسان اپنے آپ کو رضاکارانہ طور پر پیش نہیں کرتا اسے فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ ایسا نہ کرنے کی پاداش میں اس پر بھاری ٹیکسوں کا بوجھ لاد دیا جاتا ہے۔ اور اسے آلاتِ زراعت اور مشینوں کو استعمال کرنے کا بھی حق حاصل نہیں ہوتا۔ دیہات میں خاندان کے سسٹم کو مکمل طور پر توڑ دیا گیا ہے۔ بہت جلد کسان زرعی مزدور بن جائیں گے اور ان کے کام اور ان کی روزمرہ کی زندگی کو صنعتی مزدوروں کی طرح مکمل طور پر کنٹرول کر لیا جائے گا۔ (۱۵)

ایک اور نامہ نگار مسٹر جون میکیکارمک مارچ ۱۹۵۱ء کو وی۔ آنا سے اطلاع دیتا ہے کہ ہنگری کی کمیونسٹ پارٹی اجتماعی کاشت کے حق میں مسلسل اور متواتر دباؤ ڈال رہی ہے اور اس مقصد کے لئے پروپیگنڈہ بھی پورے زور کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔ اصولی طور پر مشترکہ کھیتوں کی رکنیت رضاکارانہ تھی۔ لیکن جو لوگ اس سے انکار کرتے تھے انہیں کلک قرار دے دیا جاتا تھا اور کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر یا تو انہیں جیل بھیج دیا جاتا تھا۔ یا بھاری بھر کم جرمانے کر دئے جاتے تھے۔ مسٹر بدنپ کا کہنا ہے کہ کامریڈ رکوسی نے دریافت کیا۔

"کلکوں کا کیا کیا جائے ؟" اسے جواب ملا کہ "یہ احتیاط برتنی چاہیے کہ وہ بھرتی نہ ہوں۔ وہ بری خصلت والے ہیں اور لوگوں کو ایک دوسرے سے لڑا دیتے ہیں"۔ (١٦)

صرف یوگوسلاویہ میں جو سوویٹ غلامی سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا مشترکہ کاشت کے نظام کو ناکام قرار دے کر رفتہ رفتہ خیرباد کہا جا رہا ہے۔ کروشیا کے وزیر اعظم ڈاکٹر بکارک کا کہنا ہے کہ مشترکہ کھیتوں کا سوویٹ نظام زراعت کی ترقی میں مزاحم ہوتا ہے، کاہلی کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور مشترکہ جائیداد کو ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی ہمت افزائی بھی کرتا ہے۔ اس کے مطابق ایام محنت کا نقدی اور جنس کی صورت میں معاوضہ دینے کا طریقہ اور ممبروں اور مشترکہ کھیتوں کے درمیان تجارت کا طریقہ دونوں ہی غلط ہیں اور بریگیڈ بنانے کا طریقہ بری طرح ناکام ہو چکا ہے۔ مویشیوں کی لاگت میں چارے کو شامل نہیں کیا جاتا اور فصلوں کی لاگت کا اندازہ لگاتے وقت کھاد کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اس سسٹم میں دوسروں کو بدنام کرنے والے لوگ فائدے میں رہتے ہیں"۔ (١٧)

آزادی کا خاتمہ

طبقات کو فنا کرنے اور اجتماعی کاشت کے سلسلے میں روسی طریقوں کی نقالی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ سوویٹ زندگی کے دوسرے گھناؤنے پہلو بھی اپنائے گئے ہیں۔ مثلاً جبراً اقبال جرم، مصنوعی عدالت اور روزمرہ کی زندگی کا کنٹرول۔ مثال کے طور پر بلغاریہ کے پیٹکوف نے فروری ۱۹۴۷ء کو دوبارہ گرفتار ہونے سے پہلے اعلان کیا: "وہ نام نہاد اقبالی بیان جن پر میں نے ملیشیا کی قید میں دستخط کئے تھے جس طریق پر حاصل کئے گئے، اس کی وضاحت یہاں میں نے تفصیلی طور پر اسمبلی میں کر دی ہے۔ اگر اب میری گرفتاری کے بعد میرے کسی اقبالی بیان کو شائع کیا جائے تو وہ میرا نہیں ہوگا اور نہ اس میں میری آزادانہ رضا کو کوئی دخل ہوگا"۔ (١٨) یہ غریب شخص حق بجانب تھا۔ اپنی دوبارہ گرفتاری

کے بعد اسے شدید تر جرائم کے ارتکاب کا اقبال کرنا پڑا۔ عدالت ایک مذاق بن گئی تھی۔ مثلاً رومانیہ کے چیف پبلک پراسی کیوٹر نے ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو کہا "پیشہ ور ججوں کو عوامی اسیسروں سے طبقاتی جنگ کے نقطۂ نگاہ سے کاروائی کا سبق حاصل کرنا چاہئے۔ اور نام نہاد قانون پرست ذہنیت سے نجات حاصل کرنی چاہیئے" ہنگری کے وزیر انصاف مسٹر ڈائی نے اعلان کیا: "ججوں کے بینچ کو اب مارکسزم لینن ازم کی آئیڈیالوجی کو اپنا لینا چاہیئے۔ ان دونوں ثبوت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ یہ ہے کہ ملزم کا سیاسی رجحان کیا ہے؟" ان اصولوں کا اطلاق کس طرح ہوتا ہے؟ ہنگری کے ایک گھوسی کو اس الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا کہ وہ "مقامی کلکوں کو وائس آف امریکہ کی دروغ بیانیاں سناتا تھا۔" (۱۹) ایک اور موقعہ پر ایک حجام کو اس بنا پر ملزم گردانا گیا کہ وہ "اپنے گاہکوں کے کان میں غیر جمہوری دھنیں ڈالا کرتا تھا" (۲۰)

کمیونسٹ انصاف کے ان درخشاں موتیوں پر نگاہ ڈالنے کے بعد آدمی اس حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ آخر یہ انصاف ہے کیا چیز؟ کوسٹوف کا کہنا ہے کہ سوویٹ حکومت کے طرز عمل کا فیصلہ صرف مصلحت پر منحصر تھا لیکن عوامی جمہوریتوں میں جو کچھ کیا گیا وہ درجۂ قانون کے مطابق کیا گیا۔ اس قول کی بنا پر اسے سرزنش کی گئی اور اس کے مقابلے میں یہ دلیل دی گئی کہ دونوں جگہ "مصلحت اور قانون پر جدلیاتی وحدت کے ماتحت عمل ہوتا ہے۔ مصلحت قانون کے اصل جوہر کی ترجمانی کرتی ہے۔ مصلحت اور قانون میں تضاد پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سپرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کی آئینی حیثیت سے انکار کیا جائے۔ اس کا مطلب انقلابی مصلحت کو لاقانونی کا نام دینا ہے۔ یہ مکمل غلط بیانی ہے جو سیاسی طور پر نقصان دہ ہے" (۲۱)

بالٹک ممالک کے عوام کو سوویٹ سانچے میں ڈھالنا

کسانوں کو غلام بنانے والے سوویٹ نظام کو بالٹک ممالک پر بھی ٹھونسا گیا۔ جنگ

کے فوراً بعد کے زمانے میں جب سوویٹ یونین کا انداز اتنا ادعائی نہیں تھا اور مشرقی یورپ میں متحدہ محاذوں اور اتحادی کنٹرول کمیشنوں کو برداشت کیا جا رہا تھا، اجتماعیت کے حامیوں نے اپنا ہاتھ روکے رکھا اور ممالک بلقان کی طرح یہاں بھی اس بات سے انکار کیا کہ وہ اجتماعیت کو ٹھونسنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ۱۹۴۸ء کے بعد صورت حال تبدیل ہو گئی لیکن اس سے پہلے کے زمانے کو بھی متعدد اقتصادی قوانین پاس کر کے اجتماعی کاشت کے لئے میدان ہموار کرنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ مثال کے طور پر زمین کو اتنے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا کہ ان کی آزادانہ کاشت ناممکن ہو گئی۔ یہ انقلاب کا "کسانوں کو زمین دو" کا مرحلہ تھا۔ لیکن آخر میں کامنفارم کے ریزولیوشن کے بعد ۱۹۴۸ء کے موسم بہار کی فصل بونے سے پہلے اجتماعیت کی مہم کا آغاز کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی جلاوطنیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ عمل ایک سال تک جاری رہا۔ جلاوطنیوں کے طفیل ہر اُس خاندان سے نجات مل گئی جسے کلک قرار دینا تھا۔ یہ لوگ اس قابل نہیں تھے کہ انہیں جذب کیا جائے بلکہ انہیں ایک طبقے کی حیثیت سے ختم کرنا ہی مقصود تھا۔ اس بے رحمانہ مہم کے نتیجے کے طور پر نومبر ۱۹۴۹ء تک اجتماعیت کو اسٹونیہ میں ۷۰ فیصدی، لٹویہ میں ۸۶ فیصدی اور لتھونیا میں ۵۰ فیصدی مکمل کر لیا گیا۔

سوویٹ بیانوں میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اجتماعیت "رضاکارانہ" تھی لیکن ہم خوب جانتے ہیں کہ جب یہ لفظ کمیونسٹوں کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس کا مطلب کیا ہوتا ہے۔ بالٹک اخبار کلکوں کے عناد کی کہانیوں سے پڑے ہیں اور یہ کہانیاں اجتماعی کاشت کے حامیوں کے اس بیان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں کہ اجتماعیت رضاکارانہ تھی۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ان ممالک میں جو کچھ ہوا وہ ایک مختصر پیمانے پر اس خونی جدوجہد کا اعادہ تھا جو سوویٹ روس میں اجتماعیت کا حصہ تھی۔ اگر کوئی فرق تھا تو صرف اتنا کہ بالٹک ممالک کے کسانوں کی مشکلات زیادہ تھیں، اس لئے وہ زیادہ آسانی کے ساتھ مغلوب

ہو گئے۔ اکانومسٹ کی ایک اطلاع کے مطابق جس کے "خذروسی تھے اور شہادتوں کی براہ راست شہادت سے بھی اس کی پوری پوری تصدیق ہوتی ہے" بالٹک کے لاکھوں باشندوں کو سوویٹ یونین کے اندرونی حصوں خصوصاً کومی ری پبلک اور مشرقی سائبریا میں بھیجا جاچکا ہے۔ صرف لیتھونیا کے ۸۰ ہزار باشندے "رضاکارانہ" طور پر سوویٹ یونین چلے گئے۔ ٹاتن کی آبادی میں کافی کمی ہو گئی" (۲۲)

روس اور ممالکِ بلقان میں اجتماعیت کا مفہوم بالکل ایک ہے۔ زیادہ سے زیادہ زائد پیداوار حاصل کرنے کے لئے شدید سے شدید اجتماعیت۔ لٹویہ کی وزراء کی کونسل کا ڈپٹی چیرمین آئی پوزدولن کہتا ہے "کسانوں نے چار ہزار مشترکہ کھیت قائم کئے ہیں۔ اسی فیصدی کسان گھرانے مشترکہ فارموں کے ممبر ہیں۔ سوویٹ لٹویہ نے اناج کے حصول کی اسکیم کو مقررہ وقت سے پہلے پورا کر دیا ہے۔ اس کامیابی کی وجہ وہ تاریخی تبدیلی ہے جو موجودہ سال میں لٹویہ کے دیہاتوں میں رونما ہوئی ہے" (۲۳)

اسی طرح جمہوریت لٹویہ کے زرعی مزدوروں نے سٹالن کو جو خط لکھا ہے اس میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ سنہ ۱۹۵۰ء میں لٹویہ کے مشترکہ فارموں نے سنہ ۱۹۴۹ء کے مقابلے میں ۸۸۳۸۰ پوڈس اور ۱۹۷۲۰۰۰ چقندر زیادہ سپلائی کئے۔ (۲۴)

اسٹونیہ کی ری پبلک میں بھی رونما واقعات کی رفتار بالکل یہی تھی۔ اس ری پبلک کی وزراء کی کونسل کا چیرمین اے۔ ویبر کہتا ہے "سنہ ۱۹۴۸ء کے موسم بہار میں اسٹونیہ میں ۵۹ مشترکہ کھیت تھے۔ اب مشترکہ کھیتوں کی تعداد ۲۹۷۵ ہے۔ تقریباً تین چوتھائی کسانوں کو چھوٹے پیمانے پر کاشت کرنے والے چھوٹے کسانوں کی بجائے اجتماعی سوشلسٹ کاشت کرنے والے کسانوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ کسانوں پر سیاسی اور اقتصادی کنٹرول کو مضبوط بنانے کے لئے مشین ٹریکٹر سٹیشن قائم کئے گئے ہیں۔ چیرمین کا کہنا ہے کہ "اس سال پندرہ نئے مشین اور ٹریکٹر اسٹیشن قائم کئے گئے" (۲۵)

آٹھواں باب

بین الاقوامی کمیونزم کیلئے روسی مثال کی پیروی لازمی ہے (مسلسل)

چین

بدقسمتی سے کمیونسٹ چین کی صورت حال کے متعلق کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں۔ اس واقعے نے صورت حال میں مزید پیچیدگی پیدا کر دی ہے کہ بعض مغربی اخبار نویسوں (مثلاً ایڈگر سنو) نے یہ غلط فہمی پھیلا رکھی ہے کہ ماؤ کی پارٹی ایک کسان پارٹی ہے اور ماؤ صرف ایک کسان لیڈر رہے، جو زرعی اصلاح کے سوا اور کچھ نہیں چاہتا ہم ان معروف اخبار نویسوں کو مورد الزام نہیں ٹھہراتے۔ انہوں نے انقلاب کے ایک مرحلے کو دیکھا اور جو کچھ انہیں نظر آیا یا انہوں نے سنا اُسے قلمبند کر دیا۔ اس مرحلے اور آئندہ مرحلے میں ربط پیدا کرنے کی انہوں نے ضرورت محسوس نہیں کی۔ مزید برآں ان لوگوں کے ہاتھوں دھوکا کھا جانا کچھ عجب بھی نہیں، جنہوں نے فریب دہی کو ایک سائنس اور ایک باقاعدہ نظام کی شکل دے رکھی ہے۔ اور جو لوگ شریفانہ اور ایماندارانہ طور طریقوں میں یقین رکھتے ہیں ان کے لئے یہ بات اطمینان اور خوشی کا باعث بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ ایسے لوگوں سے ہمہ وقت خبردار رہیں جن کا عمل ان اقدار کے مکمل فقدان کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

ایک بار زینو دیف نے کہا تھا: "کسانوں کے منصب کا مسئلہ بولشوازم اور لینن ازم کا بنیادی مسئلہ ہے۔" سٹالن نے اس بنا پر سے سرزنش کی اور کہا کہ اس کا نظریہ اتنا ہی غلط ہے جتنی وہ تعریف جو اس نے لینن ازم کی کی ہے جو اس نے مزید کہا کہ "اگر لینن کسان مسئلے کی

وضاحت پیرو لتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ کے اصول وعمل کی بنیاد کی بجائے اس نظریے سے الگ کسی اور بنیاد پر کرتا تو وہ پرولتاریہ کا عظیم نظریاتی لیڈر نہ بنتا ـــ جیسا کہ وہ درحقیقت تھا ـــ بلکہ صرف ایک کسان فلاسفر بن کر رہ جاتا جیسا کہ غیر ملکی ادبی نقاد اکثر اسے قرار دیتے ہیں۔" (۱)

اسی طرح "غیر ملکی ادبی نقادوں" نے ماؤ سی تنگ کو بھی صرف ایک سادہ کسان فلاسفر بنا کر پیش کیا ہے۔ اور اس حیثیت سے پیش کیا جانا ماؤ سی تنگ کو لازمی طور پر ناگوار ہوگا۔* اس نے متعدد بار یہ اعلان کیا ہے کہ وہ سٹالن کو کمیونزم کا لیڈر تسلیم کرتا ہے، اور خالص سٹالنی کمیونزم کے ماسوا کوئی اور کمیونزم اس کے نزدیک صحیح نہیں۔ حال ہی میں ینن کے ایک جلسے میں اس نے سٹالن کی اس خوشامدانہ انداز میں تعریف کی تھی: "یہ ایک عظیم واقعہ ہے کہ انسانیت کو

---

* جہاں تک ماؤ سی تنگ کو صرف "ایک زرعی ریفارمر" قرار دینے کا تعلق ہے سرخ چین کا مؤثر ترین مبلغ ایڈگر سنو کہتا ہے: "ماؤ سی تنگ کے مارکسزم پر جو حملے کئے جاتے ہیں وہ ان کی مطلق پروا نہیں کرتا۔ اس قسم کے حملوں کے متعلق وہ مسکرا کر کہے گا کہ اگر اس سے ان لبرلوں کے جذبات کا تناؤ کم ہوتا ہے جو چین کے حامی اور سٹالن کے مخالف کہلانا چاہتے ہیں تو وہ اسے جو نام بھی چاہیں دے سکتے ہیں۔"

۱۹۴۵ء میں یہی نکتہ ایک غیر ملکی نامہ نگار نے چاؤ ین لائی کے سامنے بھی اٹھایا تھا۔ جس کا اس نے مندرجہ ذیل جواب دیا تھا: "ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں کہ بھوتنی کے بچے ہمارے متعلق کیا رائیں مقرر کرتے ہیں۔ بشرطیکہ یہ رائیں ہمارے انقلاب کے لئے مفید ہوں۔" معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں کرانجیا کمارآپا اور ڈاکٹر وی کے آر جی راؤ کی قماش کے لوگ "بھوتنی کے بچوں" کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں، جو ہندوستان میں چین کی کمیونسٹ پارٹی کے متعلق غلط تصورات کو فروغ دے رہے ہیں۔

سٹالن میسّر ہے۔ جب تک ہمیں سٹالن میسّر ہے ہر چیز ٹھیک چلتی رہے گی۔ اگر سٹالن نہ ہوتا تو کون تمہاری رہنمائی کرتا۔ یہ واقعی خوش قسمتی ہے کہ وہ ہمیں میسّر ہے۔ اب دنیا میں سوویٹ روس ہے، کمیونسٹ پارٹی ہے اور سٹالن ہے۔ اب دنیا ٹھیک طرح چل سکتی ہے۔" (۲)

ماؤ سی تنگ کی پارٹی روسی سیاست کے پُر پیچ راستوں پر مکمل وفاداری کے ساتھ چلی ہے۔ اس نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جن کی سٹالنی حکومت نے مذمت کی اور اس کے ممدوحین کی مدح سرائی میں بھی اس نے کوئی کمی نہیں کی۔ اس نے جبری مشقت کے کیمپ قائم کئے ہیں، جبری اقبالی بیان حاصل کئے ہیں اور خالص روسی انداز پر مصنوعی مقدمے بھی چلائے ہیں۔ اس نے تمام مخالف پارٹیوں کو کچل دیا ہے، اور ٹراٹسکائی ڈاکوؤں اور دوسرے گمراہوں کی طرح متعدد کامریڈوں کو کسی نہ کسی گمرہی کے الزام میں موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ چین کی کمیونسٹ پارٹی نے اقتدار اور قوت اس نعرے سے حاصل کی ہے کہ "کاشتکاروں کو زمین دو" لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ کمیونسٹ نعرے ہمیشہ گمراہ کن ہوتے ہیں۔ کاشتکاروں کو زمین دینے کا نعرہ پاکیزہ جذبات کا مظہر ہے اور بسا اوقات اسے عملی جامہ پہنانا مفید ہوتا ہے۔ بالخصوص ایشیائی ممالک میں جہاں جاگیرداری اب تک قائم ہے لیکن کسی کو یہ بھولنا نہیں چاہیئے کہ جب یہ نعرہ کمیونسٹوں کی زبان سے ادا ہوتا ہے تو اس کا مفہوم بالکل مختلف ہوتا ہے۔ جب کمیونسٹ یہ نعرہ بلند کرتے ہیں تو اس کی حیثیت ایک چال سے زیادہ نہیں ہوتی جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک طبقے کو مفلوج بنایا جائے، دوسرے کی ہمدردیاں حاصل کی جائیں، اور تیسرے کو اچھوت بنا دیا جائے۔ یہ نعرہ انقلاب کے صرف ایک مرحلے کے لئے ہوتا ہے اور آئندہ مرحلے کے ساتھ جس میں جہاد کے ساتھی بدل جائیں گے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ افسوسناک ہے کہ قوم پرستوں نے جاگیرداری کو ختم کر کے اور کسانوں میں زمین بانٹ کر وقت کی ضرورت کو پورا نہیں کیا لیکن یہ کہیں زیادہ افسوسناک ہے جیسا کہ اب کسانوں کو احساس ہو رہا ہے کہ وہ کمیونسٹوں کے زمین کی تقسیم کے نعرے سے دھوکا کھا گئے حالانکہ یہ نعرہ صرف ایک "عبوری تجویز" تھا جسے موقع ملتے ہی منسوخ ہو جانا تھا۔

چینی کمیونزم کی پرولتاری حیثیت

ماؤ سی تنگ اور اس کی پارٹی نے کمیونزم کے لینن سٹالنی اڈیشن کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ وہ اس کی جزئیات کی حد تک پیروی کرتے ہیں۔ وہ کمیونسٹ انقلاب کی پرولتاری نوعیت اور ان مراحل پر جن سے پرولتاری انقلاب کو گزرنا ہے، پورا پورا ایمان رکھتے ہیں۔ ماؤ سی تنگ کا کہنا ہے کہ "کمیونزم فکر کا پرولتاری نظام ہے۔" (۳)۔ یہ ٹھیک ہے کہ پارٹی کی بہت سی شاخیں دیہات میں ہیں اور "پارٹی کے ممبروں کی بہت بڑی اکثریت کسانوں اور نیم بورژوا دانشوروں پر مشتمل ہے۔" لیکن اس سے اس حقیقت میں فرق نہیں پڑتا کہ "یہ پارٹی پرولتاریہ کی سیاسی پارٹی ہے۔" یہ بات بالکل قدرتی ہے کہ پارٹی میں غیر پرولتاری عناصر کی موجودگی نے بعض اوقات اہم مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ مثلاً "پارٹی کے اندر چھوٹے کاشتکاروں کے نظریات کا کافی حد تک پرتو" بسا اوقات ان نیم بورژوائی عناصر کی د... سے جاگیردارانہ نظریئے بھی پارٹی کی صفوں میں بار پا جاتے ہیں۔ پارٹی میں "انفرادیت کیشی جتھے بندی اور سیاسی اور تنظیمی مصلحت کوشی کی بنیاد بھی" یہی عناصر ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ان نظریات اور ذہنی کیفیتوں کو جو پرولتاری نظام فکر کے لئے بالکل اجنبی ہیں، بے دردی سے مٹا دیا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ پارٹی "موقعہ پرستوں، شکست خوردہ ذہن رکھنے والوں اور بلاوجہ گڑبڑ کے حامیوں کے خلاف مناسب اور غیر مختتم جنگ کرے اور جو لوگ اپنی غلطیوں پر مصر ہوں انہیں نکال باہر کرے۔" (۴)

انقلاب کے مرحلے

پرولتاری انقلاب کے دو مرحلے ہوں گے۔ ماؤ سی تنگ اس نکتے کو دو ٹوک لفظوں میں بیان کرتا ہے: "چین کا انقلاب دو مرحلوں میں تقسیم کیا جانا چاہیئے۔ پہلا

مرحلہ نئی جمہوریت ہے اور دوسرا سوشلزم ہے"(۵) اس کے نزدیک پہلا مرحلہ یہ ہے کہ نوآبادیاتی اور نیم جاگیردارانہ سماج کو ایک آزاد جمہوری سماج میں تبدیل کیا جائے' اور دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ "سوشلسٹ سماج کے قیام کے لئے انقلاب کو آگے بڑھایا جائے"(۶) چین کی کمیونسٹ پارٹی کے آئین میں بھی ان مرحلوں کا ذکر ہے۔ فی الحال مقصد "نئی جمہوریت کے نظام" کا قیام ہے۔ دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ "سوشلزم اور کمیونزم کا نظام"(۷) قائم کیا جائے۔ بسا اوقات ایسے لوگ جو کمیونسٹ نظریئے سے واقف نہیں' دونوں مرحلوں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ ماؤسی تنگ انہیں" بدطینت پروپیگنڈسٹوں" کا نام دیتا ہے۔ نئی جمہوریت کے دور میں صرف بڑے بڑے بینکوں' بڑی بڑی صنعتوں اور بڑی بڑی بزنسوں یا ان اداروں کو جنہیں کمیونسٹ اقتصادی زندگی کے "مقتدر بنیاد" قرار دیتے ہیں سٹیٹ کی ملکیت بنایا جائے گا ، حکومت نہ تو سرمایہ داروں کی ذاتی جائداد کو ضبط کرے گی اور نہ سرمایہ دارانہ پیداوار کی ترقی پر جو" عوام کی زندگی پر تسلط قائم نہیں کر سکتی" پابندی لگائے گی۔ دوسرے مرحلے میں "کسانوں کو تعلیم دینا" ضروری ہے' جو ایک مشکل اور اہم مسئلہ ہے"۔ ماؤسی تنگ کہتا ہے" سوویٹ یونین کا تجربہ بتاتا ہے کہ" زراعت کو سوشلزمی بنانا کافی مشکل کام ہے اور اس میں بہت وقت لگتا ہے۔ زراعت کو سوشلزمی بنائے بغیر سوشلزم کی تکمیل اور استحکام ممکن نہیں"۔(۸)

فی الحال پارٹی نئی جمہوریت کے پروگرام کو عملی جامہ پہنا رہی ہے۔ جس کے متعلق ماؤسی تنگ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ ڈاکٹر سنیت سین کے سان من چو کے پروگرام سے مشابہ ہے جس پر اس نے ۱۹۲۴ء میں نظرثانی کی تھی۔ اس مماثلت سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ دونوں پارٹیوں اور دونوں نظریوں کے درمیان متحدہ محاذ ممکن ہے۔

لیکن یہ مماثلت یہیں تک ہے۔ اس کے بعد اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ ایک اختلاف ماؤسی تنگ کے لفظوں میں "انقلاب کو عملی جامہ پہنانے میں عزم صمیم کا فرق ہے"

کمیونسٹ انقلاب کی تکمیل عزم صمیم سے کرتے ہیں۔" دوسرا فرق " کائنات کے تصور کا فرق ہے" اور تیسرا فرق "جو دو مرحلوں سے " تعلق رکھتا ہے کمیونزم کے دو پروگرام ہیں۔ ایک کم سے کم اور ایک زیادہ سے زیادہ۔ یہ دونوں پروگرام "کمیونسٹوں کے تمام نظام فکر کے دو لازمی حصے ہیں"۔(۹) نئی جمہوریت "صرف کم سے کم پروگرام ہے۔ سوشلزم کی تعمیر کا زیادہ سے زیادہ پروگرام نہیں"۔

پرولتاریہ کی حکمرانی

لیکن انقلاب کا کوئی بھی مرحلہ ہو اور دوسری پارٹیوں کے ساتھ خواہ کوئی بھی اتحاد کیا جائے، پرولتاریہ کی حکمرانی یقینی ہونی چاہیئے۔ سٹالن کا کہنا ہے کہ کوئی اتحاد "صرف اس شرط پر قابل جواز ہو سکتا ہے اگر اس اتحاد کی قوت رہنما پرولتاریہ ہو۔" اسی طرح انقلاب کے تمام مرحلوں میں بھی پرولتاریہ کی حکمرانی لازمی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جدوجہد کے دوران جو قیادت حاصل ہوتی ہے وہ پختہ ہو کر سٹیٹ کی حکمرانی کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ سٹالن انقلاب کے مختلف مرحلوں کی قیادت اور پرولتاریہ کی ڈکٹیٹرشپ کے باہمی تعلق کی وضاحت کرتا ہے۔ اور یہ وضاحت آخری اور فیصلہ کن ہے: "بورژوا انقلاب میں جس کے دوران پرولتاری طبقہ کسانوں کے ساتھ اتحاد کرتا ہے، پرولتاریہ کی سرداری سوشلزمی انقلاب کے دوران پرولتاریہ کی حکمرانی میں تبدیل ہو جائے گی، اور اسی طرح پرولتاریہ اور کسانوں کی جمہوری ڈکٹیٹرشپ پرولتاریہ کی سوشلسٹ ڈکٹیٹرشپ کے لئے میدان ہموار کر دے گی"۔(۱۰)

چین کی کمیونسٹ پارٹی اس تصور کی پوری پوری پابند ہے۔ پارٹی کے آئین میں جو حصہ عمومی پروگرام سے تعلق رکھتا ہے اس میں درج ہے کہ "چین کی کمیونسٹ پارٹی چین کے مزدور طبقے کا منظم ہراول دستہ اور اس کی طبقاتی تنظیم کی اعلیٰ ترین شکل ہے"۔ اگرچہ یہ اپنے عمل کے پروگرام میں پرولتاری ہے لیکن "پارٹی چینی قوم اور چینی عوام کے مفاد کی ترجمانی کرتی ہے"۔(۱۱) پارٹی چینی قوم کے مفاد کی خدمت، چینی قوم کے مختلف حصوں کے ساتھ "اتحادوں" کے ذریعہ

کرتی ہے۔ اس قسم کے تمام متحدہ محاذوں کی "رہنمائی" کمیونسٹ پارٹی کرتی ہے۔ چین کے انقلاب کے موجودہ مرحلے کے متعلق ماؤ سی تنگ ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ "عوامی جمہوری ڈکٹیٹر شپ کی بنیاد مزدور طبقے، کسانوں اور شہری بورژوا طبقے کے اتحاد پر ہے"۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ اضافہ بھی کرتا ہے کہ "عوامی جمہوری ڈکٹیٹر شپ کی رہنمائی لازمی طور پر مزدور طبقے کو ہی کرنی چاہئے" کیونکہ اس کے نزدیک "سامراج کے دور میں کسی ملک میں کوئی اور طبقہ صحیح قسم کے کسی انقلاب کو فتحمندی کی حد تک نہیں لے جا سکتا۔ اس کا ثبوت یہ واقعہ ہے کہ چین کے نیم بورژوا اور قومی بورژوا طبقے نے کئی بار انقلابوں کی رہنمائی کی لیکن وہ سب انقلاب ناکام ہو گئے"۔ ماؤ سی تنگ نے نئی جمہوریت کے جوہر کو تین عناصر کی شکل دی ہے "اول ایک منظم اور تربیت یافتہ پارٹی جو مارکس، اینگلز، لینن اور سٹالن کے نظریئے سے مسلح ہو۔ دوم ایک فوج جس کی رہنمائی یہ پارٹی کرے اور سوم تمام انقلابی پارٹیوں اور گروپوں اور تمام انقلابی عناصر کا ایک متحدہ محاذ، جس کی رہنمائی اس قسم کی پارٹی کرے"۔ (۱۲)

جاگیرداری کا خاتمہ

اس وقت صرف "کم سے کم" پروگرام پر عمل ہو رہا ہے اگرچہ یہ یقینی ہے کہ اس کے بعد "زیادہ سے زیادہ" پروگرام پر بھی عملدرآمد ہوگا۔ عوامی سیاسی مشاورتی کانفرنس کے لفظوں میں جس کا حوالہ لیو شاؤ چی نے دیا ہے، کم سے کم پروگرام اس بات پر مشتمل ہے کہ ایک منظم طریق پر "زمین کی جاگیردارانہ اور نیم جاگیردارانہ ملکیت کے سسٹم کو کسانوں کی ملکیت کے سسٹم میں تبدیل کیا جائے" (۱۳)

اس پروگرام کی تکمیل کے طریقے کو صرف موقعہ اور قیاس پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ اسے ایک باقاعدہ فارمولے کی شکل دے دی گئی ہے۔ یہ وہی آزمودہ فارمولہ ہے جسے کمیونسٹ "سہ گونہ کام" کا نام دیتے ہیں۔ چیرمین ماؤ سی تنگ کے لفظوں میں اس کے زرعی پروگرام کی عمومی

پالیسی حسب ذیل ہے "غریب کسانوں پر بھروسہ کرنا، طبقہ متوسط کے کسانوں کے ساتھ مضبوط اتحاد قائم کرنا اور پرانے ٹائپ کے امیر کسانوں اور جاگیردار طبقوں کی جاگیردارانہ اور نیم جاگیردارانہ لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ کرنا" (۴۲)

اس میں کوئی شک نہیں کہ جاگیرداری کے طفیلی کیڑے کو ضرور ختم کیا جانا چاہیئے۔ لیکن چینی جاگیردار کے ساتھ انصاف برتنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ اس معاملے کی ذرا گہری چھان بین کی جائے کہ درحقیقت وہ تھا کیا؟ اس کی خوشحالی کی جو تصویر پیش کی گئی ہے وہ بڑی مبالغہ آمیز ہے۔ درحقیقت اس کے پاس بہت کم زمین تھی۔ روس میں اس زمین کی بنا پر وہ طبقہ متوسط کا کسان کہلاتا اور اس کا شمار اس گروپ میں ہوتا جس کے ساتھ سٹالن اتحاد کا متمنی تھا۔ چین میں اس زمین نے اسے جاگیردار بنا دیا جسے ختم کرنا ضروری تھا۔ گریٹ سوویٹ انسائیکلوپیڈیا کی ۳۲ ویں جلد میں چینی ماہر اقتصادیات ٹاؤچی فو کا مرتب کیا ہوا ایک نقشہ دیا گیا ہے۔ اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جاگیردار خاندانوں کی تعداد ......۲۴ تھی یعنی ساری آبادی کا ۴ فیصدی حصہ۔ ان کے پاس کل زمین ......۱۰۸ ایکڑ تھی۔ (کل زمین کا ۳۰ فیصدی حصہ) یعنی ہر گھرانے کے پاس کل ۴۵ ایکڑ زمین تھی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ جاگیرداروں کے پاس مجموعی زمین کافی تھی لیکن ان کے پاس انفرادی طور پر کچھ زیادہ زمین نہیں تھی۔ یہ لوگ اگرچہ روسی جاگیرداروں سے کافی مختلف تھے، لیکن ان کے خلاف وہی جذبات بھڑکائے گئے، وہی نعرے بلند کئے گئے اور وہی طریقے اختیار کئے گئے جو روسی جاگیرداروں کے خلاف اختیار کئے گئے تھے۔ ہر روسی جاگیردار کے پاس اوسطاً ۵ ہزار یا ۶ ہزار ایکڑ زمین تھی اور چینی جاگیردار کے پاس ۴۵ ایکڑ۔ چینی کمیونسٹ ذرائع کے مطابق جاگیردار خاندانوں کی تعداد ......۴۲ ہے۔ اس لئے ہر خاندان کے پاس اوسط زمین اور بھی کم رہ جاتی ہے یعنی کل ۲۷ ایکڑ۔

سوویٹ روس میں جاگیرداروں کی تعداد نسبتاً بہت کم تھی یعنی ۳۰ ہزار۔ لیکن چین میں ان کی تعداد ۴۰ لاکھ ہے۔ اگر ان کے خاندان کے ممبروں کو بھی شامل کر لیا جائے تو یہ تعداد ۸۰ لاکھ

بن جاتی تھی۔ مارکس کا خیال تھا کہ انقلاب کا مطلب یہ ہے کہ صرف چند لوگ جنہوں نے دوسروں کو جائیدادوں سے محروم کر رکھا ہے جائیدادوں سے محروم ہو جائیں گے۔ لیکن یہاں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو جسے مارکسزم کی رو سے کسی طرح بھی دوسروں کو جائیداد سے محروم کرنے والا قرار نہیں دیا جاسکتا اور جو اس طبقے کے تمام وسائل اور اس کی تاریخی اہمیت سے محروم ہے جائیداد سے محروم کر دیا گیا ہے۔

"امیر" کسانوں والا اقتصادی نظام "برقرار" رہے گا

اس وقت زور اس بات پہ دیا جا رہا ہے کہ کم از کم کچھ عرصے کے لئے امیر کسانوں والا اقتصادی نظام برقرار رکھا جائے گا۔ لیو شاؤ چی نے مرکزی عوامی گورنمنٹ کو ۱۴ر جون ۱۹۵۰ء کو جو رپورٹ پیش کی تھی اس میں درج تھا "نئی جمہوریت کے سارے دور میں امیر کسانوں والے اقتصادی نظام کو برقرار رکھا جائے گا۔ اس اقتصادی نظام کے خاتمے کی ضرورت اسی وقت پیش آسکتی ہے جب مشینی زراعت کے وسیع استعمال، مشترکہ کھیتوں کے قیام اور دیہی علاقوں میں سوشلسٹ اصلاح کے پختہ امکان پیدا ہو جائیں۔ اس کے لئے کافی وقت درکار ہے۔" (۱۵) یہ ٹھیک ہے کہ ماضی میں امیر کسانوں کو پریشان کیا جاتا رہا ہے اور ان کی زمین اور "زائد پیداوار" کو ضبط کیا جاتا رہا ہے لیکن اب یہ سارا سلسلہ بدل جائے گا۔ لیو شاؤ چی دریافت کرتا ہے "آخر ہم نے ماضی میں کسانوں کو یہ اجازت کیوں دی کہ وہ زرعی اصلاح کے دور میں امیر کسانوں کی زائد زمین اور جائیداد پر قبضہ کر لیں۔ اور اب ہم زرعی اصلاح کے آنے والے دور میں امیر کسانوں والے اقتصادی نظام کو برقرار رکھنے کی حمایت کیوں کرتے ہیں؟" (۱۶) وہ خود ہی اس کا جواب دیتا ہے کہ اس کا مقصد "عوامی انقلابی جنگ میں شرکت اور اس کی حمایت اور امریکی سامراج کی مدد سے قائم شدہ چیانگ کائی شیک کی حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے کسانوں کے انقلابی اُتساہ کو اُبھارنا تھا۔" (۱۷)

اسی طرح کامریڈ ماؤ نے ۶ر جون کو کہا "امیر کسانوں کے متعلق ہماری پالیسی تبدیل ہونی چاہیئے۔ امیر کسانوں کی زائد زمین اور ان کی جائیداد پر قبضہ کرنے کی بجائے ہمیں امیر کسانوں والے اقتصادی نظام کا تحفظ کرنا چاہیئے۔ تاکہ دیہی علاقوں میں پیداوار کی بحالی ہوسکے اور اس میں اضافہ کیا جاسکے" (۱۸)

دیہات کی نو آبادیاتی لوٹ کھسوٹ اور صنعتیت

یوشاؤچی ہمیں یاد دلاتا ہے کہ زرعی اصلاح کا مقصد فراخدلی اور انسانیت دوستی نہیں بلکہ اقتصادی ہے۔ موجودہ پالیسی کے دو اسباب بتائے گئے ہیں (الف) پیداوار بڑھانا اور (ب) آئندہ صنعتیت کے لئے سہولتیں پیدا کرنا۔ اس موضوع پر "پیپلز چائنا" کے شمارہ ۱۱-۶ مطبوعہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۵۰ء میں کسی شخص ہس ان جن کا ایک انکشاف انگیز مضمون شائع ہوا ہے مصنف کا کہنا ہے کہ موجودہ زرعی اصلاح ملک کی منصوبہ بند صنعتی ترقی کی بنیاد ہے صنعتی ترقی کے لئے سازگار چیزیں یہ ہیں: "خام مال کی پیداوار میں اضافہ، مارکیٹوں کی توسیع، سرمائے کا ارتکاز اور لیبر فورس کی فراہمی" (۱۹) یہ تمام چیزیں دیہات مہیا کریں گے۔

اس کا مطلب ہے جیسا کہ ہم سوویٹ روس میں دیکھ چکے ہیں۔ اناج کا جبری حصول، کسانوں کے حق میں ناموافق مصنوعی قیمتوں کا تقرر اور بالآخر مشترکہ کاشت۔ فوری صنعتی ترقی کے لئے اناج کے جبری حصول پر عملدرآمد کمیونسٹ چین میں شروع ہوچکا ہے۔ ہس ان جن کا کہنا ہے کہ "کسانوں کی زائد محنت سے پیدا شدہ دولت کا ایک بہت بڑا حصہ رفتہ رفتہ صنعتی سرمائے میں تبدیل ہو رہا ہے۔ اس کے لئے دو طرفہ عمل ذمہ دار ہے۔ شہر اور دیہات کی تجارت اور روز افزوں کوآپریٹو سسٹم" (۲۰) وہ مزید کہتا ہے "حکومت کے عائد کردہ ٹیکس جنہیں کسان اپنی زائد پیداوار کے کچھ حصے سے ادا کرتے ہیں زیادہ تر پیداوار بڑھانے کے کام ہی آتے ہیں بسنہ ۱۹۵۰ء کے دوران مرکزی عوامی گورنمنٹ نے پیداوار بڑھانے پر ۳۹۰۰۰۰ ٹن اناج

صرف کیا۔ گویا کل قومی پیداوار کا ۲۳ فیصدی حصہ۔ چین کا شمال مشرقی حصہ اقتصادی تعمیر جدید پر ۶۶۵۰۰۰۰ ٹن اناج خرچ کر رہا ہے۔ اس میں ۵۰۰۰۰۰ ٹن صنعتی ترقی میں لگایا گیا یہ ۱۹۵۰ء کے کل خرچ کا ۴۰ فیصدی حصہ تھا۔" (۲۱)

کسانوں سے حاصل کیے گئے اناج کی مقدار کے متعلق صحیح اعداد و شمار میسر نہیں۔ لیکن اگر روسی تجربے کی بنا پر کوئی رائے قائم کی جا سکتی ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ حاصل کیے جانے والے اناج کی مقدار میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جو تھوڑی بہت اطلاعات حاصل ہیں ان سے اس نتیجے کی تصدیق ہوتی ہے۔ چن چن کاؤ اور چانگ ہاؤ جان ہمیں ایک مضمون میں بتاتے ہیں: "قومی تعمیر کے کام میں بہ سرعت ترقی اور اناج ٹیکس کی وصولی کے نئے واقعات کے پیش نظر یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ ٹیکس کی وصولی کے سلسلے میں ہماری سابقہ کامیابیاں اور تجربے کافی نہیں ہیں وصولی کا ایک مکمل نظام تیار کرنا پڑے گا۔" (۲۲) کوان ٹنگ کی صوبائی حکومت نے جو ہدایت جاری کی اس سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۵۱ء کے ٹیکس کا تخمینہ ۱۹۵۰ء سے زیادہ ہے (۲۳) ہمیں بتایا گیا ہے کہ کسان زیادہ سے زیادہ ٹیکس ادا کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح روسی کسان اناج کی ادائیگی کا کوٹہ بڑھانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پیپلز چائنا کا کہنا ہے کہ "اندرون منگولیا کے کسانوں نے اپنے کوٹے سے ۵ فیصدی زائد اناج دیا اور شمال مغربی چین میں کسانوں نے ۱۳ فی صدی ٹیکس زائد ادا کیا۔"

اسی اخبار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ "جب بھی ٹیکسوں کی ادائیگی کا وقت آتا ہے تو اناج کی وصولی کی مہم ایک بہت بڑی عوامی تحریک کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ خاندان، امداد باہمی کے گروپ، دیہات اور اضلاع فراہمیٔ اناج کے سلسلے میں "معیاری" کا خطاب حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سرگرم مقابلہ کرتے ہیں۔" (۲۴) *

---

* چین میں اناج کی وصولی آسان کام نہیں ہوتی۔ اس کے لئے کافی بے رحمی اور جسمانی تشدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ این سی این اے نے ۲۷ جنوری ۱۹۵۲ء کو پیکنگ سے جو اطلاع دی ہے اس سے پتہ (باقی صفحہ ۱۷۵ پر)

حصول اناج کے طریقوں میں اگرچہ اصلاح کی جا رہی ہے لیکن کمیونسٹ اقتدار اور پیداوار دونوں کا تقاضا ہے کہ انفرادی تاجروں، کاشتکاروں اور کسانوں کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ایک طرح کی نئی اقتصادی پالیسی کو اپنا لیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جاگیرداروں اور ملکوں تک کی صنعتی کارخانہ داروں کی حیثیت سے حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے۔ حالانکہ ان ہی لوگوں کو زراعت سے بے دخل کیا جا رہا ہے۔ چانگ ین نے خبردار کیا ہے کہ "بعض دیہاتی عوام اور کارندے مکمل مساوات" کے بورژوائی تصور کے ابھی تک غلام ہیں جسکی وجہ سے جاگیردارانہ انتفاع کو سرمایہ دارانہ انتفاع سے خلط ملط کر دیتے ہیں۔ اول الذکر کو ملیا میٹ کرنا ضروری ہے لیکن ثانی الذکر کو نئی جمہوریت کے دور میں ملیا میٹ کرنا مقصود نہیں۔ اگرچہ اس پر پابندیاں ضرور لگیں گی بعض انتہائی حالتوں میں پارٹی کی تقسیم زمین کی پالیسی کو غلط طور پر استعمال کرنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ صنعت اور تجارت میں تعطل پیدا ہو گیا ہے۔" (۲۵)

(صفحہ ۱۷۴ کا بقیہ نوٹ) چلتا ہے کہ اس سلسلے میں شدید ہنگامے ہوتے رہتے ہیں جن کے دوران متعدد انسانوں اور مویشیوں کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ ۱۹۵۲ء میں صرف کیرن کے صوبے میں اناج کی وصولی کے سلسلے میں ۱۲۳ اشخاص ہلاک ہوئے۔ ینن گن سٹین میں اوسطاً ہر ۲۲۵۲ ٹن اناج کی وصولی کے لئے ایک شخص ہلاک ہوا۔ ہونان، ہوپے اور کیانگسی کے مرکزی دکنی علاقے کے نامکمل اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ حاصل شدہ اناج کو گوداموں تک پہنچانے کے سلسلے میں ۱۳۰ اشخاص کی جانیں گئیں۔ اور ۶۹ زخمی ہوئے۔ صوبہ کیوچے کے نامکمل اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ اسی عمل کے سلسلے میں وہاں ۷۵ اشخاص ہلاک یا زخمی ہوئے۔ این سی این اے کی رپورٹ میں مزید درج ہے کہ "عمال حکومت کے سامنے صرف یہ سادہ اصول ہوتا ہے کہ کام کو جلد سے جلد ختم کیا جائے لہٰذا وہ اناج کی فوری فراہمی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ کسانوں سے ان کی عمر اور صحت سے قطع نظر بالجبر مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ بلا تاخیر جلد اناج دے دیں۔ اس سلسلے میں حاملہ عورتوں تک سے کوئی رعایت نہیں کی جاتی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کے ہلاک یا زخمی ہونے کی نوبت آ جاتی ہے۔"

چالیں، طبقاتی امتیاز

زرعی اصلاح کے اقتصادی پہلو کے ساتھ کچھ چالیں بھی وابستہ ہوتی ہیں۔ زرعی اصلاح کو آزمودہ کمیونسٹ طریقوں سے عملی پہنایا جاتا ہے جن کا مقصد دیہاتی آبادی کو خود ساختہ طبقوں میں تقسیم کر کے ان میں پھوٹ ڈالنا اور اس طریقے سے پارٹی کی پوزیشن کو مضبوط بنانا ہوتا ہے۔ لیوشاؤچی ہمیں یاد دلاتا ہے کہ "زرعی اصلاح ایک مسلسل اور شدید جد و جہد ہے" (۲۶) اور اسے کامیاب بنانے کے لئے " غریب کسانوں اور کھیت مزدوروں پر بھروسہ رکھنا چاہئے، طبقہ متوسط کے ساتھ اتحاد کرنا چاہئے اور امیر کسانوں کو غیر جانبدار بنانا چاہئے۔ تاکہ جاگیردارانہ لوٹ کھسوٹ کو قدم بہ قدم ختم کیا جا سکے۔" (۲۷)

اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے "کسان جماعتوں کو مرکزی تنظیمی ادارے کے طور پر کام کرنا چاہئے۔ اور انہیں زرعی اصلاح کی قوتوں کے ایگزیکٹو آرگن بن جانا چاہئے کسان جماعتوں کی رہنمائی شہروں سے آئے ہوئے کامریڈوں کو کرنی چاہئے۔ لیوشاؤچی اس خیال کو اس طرح ادا کرتا ہے "کسانوں کے صالح اور سرگرم عناصر کو دیہاتی اضلاع میں ان کارندوں کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہئے۔ جنہیں اعلیٰ حکام نے اس مقصد کے لئے بھیجا ہے۔ اس طرح وہ زرعی اصلاح کی ریڑھ کی ہڈی بن جائیں گے۔" (۲۸)

یہ بات بہت ضروری ہے کہ کسان جماعتوں میں ہر سطح پر قیادت کی پاکیزگی برقرار رہے۔ پاکیزگی سے مراد یہاں یہ ہے کہ جاگیرداروں، امیر کسانوں اور ان کے ایجنٹوں کو کسان جماعتوں کی رکنیت سے محروم رکھا جائے۔ اور اس سے بھی کہیں زیادہ اہم یہ ہے کہ انہیں کوئی ممتاز عہدہ حاصل کرنے نہ دیا جائے۔" (۲۹)

کسانوں کی مختلف طبقوں میں تقسیم کی بنیاد خوشحالی کی کوئی اقتصادی کسوٹی نہیں ہوتی بلکہ یہ سب سیاسی مصلحتوں اور چالوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ چینی کلک جو چینی کمیونسٹوں

کی نگاہوں میں مشتبہ ہے اور جسے بالآخر ختم کیا جاتا ہے، اس کے پاس اوسطاً ۱۱ ایکڑ زمین ہوتی تھی (۳۰) حقیقت میں سینٹرل عوامی گورنمنٹ کی ایڈمنسٹریشن کونسل نے ۴ر اگست ۱۹۵۰ء کو "دیہات میں طبقاتی درجوں کے امتیاز کے متعلق جو فیصلے" کیے، ان کے مطابق ایک ایسا شخص بھی کلک ہو سکتا ہے، جس کے پاس کوئی زمین نہ ہو اور اس الزام میں وہ ان تمام بے عزتیوں اور اذیتوں کا سامنا کرنے پر مجبور ہو سکتا ہے جنہیں ایک کلک کو کمیونسٹ چین میں لامحالہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ امیر کسان کی تعریف ان لفظوں میں کی گئی ہے: "ایک امیر کسان کے پاس بالعموم زمین ہوتی ہے لیکن کچھ امیر کسان ایسے بھی ہیں جو اس میں سے کچھ ہی زمین کے مالک ہوتے ہیں۔ جس پر وہ کاشت کرتے ہیں۔ باقی زمین وہ دوسروں سے بٹائی پر حاصل کرتے ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن کے پاس اپنی کوئی زمین نہیں ہوتی اور وہ صرف دوسروں سے بٹائی پر زمین لے کر کاشت کرتے ہیں۔ بالعموم وہ بہترین ذرائع پیداوار کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے پاس کچھ سرمایہ بھی ہوتا ہے اور وہ مشقت میں خود حصہ بھی لیتے ہیں۔" (۳۱) ایک کلک نکما ہرگز نہیں ہوتا۔ اس کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسے محنت ضرور کرنا پڑتی ہے، یہ محنت بنیادی قسم کی بھی ہوتی ہے۔ مثلاً "ہل چلانا، بیج ڈالنا، فصل پکانا اور پیداوار کے سلسلے میں دوسرے چھوٹے موٹے کام۔" اس کے علاوہ اسے کچھ ضمنی قسم کے کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ مثلاً ندائی کرنا، سبزیاں اگانا، اور بانجھ مویشیوں کی نگرانی کرنا۔" (۳۲)

دیہاتیوں کے طبقاتی درجے کی توضیح کرنا اتنا مشکل کام ہے کہ زرعی اصلاح کا پورا دور انحرافوں کے واقعات سے پٹا پڑا ہے۔ ابتدائی مرحلوں میں کارندوں کے اندر اقتدار پسندانہ انحراف کا رجحان پایا جاتا تھا۔ ان میں سے بیشتر عوام سے پیچھے رہ گئے اور سود میں کمی اور مالیانہ کی معافی میں الجھ کر رہ گئے۔ انہوں نے زمین کی از سر نو تقسیم کے پروگرام کو نہ اپنایا جس کا کسان مطالبہ کر رہے تھے۔" بہرحال پارٹی اس خطرے کے متعلق چوکنا ہو گئی اور اس نے اس رجحان کی

فوراً اصلاح کر دی" (۳۰)

اس کے بعد "انتہا پسندانہ انحرافوں" کا دور شروع ہوا۔ اس قسم کی غلطیوں پر ماؤزے تنگ کو جھاڑ پلانا پڑ گئی "بیشتر جگہوں پر بہت سے محنت کش عوام کو جنہوں نے جاگیر دارانہ لوٹ کھسوٹ میں حصہ نہیں لیا تھا اور اگر لیا تھا تو صرف برائے نام، جاگیرداروں اور امیر کسانوں کے طبقے میں شامل کر دیا گیا۔ یہ غلط تھا۔ اس طرح حملے کے محاذ کو بلاوجہ وسیع کر دیا گیا اور اس انتہائی اہم اصول جنگ کو فراموش کر دیا گیا کہ جاگیرداری کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کے لئے ہم اپنے زرعی اصلاح کے پروگرام میں ۹۲ فیصدی کسان گھرانوں یا ۹۰ فیصدی دیہاتی آبادی کو شریک کر سکتے ہیں۔ یہ بات ہمارے لئے ممکن بھی تھی اور ضروری بھی" (۳۲)

زرعی اصلاح پر عمل کے طریقے

آئیے اب ہم تھیوری کو پیچھے چھوڑ کر اس ٹھوس حقیقت کا مشاہدہ کریں کہ زرعی اصلاح کے پروگرام پر عمل کس طرح ہوتا ہے، اس کے نعرے کیا ہیں؟ زمین کس طرح تقسیم کی جاتی ہے؟ اور "زائد پیداوار" کی ضبطی کس طرح کی جاتی ہے؟ کسانوں کی جماعتیں کس طرح کام کرتی ہیں؟ اور ان جماعتوں کو چلانے والے کس قسم کے لوگ ہوتے ہیں؟ مندرجہ ذیل کہانی اکنامک کواپریشن ایڈمنسٹریشن کے ایک افسر نے فراہم کی تھی اور اسے ایک چینی تاجر نے بتائی تھی، جو ایک چھوٹے سے گاؤں میں اسکول ٹیچر رہ چکا تھا۔ یہ گاؤں تقریباً ڈیڑھ سو خاندانوں پر مشتمل تھا اور چین کے بیشتر دیہات سے کسی طرح مختلف نہیں تھا۔ جہاں تک ممکن ہو سکا یہ کہانی چینی تاجر کی زبان سے ہی بیان کی گئی ہے۔ اس کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ چینی اقتدار کے تحت آ جانے پر ایک گاؤں پر کیا گزرتی ہے۔ یہ کہانی ان کہانیوں اور تصورات سے بالکل مختلف ہے جو دارغ البال ہمسفروں، آرام پسند نظریہ سازوں اور رومانی انقلابیوں نے ان دنوں کمیونسٹ چین کے متعلق پھیلا رکھے ہیں۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ جوں ہی ایک بار انقلابی نعروں کے نام پر تشدد کے دروازے

ڈاکٹر ڈے بتاتا ہے۔ حیرت انگیز باتیں از خود دیکھا ہوں [illegible] ہوں [illegible] اور ان باتوں پر یقین کے ساتھ توجہ کیا جا سکتا ہے۔

اس مہاجر کی رپورٹ کے مطابق مارچ ۱۹۴۷ء کی رات کو آخری بار کمیونسٹوں کے ہاتھ میں جانے سے پہلے اس کے گاؤں پر یکے بعد دیگرے پانچ بار متحارب گروہوں کا قبضہ ہوا۔ گاؤں میں آتے ہی کمیونسٹ سپاہیوں نے سرکاری گوداموں پر قبضہ کر لیا جو گندم اور دوسری قسم کے اناج سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ اناج تازہ فصل کے بعد حال ہی میں اناج ٹیکس کی حیثیت سے ادا کیا گیا تھا۔ اس تمام اناج کو کمیونسٹ ملکیت قرار دے دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی امیر کسانوں کے گوداموں پر بھی قبضہ کر لیا گیا۔ ضبط شدہ اناج کا ۸۰ فیصدی حصہ فوراً ہی فوجیوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ اسی دن شام کو غریب کسانوں کو جمع کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ وہ باقی ۲۰ فیصدی اناج لے جائیں۔ اس سے پہلے غریب کسانوں کو اتنا اناج کبھی نہیں ملا تھا۔

دوسری صبح ایک اور میٹنگ بلائی گئی۔ پارٹی کے اسپیکرں نے کیومنٹانگ کے کتوں اور خون آشام چیانگ کے خلاف خوب جوشیلی تقریریں کیں۔ میٹنگ کے بعد ایک پارٹی کارکن نے گاؤں کے بڑے بوڑھوں سے کہا کہ "اگر تم میں اب بھی کچھ قوم پرست جاسوس چھپے ہوئے ہوں تو انہیں میرے حوالے کر دو۔" بہت جلد میٹنگوں کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ کسان دبی زبان میں ایک گیت گنگنانے لگے جس کا مطلب تھا "کیومنٹانگ — بہت زیادہ ٹیکس، کمیونسٹ — بہت زیادہ میٹنگیں۔"

بہت جلد غریب کسانوں کی لیگ منظم کی گئی۔ تین ماہ کے اندر اندر لیڈر کے ماتحت تربیت یافتہ اور راسخ العقیدہ نوجوانوں کی ایک اچھی خاصی فوج جمع ہو گئی۔ یہ نوجوان بیشتر غریب کسانوں کے بیٹے تھے۔ لیکن ان میں سے کچھ امیر کسان گھرانوں کے چشم و چراغ بھی تھے۔ پہلی بار نوجوانوں اور بڑی عمر والوں کے درمیان ایک خلیج حائل ہوئی اور بڑے بوڑھوں کو جس احترام کا مستحق سمجھا جاتا تھا وہ ختم ہو گیا۔ انہیں "پرانی مشینوں" کا نام

دیا گیا جو اس دوڑ میں جو چین اور باقی دنیا کے درمیان جاری تھی، ناکارہ تھے۔
یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ اس دور میں میٹنگوں اور غریب کسانوں کی لیگ کی پریڈوں کے سوا دیہات کے روزمرہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔ لیکن اس دور میں پارٹی کا لیڈر بیکار نہیں بیٹھا۔ وہ لوگوں سے انٹرویو کرنے، چھان بین کرنے اور حاصل شدہ اطلاعوں کو ترتیب دینے میں مصروف رہا۔ ہر خاندان کو کسی نہ کسی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔ پہلی فہرست "جاگیردار" خاندانوں کی تھی جاگیردار سے مراد ایک ایسا خاندان تھا جس کے پاس سترہ ایکڑ کے لگ بھگ زمین ہو اس قسم کے خاندانوں کی کل تعداد ۶ تھی۔ اس کے بعد "امیر کسانوں" کی فہرست تیار ہوئی۔ ان کی تعداد ۲۵ تھی۔ تیسری فہرست طبقۂ متوسط کے کسانوں کی تھی اور آخری فہرست غریب کسانوں کی۔ اس فہرست میں کل ۴۰ خاندان شامل ہوئے۔

بہت جلد میٹنگوں کو صفایا کرنے والی میٹنگوں کی شکل دے دی گئی اور اس سلسلے میں ان معلومات سے فائدہ اٹھایا گیا جو پارٹی کے لیڈر نے حاصل کی تھیں۔ پہلے امیر گھرانے شکار بنے۔ پھر ہر اس شخص کی باری آگئی جو گاؤں میں تھوڑا بہت اثر و رسوخ رکھتا تھا۔ تقدیر کی کتاب میں ہر بات لکھی ہوئی تھی۔ اس کے مصنفوں نے غریب دیہاتیوں کے دل و دماغ کے ہر کونے تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ شہادت کا خون قطرہ قطرہ فراہم کیا گیا اور اسے باقاعدہ پیمانے سے ناپ کر مقدمے کے دوران پبلک الزاموں کی شکل دے دی گئی۔ غریب اور بے زمین کاشتکاروں کو ان کی شہادتیں یاد دلائی گئیں اور اس کے بعد اُن کی مرضی کے خلاف انہیں مجبور کیا گیا کہ وہ کھلی میٹنگوں میں اپنے عزیز و اقارب کی مذمت کریں۔ اس کے بعد گاؤں کے مکھیہ نے اعلان کیا کہ ملزموں کو موت کی سزا دی جائے گی سزائے موت کی تکمیل گولی یا تلوار سے نہیں ہوتی تھی۔ یہ طریقہ نسبتاً ہمدردانہ ہے۔ بلکہ پٹائی سے۔ ہونان کے چھوٹے سے گاؤں میں ۲۰ اشخاص کو مار پیٹ کر ہلاک کر دیا گیا۔

اب گاؤں ایک تبدیل شدہ جگہ تھی۔ کوئی بھی شخص یہ بیان نہیں کر سکتا تھا کہ رونما ہونے والے واقعات کی حقیقی شکل کیا تھی۔ جاگیردار اور امیر کسان مر چکے تھے اور ان کے ساتھ ہی کچھ طبقہ متوسط کے کسان بھی۔ گاؤں کے نوجوان جنگ پر چلے گئے تھے۔ ایسا ایک بھی گھرانہ نہیں تھا جس پر ان واقعات کا اثر نہ ہوا ہو۔

ہر شخص کے دل و دماغ پر خوف طاری تھا۔ اس دور میں ایک اچھی خبر آئی۔ یہ خبر اتنی اچھی تھی کہ کسان اسے بمشکل باور کر سکے۔ زمین کو از سرِ نو تقسیم کیا جانا تھا۔

جن خاندانوں کے پاس پہلے بہت کم زمین ہوتی تھی انہوں نے یکایک محسوس کیا کہ ان کی زمین تین گنا ہو گئی ہے۔ ایسے کئی کسان جو کبھی زمین کی ملکیت کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کئی ایکڑ زمین کے مالک بن گئے تھے۔

ٹیکس؟ آخر جب لوگ زمینوں کے مالک ہیں تو وہ ٹیکس کیوں دیں؟ لیڈر نے دریافت کیا اور یہ دلیل کافی عاقلانہ تھی۔

لیکن پہلی ہی فصل نے کسانوں کے خوابوں کا خاتمہ کر دیا۔ کلکٹر اعداد و شمار، ریکارڈ اور مطالبوں سے مسلح ہو کر پہنچ گئے۔ کیومنتانگ کے کلکٹروں کے برعکس جو سرکاری ٹیکسوں جتنی رقوم اپنے ذاتی اغراض کے لئے بھی وصول کر لیتے تھے۔ کمیونسٹوں نے اپنے لئے نہ تو کسی چیز کا مطالبہ کیا اور نہ اسے قبول کیا۔

لیکن حکومت کا ٹیکس کیومنتانگ کے ٹیکسوں اور افسروں کے نذرانوں کی مجموعی رقم سے پانچ گنا تھا۔ موسم سرما کی گندم پر یہ ٹیکس ۳۵ تا ۵۰ کٹیاں فی کھلیان تھا۔ اس کے ساتھ ہی موسم گرما کے موٹے اناج پر بھی ۴۰ سے ۵۰ کٹی تک ٹیکس دینا پڑتا تھا جسے پہلے ٹیکس سے مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا۔ ہر مرد، عورت اور بچے کے لئے صرف ایک سو کٹی موٹا اناج چھوڑ دیا جاتا تھا۔ یہ ٹیکس دراصل ساری فصل کی ضبطی کے مترادف تھا۔

پارٹی کے لیڈر نے اس کے متعلق ایک تقریر کی۔ اس نے کسانوں کو ان کے ان بیٹوں کی ضرورتوں سے آگاہ کیا جو محاذ پر لڑ رہے تھے۔ اس نے بتایا کہ نئی جمہوریت کو آمادۂ انتقام کیومنتانگ اور امریکی کتوں سے جو کسانوں کی گردنوں کو اپنے دانتوں سے جھنجھوڑنے کے لئے بے چین ہیں، بچانے کے لئے انسانی جسموں اور اناج کی بوریوں کی دیواروں کی ضرورت ہے۔

گاؤں میں پھر بھوک کا دور دورہ ہے لیکن بھوک تو پہلے بھی ہوتی تھی۔ اب بھوک کے ساتھ خوف بھی مسلط ہے۔ سرسری بات ایک خطرناک آسائش ہے۔ کمیونسٹ طریقے اچھے ہو سکتے ہیں اور ان کی سکیمیں بھی درست ہو سکتی ہیں۔ لیکن اناج کی بوریوں اور زمین کی تقسیم کے علاوہ گاؤں میں ایک اور چیز بھی نمایاں ہے۔ یہ چیز بہت بری ہے۔ یہ چیز لوگوں کو اپنے دل کی بات کہنے سے روکتی ہے اور جب ان کے دوستوں اور عزیز واقارب پر سر بیجا غلط الزام لگائے جائیں تو بھی انہیں ان کی حمایت میں زبان کھولنے کی اجازت نہیں دیتی۔ گاؤں نے کیومنتانگ اور جاپانیوں کے دور میں برے دن دیکھے ہیں۔ لیکن اسے اس دہشت کا تجربہ کبھی نہیں ہوا۔

❊ ❊ ❊ ❊ ❊ ❊

ہم یہ باور کرنے کے آرزومند ہیں کہ چین کسی انحراف یا "ٹیٹوازم" کا ملزم بن کر اس چکر سے باہر نکل آئے گا اور اس کے کسان اجتماعیت کی ان تباہ کاریوں کی زد سے بچ نکلیں گے جو روسی کسانوں کی تقدیر بن گئی تھیں۔ ایک لحاظ سے چین یہ پارٹ ادا کرنے کا اہل بھی ہے۔ وہ اس بات کا اہل بھی ہے کہ اپنی نجات کا آزادانہ راستہ تلاش کر سکے۔ سیاسی اور فوجی اعتبار سے وہ مشرقی یورپ کے ممالک کے مقابلے میں زیادہ خوش نصیب ہے، جن پر پہلے روسی فوج نے حکومت کی اور اس کے بعد روس کے حاشیہ برداروں اور روس کی خفیہ پولیس نے۔ اقتصادی اعتبار سے اجتماعیت چین

کے لئے روس کے مقابلے میں کہیں زیادہ آلام و مصائب کا باعث ہوگی۔ اور اس میں اس آئندہ خوشحالی کا بھی کوئی تصور موجود نہیں ہو سکتا جس کی روس اپنی وسیع زمین کی بنا پر آرزو کر سکتا ہے۔ چین کو صرف اتنا کرنا ہے کہ وہ روس کی نظریاتی ماتحتی اور غلامی کو خیرباد کہہ دے اور ایک ایسا حل تلاش کرنے میں مصروف ہو جائے جو اس کے حالات کے لئے زیادہ موزوں ہو۔

ہر چند کہ ہم یہ سب کچھ باور کرنے کے آرزومند ہیں، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے صورتِ حال کا جو اندازہ لگایا ہے وہ اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر ایک بار سوویٹ عقائد، اس کے مزاج اور طریق کار کو اپنا لیا جائے تو ان کے نتائج کے ساتھ ایک طرح کی ناگزیریت وابستہ ہو جاتی ہے۔ کمیونسٹوں کو اپنے آپ پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے، وہ بلا شرکتِ غیرے اقتدار کے شائق ہیں۔ انہوں نے اپنے عقائد کو قطعیت کی شکل دے رکھی ہے اور اس جاہلانہ اور احمقانہ خیال میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے سماج کے متعلق آخری سچائی کو دریافت کر لیا ہے۔ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے انتہائی قسم کی مرکزی صنعتیت اور مشترکہ زراعت میں انسانی خوشحالی اور فارغ البالی کی واحد کنجی کو دریافت کر لیا ہے۔ *

---

* منظم کمیونسٹ پروپیگنڈہ کی بدولت ہندوستان میں کافی سرگرمی کا مظاہرہ ہو رہا ہے اس سرگرمی اور اشتیاہ کا تعلق ان اقتصادی کامیابیوں سے ہے جو چین نے نئی حکومت کے ماتحت حاصل کی ہیں۔ اناج کی پیداوار کے سلسلہ میں ان کامیابیوں کا خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن چینی ماخذ اس سے مختلف کہانی بیان کرتے ہیں۔ "چین تعمیر جدید کرتا ہے" کے مئی جون ۱۹۵۲ء والے شمارے سے پتہ چلتا ہے کہ سنہ ۱۹۵۱ء میں اناج کی پیداوار اس پیداوار کے مقابلے میں صرف ۹۲۶۸ فیصدی تھی۔ جو ۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۶ء تک رہی۔ چین کی سرکاری نیوز ایجنسی نے جس کا نام نیو چائنا نیوز ایجنسی ہے، ۲۹ اکتوبر ۱۹۵۳ء کو یہ خبر شائع کی تھی کہ ۱۹۵۳ء میں چین کی مجموعی پیداوار کا تخمینہ یہ ہے کہ وہ ۱۹۵۲ء جتنی ہوگی۔ (باقی صفحہ ۱۸۴ پر)

ایشیائی ماحول میں اگر ایک بار بولشویک صنعتیت کے مفروضے کو مان لیا جائے، تو باقی نتائج تقدیریہ کی طرح رونما ہوتے ہیں۔ مثلاً سوشلسٹ پونجی، خام مال کی بڑھتی ہوئی مانگ، شہری صنعتوں اور پردلتاریہ کی بڑھتی ہوئی اناج کی مانگ اور ان سب کا نتیجہ کسانوں سے زیادہ سے زیادہ اناج خون کی طرح نچوڑ لینے کی ضرورت۔ نچوڑنے کا یہ عمل صرف عوام پر زیادہ سیاسی اور اقتصادی کنٹرول حاصل کرنے سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب ہے اجتماعی کاشت۔ کوئی اپوزیشن پارٹی نہیں ہوتی اور نہ مخالف گروپوں اور خود پارٹی کے اندر اختلاف رکھنے والے افراد کو قتل کرنے پر کوئی پابندی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ڈکٹیٹر کسی ماحولی تقدیریت کے تحت عوام کو زیادہ سے زیادہ ذلت، مصیبت اور تاریکی کی طرف لے جاتا ہے۔ چین بڑی تیزی کے ساتھ اس خندق میں گر رہا ہے۔ خفیہ پولیس، جبری مشقت کے کیمپ، سنسر، پارٹی لائن اور ہر مخالفانہ رائے کو بے دردی سے کچلنا یہ سب باتیں چین میں شروع ہو چکی ہیں۔ اس نے روس سے صنعتی مشینری خریدنے کے لئے اس کو اناج برآمد کیا ہے اور ایسا اس وقت کیا گیا ہے جب خود چین کے اندر بھیانک قحط موجود تھا۔ جب تک فاقہ کش کسانوں سے زرعی پیداوار کی مسلسل فراہمی کا یقین نہ کر لیا جائے، مشینری کے عوض اناج کی برآمد کا پروگرام مضبوط بنیادوں پر تیار نہیں ہو سکتا۔ صرف کسانوں کو اجتماعیت کے شکنجے میں کسنے کے بعد ہی اناج کی یہ فراہمی، جسے منظم ڈکیتی کے ماسوا اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا، ممکن ہے۔ یہ صرف

(صفحہ ۱۸۳ کا بقیہ نوٹ)، چین کی فالتو اناج کی برآمد مصنوعی ہے۔ یہ زائد اناج پیداوار میں اضافے کا نتیجہ نہیں بلکہ بے بس کسانوں سے اناج کی زائد وصولیوں کا نتیجہ ہے۔ روس میں مجموعی پیداوار ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۸ء تک عملاً وہی رہی۔ لیکن حکومت کا حصہ ...... ۶۳۰ پوڈ سے بڑھ کر ...... ۲۳۰ پوڈ ہو گیا۔ چین میں بھی جو سوویٹ روس کی طرح ایک آمرانہ اور پولیس سٹیٹ ہے روسی تجربے کا ہو بہو اعادہ ہو رہا ہے۔

اسی وقت ممکن ہے اگر کسانوں کی زمین، ان کے آلاتِ کاشت اور ان کی خوراک پر پورا پورا کنٹرول کر لیا جائے اور انہیں ایسے زرعی مراکز کا ماتحت بنا دیا جائے جن کی بہ آسانی نگرانی ہو سکے۔ یہ صرف قیاس نہیں۔ اگر ایک بار کمیونسٹ مفروضے کو مان لیا جائے تو یہ سب کچھ ہونا ناگزیر ہے۔ کسان کے مقابلے میں مزدور، اور گاؤں کے مقابلے میں شہر کی اہمیت پر زور دینے کا سلسلہ اب بھی شروع ہو گیا ہے۔

ہندوستان

ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے پروگرام اور چالوں کے اہم عناصر روس سے ہو بہو ملتے ہیں۔ اگر کوئی فرق ہے تو صرف اتنا کہ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی روس کے توسیعی سامراجی مقاصد کی مکمل طور پر غلام ہے (اس باب کے آخر میں حاشیہ ملاحظہ فرمائیے) ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی نے "پرولتاری ڈکٹیٹرشپ" کی منزل کو مکمل طور پر قبول کر لیا ہے اور اس منزل کا تعین کمیونسٹ انٹرنیشنل نے "سوویٹ بنیادوں" پر کیا ہے۔ ڈکٹیٹرشپ کا قیام روس کی طرح مختلف انقلابی مرحلوں کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔ کیونکہ طبقۂ بورژوا (مارکسی تعریف کی رو سے ہر وہ شخص جو فیکٹری کا مزدور نہیں۔ بورژوا ہے) سے اس وقت "تک" لڑنا ممکن نہیں جب تک ہر موقعہ پر طبقاتی صورتِ حال کا ٹھوس مطالعہ نہ کیا جائے اور لڑائی کے واضح نعرے مقرر نہ کئے جائیں۔" (۳۵) ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی ساتھی کمیونسٹوں کو خبردار کرتی ہے کہ وہ مسئلے کو سمجھنے میں کسی انحراف کا شکار نہ ہو جائیں۔ انحراف اور گمراہی نتیجہ ہوتے ہیں "چال اور اصول جنگ کو خلط ملط کرنے کا۔ اصول جنگ پورے دور کے لئے معین کئے جاتے ہیں لیکن چالیں اور اس سلسلے میں مقرر کئے جانے والے نعرے وقت وقت پر بدلتے رہتے ہیں۔ نعرے بھی دو قسم کے ہوتے ہیں اور انہیں خلط ملط کرنے کا نتیجہ انحراف اور گمراہی ہوتا ہے۔ کچھ نعرے بنیادی ہوتے ہیں اور پورے دور کے لئے۔ کچھ نعرے وقتی ہوتے ہیں جو عوام کو بنیادی نعرے کے حصول

کی طرف آگے لے جاتے ہیں۔ پارٹی کے ہراول کردار کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے میں ناکامی کا نتیجہ انحراف اور گمراہی ہے۔" (۳۶) روس کی کمیونسٹ پارٹی کی طرح ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی بھی پرولتاریہ کی فرمانروائی کے نظریئے کو مکمل طور پر تسلیم کرتی ہے "اس بات کو واضح طور پر سمجھنا ضروری ہے کہ پرولتاری انقلاب کی جدوجہد کی رہنمائی پختہ ہو کر سٹیٹ کی فرمانروائی بن جاتی ہے اور اسی کا نام پرولتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ ہے۔" (۳۷)

کسانوں کے تضاد

روسی بولشویک پارٹی کی طرح ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کا کام بھی سہ طرفہ ہے حامی، اتحادی اور دشمن پیدا کرنا۔ آخر الذکر دونوں وقت کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔ یہ کام ان سماجی اور اقتصادی اختلافوں سے فائدہ اٹھا کر پورا کیا جاتا ہے جو سماج میں موجود ہیں۔ ان اختلافوں کو خواہ وہ اہم ہوں خواہ غیر اہم، خواہ رسمی ہوں خواہ انتظامی، سرمایہ داری کے تضادوں کا نام دیا جاتا ہے۔ کمیونسٹ پارٹی کا کام یہ ہے کہ ان تضادوں سے فائدہ اٹھا کر پرولتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ کے مقصد کو آگے لے جائے۔ اگر ابہام کا پردہ اٹھا دیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پارٹی مشین کے چند انجینیروں اور پروپیگنڈسٹوں کا اقتدار اور وقار قائم کرنے اور ان کی خوشحالی میں اضافہ کرنے کے لئے عوام میں اختلاف، شک، نفرت، دشمنی، بدظنی اور مایوسی کے احساس کا بیج بو یا جائے۔

اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے کہ مختلف گروہ انقلابی مقصد کے لئے کس حد تک... مفید ہو سکتے ہیں، روسی بولشویکوں کی طرح ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی بھی سماج کو مختلف طبقوں میں بانٹ دیتی ہے۔ اس کے بعد انقلاب کے مختلف مرحلوں کے سلسلے میں ان کے طرز عمل کا اندازہ لگایا جاتا ہے وہ طبقے حسب ذیل ہیں (۳۸)

اوّل پرولتاریہ، جو بورژوا کے سیاسی اقتدار کو ختم کرنے میں تنہا طور پر رہنمائی کا اہل

پرولتاریہ لازمی طور پر رہنمائی کرے گا۔

دوم دیہاتی پرولتاریہ اور نیم پرولتاری عوام، ان میں اول الذکر پرولتاریہ کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

پھر مذبذب اتحادی آتے ہیں۔ طبقۂ متوسط کا کسان سب سے زیادہ مذبذب ہوتا ہے لیکن اس پر بھی اسے اپنی طرف کیا جا سکتا ہے۔ متحدہ محاذ میں اس کی جگہ بہت اہم ہے۔

آخر میں بنیادی ڈویژن قائم کئے جاتے ہیں۔ ان کے اختلافوں کی نوعیت اور شدت دونوں میں مبالغہ آمیزی کی جاتی ہے، جھوٹ موٹ اضافہ کیا جاتا ہے اور انہیں توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ مختلف طبقے ایک دوسرے کے خلاف لڑیں اور اس سے جو انتشار اور اختلال رونما ہو اس سے ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی فائدہ اٹھا سکے۔

"اس تمام نقشے میں" کمیونسٹ پارٹی دریافت کرتی ہے۔" بورژوا کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ مذبذب ہے؟ کیا اسے جانبدار اور بے اثر بنایا جا سکتا ہے؟" اس سوال پر پارٹی کی لیڈر شپ میں اختلاف ہے۔ اندھرا گروپ کلکوں کے ساتھ اتحاد چاہتا تھا لیکن سرکاری گروپ یہ چاہتا تھا کہ انہیں چھانٹ دیا جائے۔ کلک کے مفہوم کے متعلق ہمیں اطمینان کر لینا چاہئے۔ اس کی تعریف معین کرتے میں سمیر کی اسی لچک سے کام لیا گیا ہے، جو ہر معاملے میں کمیونسٹوں کا خاصہ ہے۔ اندھرا گروپ نے کلک کی تعریف یہ کی تھی کہ وہ ایک ایسا شخص ہے" جس کی سالانہ آمدنی ایک ہزار سے دو ہزار تک ہو" (۳۹) باقی لوگ جن کی آمدنی دو ہزار سے زائد ہو جاگیرداروں کی صف میں شامل کئے گئے جن کو خاتمہ پر تمام گروپ متفق تھے۔ (ہمیں معلوم ہے کہ بیشتر کمیونسٹوں اور ان کے حامیوں کی آمدنیاں ایک کلک کی زیادہ سے زیادہ آمدنی کے مقابلے میں دو گنا سے تین گنا تک ہیں) طبقۂ متوسط کے کسان کی تعریف ایک ایسا شخص ہے جس کے پاس ۵ ایکڑ زمین ہو۔ حالانکہ روس میں غریب سے غریب کسان کے پاس ۲ء۱۸ ایکڑ زمین ہوتی تھی۔ یہ لچک ہمیں مارکس کے ساتھی ہرمن کریگ کی یاد دلاتی ہے جس نے حکومت امریکہ سے یہ مطالبہ

کیا تھا کہ ہر کسان کو خواہ وہ کسی ملک سے تعلق رکھتا ہو، گزارے کے لئے ۱۶۰ ایکڑ امریکی زمین دے دی جائے۔" (۴۰)

کمیونسٹوں کی سمجھ اور ان کی تعریفیں اتنی خود سرانہ، یکطرفہ اور ہر لمحہ تبدیل ہونیوالی کیوں ہوتی ہیں؟ کیا ایسی کوئی کسوٹی نہیں جو ماحول کا بہتر اندازہ لگا سکے اور اس کی صحت ہمہ گیر ہو؟ کیا کوئی بہتر طور پر مسلمہ پیمانہ ممکن ہے جس سے ہم یہ معلوم کر سکیں کہ کون غریب ہے اور کون امیر؟ کون جابر ہے کون مجبور؟ نہیں، اور اس کی دلیل بہت سادہ ہے۔ کمیونسٹوں کو افلاس، لوٹ کھسوٹ اور عدم مساوات کے خاتمے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ اسکے برعکس ان کی تمام دلچسپیاں اس بنیادی اصول پر مرکوز ہیں کہ طاقت ان کے ہاتھ میں آنی چاہئے، اور یہ طاقت عوام کے ایک طبقے کو دوسرے طبقے کے خلاف آمادۂ جنگ کر کے ہی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اگر وہ کوئی ایسی کسوٹی مقرر کر لیں جو خارجی حیثیت رکھتی ہو، جسے ہمہ گیر طور پر استعمال کیا جا سکے اور جس کی بنا پر کم سے کم معیار زندگی کا اندازہ لگایا جا سکے، اور یہ اندازہ لگاتے وقت انسان کی جسمانی اور دوسری مادی ضرورتوں کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ ایک ایسی کسوٹی ہو گی جس پر سبھی متفق ہو جائیں۔ اس کسوٹی پر پرکھنے سے پتہ چلے گا، کہ جہاں بعض ملکوں مثلاً امریکہ میں عملاً سبھی لوگ مقررہ سطح سے بلند تر ہیں وہاں ایشیائی ممالک میں بڑے سے بڑے "کلک" بھی اس سطح سے نیچے ہیں۔ لیکن کمیونسٹوں کے لئے ایسے مفید مطلب امتیاز پیدا کرنا لازمی ہے جو ان کے اصول جنگ کی بنیاد بن سکیں، دشمنوں کو چھانٹ سکیں اور پھر ان سب کو یکے بعد دیگرے ختم کر سکیں۔ اپنے لئے معاون اتحادی اور دشمن ڈھونڈنے کے سہ طرفہ کام کی تکمیل کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ غریبوں میں سے بھی امیروں اور جابروں کو ڈھونڈ نکالیں اور امیروں میں بھی غریب اور مجبور تلاش کرتے رہیں۔ اس لحاظ سے یہ کام کچھ ایسا مشکل نہیں۔

حیدر آباد میں مشق

یہ ڈرامہ صرف تھیٹر کی دنیا سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ اسے حقیقی سٹیج پر کھیلا جا چکا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اسے حیدر آباد کے چند اضلاع میں محدود پیمانے پر کھیلا گیا۔ یہاں وہی دو رُخی تھی اور وہی ہر شخص کے ساتھ متحدہ محاذ تھا کہ سبھی دشمنوں کو یکے بعد دیگرے ختم کیا جا سکے۔ وہی دہشت پسندی تھی اور وہی تباہ کاری۔ وہی جھوٹا پروپیگنڈہ تھا اور وہی جرائم کوشی کے باوجود ضمیر کا اطمینان۔ مئی سنہ ۱۹۵۰ء میں سٹیٹسمین میں اس کے ایک نامہ نگار کے قلم سے پانچ معلومات افروز مضمون شائع ہوئے تھے۔ اس نامہ نگار نے لکھا تھا کہ کمیونسٹوں نے سینکڑوں سائیکلو سٹائل اشتہاروں اور پوسٹروں کے ذریعہ عوام کو اکسایا تھا کہ وہ "تباہ کاری کے پروگرام پر چلیں"۔ ان سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ "فوری ہڑتالیں کریں، پولیس اور فوج کے افسروں پر حملے کریں اور کسانوں اور مزدوروں کے بھیس میں دیہات میں داخل ہو کر دیہات کے نواح میں کیمپ لگانے والی مسلح فوجوں پر دستی بم پھینکیں"۔ (۴۱) کمیونسٹ نظام کے لئے لڑتے جو ایک جاگیردار نواب تھا۔ اور اس مقصد کے لئے انہوں نے رضاکاروں کے ساتھ متحدہ محاذ بنایا جو مجنونانہ طور پر فرقہ پرست تھے۔ اس لڑائی میں انہوں نے ہتھیار بھی رضاکاروں اور نظام کی فوج سے حاصل کئے۔ آزمودہ کمیونسٹ طریق کار کو اپناتے ہوئے انہوں نے نارضامند اور ضدی دیہات پر حملے کئے اور اس کے بعد ان کی پروپیگنڈہ مشینری نے اس جھوٹ کا پرچار کیا کہ ان دیہات کے باشندے رضاکارانہ طور پر ان سے مل گئے ہیں۔ جن لوگوں نے ان کے ساتھ ملنے سے انکار کیا ان کو ختم کر دیا گیا۔ اسے ان کے اخباروں نے "انقلابی انصاف" کا نام دیا، جسے عوام نے خود ہی کیا تھا۔ پہلے دور میں انہوں نے مزارعین کے محافظوں کا پارٹ ادا کیا تھا اور جاگیرداروں کی زمینیں ان کے درمیان فراخدلی سے تقسیم کر دیں۔ اس سے مراد یہ تھی کہ کسانوں اور شہروں کے خوش عقیدہ بودے واؤں کو بیک وقت فریب دیا جائے۔

ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی ہر معاملے میں غیر ملکیوں کی دست نگر ہے حتیٰ کہ عوام کو انقلاب پر ابھارنے کے لیے جو زبان استعمال کی جاتی ہے وہ بھی مستعار ہے۔ لینن اور ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کی تحریروں کا بہ یک وقت مطالعہ کیا جائے تو ان میں مکمل مشابہت کا پتہ چلتا ہے۔ لینن کہتا ہے "جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے وحشیانہ سرگرمی پھر سرگرمی - میں لرزہ براندام ہوں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ دیکھ کر میں واقعی لرزہ براندام ہوں کہ چھ ماہ سے بموں کی باتیں چل رہی ہیں اور ایک بھی بم تیار نہیں ہوا - فوراً ہر جگہ لڑاکے دستے تیار کرو انہیں فوراً مسلح کر دو - جو کچھ بھی میسر آسکے خواہ ریوالور ہوں خواہ پستول، خواہ پیٹرول میں بھگوئے ہوئے چیتھڑے جو آگ لگانے کے کام آسکیں" (۴۲) اس کے ساتھ ہی ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے مسلح جدوجہد کے پروگرام کا مطالعہ کیجئے۔ یہ ایک پمفلٹ ہے جسے حکومت حیدرآباد نے شائع کیا ہے پروگرام میں درج ہے " انقلاب گوریلا جنگ سے ہی ممکن ہے۔ ہر شخص کو تیار ہو جانا چاہئے اور کسی کو پتہ نہیں دینا چاہئے کہ اس قسم کے دستے بنائے گئے ہیں ..... تباہی کے طریقے اختیار کرو .... تم اپنے دشمن کو بم پھینک کر ہلاک کر سکتے ہو .... تم اپنے دشمن کو اس کے کھانے میں زہر ملا کر ہلاک کر سکتے ہو" (۴۳)

نرم پالیسی

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ مقامی کمیونزم کے لئے اب ان پالیسیوں پر چلنا ضروری نہیں جن کی بنیاد "ایک ملک میں انقلاب" کے تصور پر ہے۔ مقامی کمیونسٹ پارٹیاں نئے روسی نظام کی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ سوویٹ رہنماؤں کا موجودہ کام یہ ہے کہ وہ تمام دنیا میں اپنی طاقت کو مستحکم بنائیں، اپنے بنیادی نشانے امریکہ کو چھانٹ کر الگ کر دیں، اس کے ممکن اتحادیوں مثلاً فرانس، اٹلی، جرمنی، ہندوستان، پاکستان، برما، ہندچینی، انڈونیشیا کو غیر جانبدار اور غیر مؤثر بنا دیں، اور اس عمل کے دوران جن مقامات پر آسانی سے قبضہ ہو سکے انہیں لے لیں

دیگرے ہتیاتے جائیں۔ مثلاً تبت، ہند چینی، برما، کوریا اور اگر جمہوری بے خبر ہو جائیں تو کبھی جرمنی، فرانس اور ہندوستان بھی۔

کسی ملک کو غیر جانبدار اور غیر مؤثر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ دباؤ ڈالا جائے تاکہ وہ اپنے قدرتی اتحادیوں کے ساتھ ملنے سے احتراز کرے۔ دباؤ کی انتہائی شکل یہ ہے کہ وہاں خانہ جنگی کی آگ بھڑکائی جائے اور شدید بے چینی کی حالت پیدا کر کے اس کی نفسیاتی اور مادی زندگی کو مفلوج بنا دیا جائے۔ اس طرح وہ ملک ذہنی طور پر مذبذب، جسمانی طور پر نڈھال اور روحانی طور پر بے حوصلہ بن جاتا ہے۔

۱۹۴۸ء میں کلکتہ میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں سارے جنوب مشرقی ایشیا کے لئے سیدھی خانہ جنگی کے طریقے کا پروگرام تیار کیا گیا۔ ہند چینی، ملایا اور برما میں ابھی تک اس طریقے پر عمل ہو رہا ہے۔ لیکن ہندوستان میں یہ طریقہ بری طرح ناکام رہا اور نئے طریق کار کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اب کارروائی صرف یہاں تک محدود ہے کہ ہندوستان کو ڈپلومیٹک طور پر اس کے اتحادیوں سے الگ کر دیا جائے تاکہ جمہوریت کا متحدہ محاذ کمزور ہو جائے۔ اس کارروائی کا انداز یہ ہے کہ جب تک حکومت انٹرنیشنل معاملوں میں غیر جانبداری کی پالیسی پر عمل پیرا ہو اسے "تعاون" کی پیش کش کی جائے۔

اس مقصد کے پیش نظر سوویٹ گورنمنٹ نے کامنفارم کے ذریعے یہ ہدایت بھیجی کہ طریق کار کو تبدیل کیا جائے۔ جوں ہی یہ ہدایتیں موصول ہوئیں ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی نے توبہ کا اعلان کر لیا۔ "صاف طور پر اپنی غلطی تسلیم کر لی"۔ وہ تمام باتیں جن کی وہ مذہبی خروش کے ساتھ حمایت کر رہے تھے اور ان کی تائید میں ہر قسم کے اقتباس اور اعداد و شمار مہیا کر رہے تھے، یکایک "غلطیاں" بن گئیں اور اس ساری تبدیلی کا باعث کامنفارم کے جرنل "فار اے لاسٹنگ پیس اینڈ پراسپیریٹی" کا ایک اداریہ تھا جو اس کے ۲۷ جنوری ۱۹۵۰ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

اس سلسلے میں ایک اور بات یہ ہے کہ کمیونسٹوں میں اس سوال پر سرگرم بحث ہوئی ہے کہ ہندوستان ابھی انقلاب کے فروری والے مرحلے میں ہے یا اکتوبر والے مرحلے میں۔ غیر کمیونسٹوں کو خیال گذرے گا کہ یہ صرف ایک علمی بحث ہوگی لیکن کمیونسٹوں کے لئے جو تاریخ اور انسانیت کے مسائل پر فن حرب کے نقطۂ نگاہ سے غور کرتے ہیں، یہ بحث بہت اہم تھی۔ اس سوال کے متعلق کہ ہندوستان انقلاب کے کون سے مرحلے میں ہے، ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں میں کافی اختلاف تھا۔ اس اختلاف کی نوعیت، انقلاب کے مختلف مرحلوں کے ربط باہم اور ان کے متعلقہ نعروں اور چالوں کو مکمل طور پر سمجھنے کے لئے ہم ان اختلافوں کا وہ مختصر بیان پیش کرتے ہیں جو پولٹ بیورو نے تیار کیا تھا۔ ان "مصلحت کوشانہ" فیصلوں کا حامل کمیونسٹ کا اندھیرا گروپ تھا:۔

(۱) امیر کسانوں کے خلاف صرف اسی صورت میں جہاد کیا جاتا ہے جب پرولتاری انقلاب ایجنڈے میں شامل ہو۔ (۲) پرولتاری انقلاب کی تیاری اس وقت کی جاتی ہے جب طبقۂ بورژوا برسر اقتدار ہو۔۔۔ مثلاً کرنسکی کی حکومت۔ (۳) لیکن ہندوستان میں طبقۂ بورژوا برسر اقتدار نہیں کیونکہ برطانیہ کے اخراج کے باوجود نوآبادیاتی نظام ابھی تک قائم ہے۔ (۴) ہندوستان کا انقلاب چونکہ نیم نوآبادیاتی ماحول میں رونما ہو رہا ہے۔ اور بورژوا صرف اقتدار میں شریک ہے، اس لئے یہاں جو انقلاب ہوگا وہ بورژوا جمہوری انقلاب ہوگا۔ پرولتاری انقلاب نہیں۔ لہٰذا امیر کسانوں کے خلاف جنگ ممکن نہیں (۴۴)

اس کے برعکس برسر اقتدار گروپ کی رائے یہ تھی کہ انتقال اقتدار حقیقی ہے اور ہندوستان کا طبقۂ بورژوا جس کی نمائندہ نہرو پٹیل سرکار ہے اب برطانوی سامراج کا پورا پورا حصہ دار ہے۔ ان حالات میں طبقۂ بورژوا اب مزید انقلابی پارٹ ادا نہیں کر سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بورژوا جمہوری انقلاب مکمل ہو چکا ہے اور پرولتاری انقلاب اب ایجنڈے میں شامل ہے۔ مرحلے کی تبدیلی اس امر کی متقاضی ہے کہ طبقات کی از سر نو صف بندی کی جائے اور محاذ جنگ چالوں

اور متعلقہ نعروں میں تبدیلی کی جائے۔ اس نئے مرحلے میں شہری بورژوا کے ساتھ ساتھ
امیر کسانوں کے خلاف لڑنا بھی ضروری ہے۔ صورتِ حال کے اس طرح سمجھنے (بلکہ غلط
سمجھنا کہئے جیسا کہ کمنفارم کو اپنا پر بعد میں معلوم ہو گیا) پر چالوں، طریق جنگ اور نعروں کا تقرر
کر دیا گیا۔ یہ اس "غلط" تجزیئے کا نتیجہ تھا کہ "مرکز یہ بتانے میں ناکام رہا" کہ قومی
آزادی کی جدوجہد میں "طبقۂ بورژوا کے کچھ حصے اب بھی کسی نہ کسی وقت ہمسفروں کا
پارٹ" ادا کر سکتے ہیں (۴۵)۔ اسی غلط تجزیئے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ کسانوں کے طبقاتی
امتیازوں کو صحیح طور پر متعین کر لیا گیا لیکن اس بات کو سمجھنے میں ناکامی ہوئی کہ جاگیر
داری ہی لوٹ کھسوٹ کی نمایاں شکل ہے یا کم سے کم موجودہ حالت میں ایسا ہی ہے۔

اس "غلطی" کا انکشاف کس طرح ہوا جب ہندوستان میں اس غلطی کا ارتکاب
ہو رہا تھا یورپ میں کچھ واقعات رونما ہوئے۔ "اینگلو امریکن سامراج" منظرِ عام پر رونما
ہو گیا اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے وسیع ترین متحدہ محاذ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ماسکو
سے حکم صادر ہوا کہ "اینگلو امریکن سامراجیوں کے خلاف حریت اور قومی آزادی کی
مشترکہ جدوجہد کے نام پر تمام پارٹیوں، طبقوں، گروپوں اور جماعتوں کا متحدہ محاذ
بنا لیا جائے۔" (۴۶)۔ ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی نے اس حکم نامے کے جواب میں فوراً
اعلان کر دیا کہ اس وقت تک وہ جو کچھ کہتی یا کرتی رہی ہے وہ "غلط" تھا اور اسے اپنی
عظیم غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔

کچھ ہی دیر پہلے پونٹ بیورو نے ان کامریڈوں کو سرزنش کی تھی جو یہ خیال
کرتے تھے کہ "کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا۔ مونٹ بیٹن کے ایوارڈ اور بعد کے واقعات سے
طبقات کی نسبتی حیثیت میں کوئی فرق نہیں آیا اور اس طرح کی دلیلیں دیتے تھے، جیسے
سامراج پہلے کی طرح حکمراں ہے" (۴۷)۔ اس چیز کو پولٹ بیورو نے "دائیں بازو کی
چھپی ہوئی اصلاح پسندی کے مظاہرے کا نام دیا تھا۔ جو انتہا پسندانہ انقلاب کا نقاب

اور ٹھہ لیتی ہے۔" (۴۸) لیکن جوں ہی جنوری سنہ ۱۹۵۰ء کو ماسکو سے حکم نامہ صادر ہوا انہی لوگوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ "ان کی فہم ناقص تھی۔" اور بغیر کسی جھجک کے اعلان کر دیا کہ "پارٹی کا مرکز اس واقعے کو نمایاں طور پر سامنے لانے میں ناکام رہا کہ ڈومینین کے درجے کو مصنوعی آزادی ملنے سے ہندوستان کے اقتصادی نظام کا نو آبادیاتی کیریکٹر تبدیل نہیں ہوا" (۴۹)

ہندوستانی کمیونسٹ لیڈروں نے سنہ ۱۹۴۹ء کے جون، جولائی میں ان لوگوں کو سرزنش کی تھی جو یہ خیال کرتے تھے کہ انقلاب کے اس مرحلے میں "امیر کسانوں کے ساتھ لڑنا نہیں بلکہ ان کو غیر جانبدار اور غیر مؤثر بنانا چاہیے۔" اس رویئے کو انہوں نے "طبقاتی اتحاد کی کھلی حمایت" اور "مصنوعی طبقاتی تجزیے" کا نام دیا تھا۔ جس کا عملی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امیر کسانوں کے ساتھ طبقاتی اتحاد کرنا چاہیے۔" (۵۰) کامنفارم کے ایڈیٹوریل نے ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کو حکم دیا کہ "محنت کش طبقے اور تمام کسانوں کے اتحاد کو مضبوط بنایا جائے" اور "ان تمام طبقوں، پارٹیوں اور گروپوں کو جو سامراجیوں اور ان کے ہوا خواہوں کے خلاف لڑنے پر آمادہ ہوں، متحد کیا جائے اور ایک ایسے وسیع اور قومی متحدہ محاذ کی تشکیل عمل میں لائی جائے جس کی رہنمائی محنت کش طبقے اور اس کے ہراول دستے کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھ میں ہو" (۵۱) ایک ماہ کے اندر اندر انہی لیڈروں نے متفقہ طور پر معلوم کر لیا کہ انہوں نے "اصولی قسم کی چند غلطیاں کی ہیں اور تنگ نظری کے مرتکب ہوئے ہیں جس کی وجہ سے جدوجہد کا دائرہ محدود ہو گیا اور عوام کو وسیع پیمانے پر منظم کرنے میں رکاوٹ پیدا ہوئی" (۵۲) انہوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ ان کا ریزولیوشن "امیر کسانوں کو غلط طور پر جاگیرداروں کے ساتھ نتھی کرتا ہے اور انہیں بلا وجہ دیہاتی رقبوں میں بورژوائی اور جاگیردارانہ رجعت پسندی کا علمبردار قرار دیتا ہے۔" انہوں نے مزید تسلیم کیا کہ ان کا ریزولیوشن اس امر کا اشارہ کرنے میں ناکام رہا ہے کہ "ہندوستانی

انقلاب کے موجودہ مرحلے کے بنیادی نعرے یعنی جاگیرداری کا بلامعاوضہ خاتمہ اور کاشتکاروں کو زمین دینا تمام کسانوں کے مفاد کی ترجمانی کرتے ہیں"۔ (۵۳)

۱۹۴۹ء کے وسط میں ہندوستانی کمیونسٹ پارٹی کا پولٹ بیورو ان لوگوں کو سرزنش کرتا تھا جو اُن "انکشافوں اور اضافوں" کے متعلق جو ماؤسی تنگ کی جولانیٔ طبع کا نتیجہ بتائے جاتے تھے بڑھ چڑھ کر باتیں بناتے تھے۔ پولٹ بیورو اُن کامریڈوں کو یاد دلاتا تھا کہ "ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی نے مارکس، اینگلز، لینن اور سٹالن کو مارکسزم کے مصدقہ ماخذ مان لیا ہے" اور "ان کے علاوہ مارکسزم کے کسی نئے ماخذ کا اسے کوئی علم نہیں"۔ پولٹ بیورو نے اس بات پر زور دیا تھا کہ ماؤ کے نظریئے "خوفناک" تھے اور "رجعت پسندانہ" تھے اور یہ کہ "ماؤ چند انحرافوں کے خلاف لڑتا لڑتا خود نئے انحرافوں کا شکار ہو جاتا ہے"۔ (۵۴) جنوری ۱۹۵۰ء میں ماسکو نے حکم دیا کہ "چینی عوام نے جو راستہ اختیار کیا ہے اسے بیشتر نوآبادیاتی اور ماتحت ملکوں کے عوام کو اپنی قومی آزادی اور عوامی جمہوریت کی جنگ کے لئے اختیار کرنا چاہیئے"۔ ایک ماہ کے اندر اندر اسی پولٹ بیورو کے ممبر "چینی کمیونسٹوں کی بین الاقوامی اور تاریخی فتح" کے گیت گانے لگے۔ اور "چین کے عوامی جمہوری انقلاب کے درخشاں تجربات" کی مدح سرائی کرنے لگے۔ "جس کی رہنمائی چین کی کمیونسٹ پارٹی نے کی تھی اور جس کا لیڈر ماؤسی تنگ تھا"۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ "پارٹی کی لیڈرشپ اپنے تمام سابقہ ریزولیوشنوں پر حاصل شدہ سبقوں کی روشنی میں نظر ثانی کرے گی۔ جن میں اصولِ جنگ اور چالوں کا ریزولیوشن بھی شامل ہے"۔ (۵۵) آخر میں انہوں نے کامنفارم کے ایڈیٹروں کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے انہیں بروقت خبردار کر دیا تھا اور یہ موقعہ فراہم کر دیا تھا کہ وہ "مارکسزم لینن ازم کے راستے سے اپنی تنگ نظری پر مبنی انحراف" (۵۶) کی اصلاح کر سکیں۔

ماسکو کے آقاؤں نے مشورہ دیا تھا کہ "جب بھی مقامی حالات اجازت دیں

کمیونسٹ پارٹی کی رہنمائی میں عوام کی نجات دلانے والی فوجوں کی تنظیم کی جائے" کیونکہ "جیسا کہ چین، ویٹ نام، ملایا اور دوسرے ملکوں کی مثال سے ثابت ہوتا ہے، مسلح جدوجہد اب قومی آزادی کی جدوجہد کا بنیادی طریقہ بن گئی ہے"۔ (۵۷)

لیکن ریزولیوشن کے مسلح فوج والے حصے کو فی الحال جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے بمعرض التوا میں رکھا گیا ہے۔ غالباً یہاں ابھی وہ صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی جس میں ایک انقلابی فوج کا قیام عمل میں لایا جا سکے۔ اس کے برعکس ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی نے "تلنگانہ کی جدوجہد کو غیر مشروط طور پر واپس لے لیا ہے"۔ (۵۸) جس کا اعلان کمیونسٹ پارٹی کے جنرل سکریٹری مسٹر اے۔ کے گھوش نے ۸ نومبر ۱۹۵۱ء کو کیا تھا۔ اس اعلان میں اس نے کہا تھا کہ کمیونسٹ یہ دیکھنے کے لئے بے تاب ہیں کہ تلنگانہ میں جلد از جلد پُر امن اور نارمل صورتِ حال بحال ہو جائے۔ انہوں نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ "پُرامن" طور پر چناؤ لڑیں گے۔

اس اعلان سے پبلک میں تحفظ کا جھوٹا احساس پیدا ہو گیا ہے۔ اس احساس میں ان لوگوں نے اضافہ کیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ تشدد کمیونزم کے لئے ضروری نہیں۔ اگر ہندوستان کے کمیونسٹ تشدد کرتے ہیں تو اس کی وجہ ان کا کمیونزم نہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ جوشیلے اور گمراہ نوجوان ہیں۔ یہ رائے کچھ بڑے بڑے لوگوں کی بھی ہے جن میں ہندوستان کے وزیر اعظم بھی شامل ہیں۔ یہ لوگ دو قسم کے کمیونزموں میں امتیاز کرتے ہیں۔ ایک کمیونزم "سچا کمیونزم" ہے جس پر غالباً روس، چین اور باقی ہر ملک میں عمل ہو رہا ہے۔ البتہ ایک "جھوٹا اور متشددانہ کمیونزم" ہے جس پر "بدقسمتی سے" صرف ہندوستان میں عمل ہو رہا ہے"۔ یہ تمام خیال آرائی انتہائی گمراہ کن اور خطرناک ہے۔

یہ اسی قسم کے خیالات کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان میں کمیونزم کے خلاف صحتمندانہ اور واقفکارانہ مزاحمت موجود نہیں۔ یہ اسی قسم کے غلط تصورات کا نتیجہ ہے کہ ہمارے دل و

دماغ کے کسی نہ کسی گوشے میں کمیونزم کے تئیں کمزوری موجود ہے۔ جیسے ہم اس کی اخلاقی برتری کو تسلیم کرتے ہوں یہی وجہ ہے کہ اس مجسّم بدی کی مزاحمت کرتے وقت ہمارے ارادے نیم دلانہ اور مذبذب ہوتے ہیں۔ ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء اور ہندوستان میں حیدرآباد کی شمولیت کے درمیانی وقفے میں کمیونسٹوں نے صرف دو اضلاع وارنگل اور نلگنڈہ میں دو ہزار اشخاص کو قتل کر دیا اور ۷۰ ہزار روپے کی مالیت کا دھان برباد کر دیا۔ لیکن بیشتر اشخاص نے یا تو اسے تسلیم ہی نہیں کیا اور صرف سرکاری پروپیگنڈہ کہہ کر نظرانداز کر دیا (جیساکہ ہماری حکومت روس کے متعلق واقعات کو امریکن پروپیگنڈہ قرار دے دیتی ہے) اور یا انہیں صرف انفرادی دہشت کے واقعات تصور کر لیا جن کا "حقیقی کمیونزم" کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

تو، اگر بات کو مختلف لفظوں میں کہنا مقصود ہو، کمیونزم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک سچا کمیونزم ہے اس کی بنیاد مختلف افراد کے ذاتی قیاس پر ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اینٹی سائنٹس کے متعلق کوئی ذاتی قیاس قائم کرے اور اسے بے ضرر سمجھ لے۔ دوسرا کمیونزم وہ ہے جسے لاکھوں آدمی ایک حقیقت کی طرح جانتے ہیں، جس کی تبلیغ پر اربوں روبل صرف کئے جا رہے ہیں، جس کی قربان گاہ پر متعدد طبقوں کو بھینٹ چڑھایا جا رہا ہے، جس کے لئے ملکوں کو غلام بنایا جا رہا ہے بین الاقوامی جنگ کی تیاریاں کی جا رہی ہیں، نوجوانوں سے فوجی ڈرل کرائی جا رہی ہے اور جگہ جگہ محاذ قائم کئے جا رہے ہیں۔ ہم اسی ثانی الذکر کمیونزم کی بات کرتے ہیں۔ اس کمیونزم کو سچے کمیونزم کے نام پر تشدد، دہشت اور جھوٹے پروپیگنڈے سے الگ کرنا صرف لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس لاعلمی کے شکار لوگوں کو اس کمیونزم کا کوئی پتہ نہیں جو سوویٹ روس میں ایک ٹھوس حقیقت کی طرح موجود ہے۔ اور جس پر دنیا بھر کی کمیونسٹ پارٹیاں ایمان رکھتی ہیں۔ ہمیں کمیونزم کے متعلق فیصلہ

مارکس، لینن اور سٹالن کے بیانوں سے کرنا چاہئے۔ اپنے ذاتی قیاس کی بنا پر نہیں۔ ہمیں یہ امید نہیں رکھنی چاہیئے کہ کیمونزم کے ان مبلغوں کے عقیدے وہی ہوں گے جو ہم ان سے منسوب کرنے کے آرزو مند ہیں۔

مارکس کا ایمان تھا کہ "بغاوت جتنی جنگ ہے اتنی ہی ایک آرٹ بھی ہے"۔ بغاوت کے اس آرٹ میں دہشت ایک اہم ہتھیار ہے۔ بقول لینن "ہم نے دہشت پسندی کو اصولی طور پر کبھی مسترد نہیں کیا اور نہ ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ دہشت پسندی فوجی کارروائی کی ایک شکل ہے جسے مفید طریقے پر استعمال کیا جا سکتا ہے"۔ (۵۹) منافقت اور فریب کو بھی وہ کیمونسٹ پارٹی کے لئے لازمی قرار دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے "ہر قسم کے جنگی اصولوں کو اپنانا ضروری ہے۔ حکمت عملی، ناجائز طریقے، فریب دینا اور نظر بچا کر نکل جانا"۔ (۶۰)

کیمونسٹ لیڈر کیمونزم کو یہی کچھ سمجھتے ہیں لیکن پنڈت نہرو نے جون ۱۹۵۰ء کو انڈونیشیا میں جوک جکوترہ کے مقام پر ایک بہت بڑی میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انہیں "کیمونزم کے نظریئے سے کوئی اختلاف نہیں"۔ اور ہندوستان میں کیمونسٹ سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ وہ "حقیقت میں انقلاب دشمن ہیں"۔ اور "اختلال پیدا کرنیوالی کیمونسٹ سرگرمیوں کا جو نتیجہ ہوتا ہے وہ انقلاب کے بنیادی اصولوں کے بالکل منافی ہے"۔ کیمونزم کے متعلق جمہوری لیڈروں کی لاعلمی کیمونزم کے خلاف جنگ میں جمہوریت کا سب سے کمزور پہلو ہے اور یہی لاعلمی سرخ فوج اور بین الاقوامی کیمونزم کی مدد سے دنیا کو غلام بنانے کی کوشش میں روس کا سب سے بڑا اثاثہ بھی ہے۔

حاشیہ متعلقہ صـــ

بین الاقوامی کیمونزم اب چونکہ مبتذل ہو کر صرف روس کی خارجہ پالیسی کا ضمیمہ بن کر رہ گیا ہے لہٰذا انقلاب کے مقامی ڈھانچے کے لئے لازمی طور پر روس کے سامراجی مفاد کی ماتحتی ضروری ہے۔ اس ماتحتی اور غلامی کو نظریات کی شکل دے کر خوبصورت لباس پہنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ ناواقف کار

لوگ اس غیر معمولی جرأت مندانہ کام کو جو انہیں سونپا گیا ہے بہ آسانی قبول کرلیں۔

نظریاتی تیاری ایک لمبے اور تکلیف دہ عمل کا نتیجہ ہے۔ اس کی دو سطحیں ہوتی ہیں ایک ذہنی اور دوسری تنظیمی۔ مارکسزم کے نظریئے اور اس کے آدرش وادانہ عنصر کی روسی مفاد کے مطابق تشریح در تشریح ہوتی رہتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پارٹی میں مسلسل صفائیاں بھی ہوتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ جو پارٹی باقی بچتی ہے وہ روس کی اس خارجہ پالیسی کی مکمل طور پر غلام ہوتی ہے جسے عملی جامہ پہنانے کا کام اس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ ہر ملک میں کمیونسٹ تھیوری اور کمیونسٹ پارٹی کو سٹالنی سانچے میں ڈھالنے کا کام دہرا ہوتا ہے جس کا ایک پہلو دوسرے پہلو کی تائید و تقویت کرتا ہے۔ خیالات کی سطح پر اس عمل کا مطلب جھوٹ، پردہ پوشی، سچائی کو مسخ کرنا، پروپیگنڈہ اور سیاسی اور اقتصادی معاملوں میں بے مثل خود اشتہاری ہے تنظیمی سطح پر اس کا مطلب ہے صفائیاں، بائیکاٹ اور کمیونسٹوں کے غلام ملکوں میں عوام کے گروہوں کے گروہوں کا خاتمۂ وجود، جلاوطنی، قید اور قتل۔

خیالات اور انسانی سروں کو کاٹنے اور مسخ کرنے کا عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک وہ روسی سامراج کے مفاد سے مکمل طور پر ہم آہنگ نہ ہو جائیں۔ اس عمل کے کم سے کم تین مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ مقامی تحریکوں کو بین الاقوامی کمیونزم کا ماتحت بنانے کا نظریاتی جواز پیش کیا جائے۔ دوسرا قدم یہ ہوتا ہے کہ بین الاقوامی کمیونزم کو روس کے تحفظ کی ضرورتوں کا غلام بنایا جائے اور تیسرا قدم یہ ہوتا ہے کہ روس کے تحفظ کو ساری دنیا پر روس کے اقتدار کا ہم معنے قرار دے دیا جائے۔

اس قسم کی نظریہ سازی نئی نہیں۔ تمام سامراجیوں، جابروں اور ڈکٹیٹروں نے اس پر عمل کیا ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ کسی وقت عیسائیت تک کو مسخ کیا گیا تھا اور اس کی وضاحت اس طریق پر کی گئی تھی کہ وہ غلاموں کی تجارت کرنے والے ملکوں کے مفاد کے ہم آہنگ ہو جائے۔

۱۹۱۴ء سے قبل جرمن سوشلسٹوں کا ایک حصہ اپنے آپ کو علانیہ سامراجی کہتا تھا۔ آج کے روسی کمیونسٹوں کی طرح یہ لوگ بھی مارکسزم کو اس قسم کا نظریاتی لباس پہنا دیتے تھے کہ وہ جرمنوں

کے سامراجی مقاصد کے مطابق بن جاتا تھا۔ وہ خالص مارکسی اصولوں کا سہارا لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ ان کا ملک چونکہ سرمایہ دارانہ اعتبار سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک ہے، اس لئے وہ سوشلزم کے قریب ترین ہے۔ لہٰذا جرمن سامراج کی مزاحمت کرنا بین الاقوامی سوشلزم کی مزاحمت کرنا ہے۔ روسی سامراجیوں کی نئی نسل کی دلیل بھی یہی ہے۔ وہ ایسے کسی کمیونزم کے روادار نہیں جو اُن کے سامراج کے ہم معنیٰ نہ ہو۔

چوتھا حصّہ

ہندوستان کی زراعت کی ترقی

نواں باب

گذشتہ ابواب میں ہم نے مختلف ملکوں میں کسانوں کے متعلق کمیونسٹوں کی تھیوری اور طریق کار کا مطالعہ کیا ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ کمیونزم کسانوں کو تباہی، بربادی اور مصیبت کی طرف لے جاتا ہے۔

اب ہم ہندوستانی زراعت کی تعمیر جدید کے نقشے سے بحث کریں گے۔ آج سوویٹ نظریہ ساز مدعی ہیں کہ آئندہ دوسری قوموں کے لئے اپنی قومی اقتصادی زندگی کو لینن اور سٹالن کی تعلیمات کی روشنی میں مرتب کرنا لازمی ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ سوشلزم کی تعمیر کے لئے سوویٹ تجربے کی نقالی ضروری ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اگرچہ یہ دعویٰ درست نہیں لیکن جب یہ دعویٰ کیا جا چکا ہے تو اسے نظر انداز کر دینا بھی دانشمندی کی بات نہیں۔ روسی روپے اور پروپیگنڈے کی بدولت سوویٹ "تجربے" کو جو وقار اور قوت حاصل ہو چکی ہے اس کی وجہ سے کسی بھی ملک کے رہنما سوویٹ دعوے کو بہ آسانی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ مزید براں ہمیں "سوشلزم" کی تعمیر کے سلسلے میں مارکسزم لینن ازم اور سوویٹ تجربے سے واقعی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ اگرچہ یہ سیکھنا صرف عبرت حاصل کرنے کے لئے ہوگا۔ اس تجربے کے مطالعے سے ہم بہتر طور پر معلوم کر سکتے ہیں کہ اپنی قومی اقتصادی زندگی مرتب کرتے وقت ہمیں کن کن باتوں سے بچنا ہے۔ اور کن کن چیزوں کو فروغ دینا ہے۔

کمیونسٹوں کے علاوہ لوگوں کی ایسی کثیر تعداد موجود ہے، جو اگرچہ کمیونسٹوں کے طریق کار سے اختلاف رکھتے ہیں، لیکن زرعی تنظیم کے روسی طریقوں نے انھیں بہت زیادہ مرعوب کیا ہے

اس قسم کے لوگ مختلف سیاسی پارٹیوں، انتظامی شعبوں اور یونیورسٹیوں میں بہ کثرت پائے جاتے ہیں۔ گذشتہ چند سالوں میں ہمیں خوراک کی قلت کا جو سامنا ہوا ہے۔ اس نے اس سوال کو مزید اہمیت دے دی ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ خیالات ہی عمل کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ اجتماعیت اور مشینی زراعت کے نظریے کی قدر و قیمت کا اندازہ لگانا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس سے بحث کرنا ضروری اس لئے ہے کہ خوراک کی قلت کے پیش نظر بہت سے بااثر لوگ اصلاح حال کے لئے اس سمت آنکھیں لگائے ہوئے ہیں۔

ان غیر کمیونسٹ اجتماعیت کیشوں کے علاوہ ایسے بہت سے نوجوان مرد اور عورتیں موجود ہیں جنہوں نے کمیونسٹ طریقوں کو اس لئے قبول کر لیا ہے کہ ان کے نزدیک اجتماعی مشینی نظام اقتصادیات صرف ان ہی طریقوں سے قائم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان کا یہ دشواس بھی ہے کہ ہماری اقتصادی بدنظمی کا اس نظام کے سوا اور کوئی علاج نہیں۔ اگر ہم انہیں یہ یقین دلا دیں کہ جس اقتصادی نظام کے لئے وہ لڑ رہے ہیں، وہ خوشحالی نہیں لائے گا بلکہ زیادہ قلت اور مزید مصیبتوں کا باعث ہوگا تو انہیں اپنے غیر اخلاقی رجحان اور متشددانہ طریقوں کو خیرباد کہنے میں مدد ملے گی۔

اس باب میں ہم مندرجہ ذیل نکات سے بحث کریں گے:-

(۱) اقتصادی ارتکاز اور بالواسطہ طریق پیداوار کے معاملے میں مشینیت کا دور صرف ایک تاریخی حادثہ تھا۔ جو ملک اقتصادی تعمیر جدید کے میدان میں اس کے بعد داخل ہوئے ان کے لئے اس نمونے کی پیروی کرنا ضروری نہیں۔

(۲) اگرچہ صنعت کے معاملے میں اس طریق کا تھوڑا بہت تاریخی جواز موجود ہے۔ لیکن اسے زراعت کے میدان میں برتنے کا کوئی جواز موجود نہیں۔

(۳) وسیع پیمانے پر اجتماعی کاشت ناقص ہوتی ہے اور ٹریکٹروں کے ذریعہ زراعت گراں پڑتی ہے۔

(۴) اگرچہ بعض حالات میں وسیع پیمانے پر کاشت ایک لحاظ سے قابل جواز ہے اور ان حالات میں زرعی مشینری اور ٹریکٹروں کا استعمال بھی بار آور ہو سکتا ہے لیکن ہندوستانی ماحول میں اس کا نتیجہ اقتصادی دیوالیہ پن ہوگا۔

(۵) ہم اس نکتے سے بھی بحث کریں گے کہ اصولوں کو خیر باد کہنے کا مطلب اس مقصد کو خیر باد کہنا نہیں کہ فی کس پیداوار کو بڑھایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اصولوں کے استرداد کا باعث ہی اس مقصد کو قبول کرنا ہے۔

(۶) اس حقیقت کے پیش نظر کہ ارتکاز اور مشین پرستی اس مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام رہے ہیں، ہمیں اقتصادی بہبود کی تنظیم کے مؤثر تر طریقوں کی تلاش کرنی چاہئے اور یہ طریقے ایسے ہونے چاہئیں کہ ان پر لاگت بھی کم آئے اور ان سے کسی خاص انتظار کے بغیر پیداوار میں بھی فوری اضافہ ہو سکے۔

(۷) آخر میں اس نکتے سے بحث ہوگی کہ اس خوشحالی کا حصول اس طرح ممکن ہے کہ بیکار جاگیرداروں اور سود خور مہاجنوں کو الگ کر کے ان سماجی اخراجات سے نجات حاصل کر لی جائے جو بدیہی اور نمایاں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں ان ٹیکنیکل لاگتوں سے بھی بچنا چاہئے جو اگرچہ اتنی بدیہی اور نمایاں نہیں لیکن حقیقی اور بھاری ضرور ہیں۔ ٹیکنیکل اخراجات سے مراد ٹریکٹروں مشینوں اور مصنوعی کھاد کے غیر معمولی اخراجات ہیں۔ اس کے مقابلے میں ہمیں ایسے سماج کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے جو چھوٹے چھوٹے مالک کسانوں پر مشتمل ہو۔ یہ کسان مقامی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اناج پیدا کریں، مقامی ذرائع کو ہی استعمال میں لائیں اور صرف ایسے آلات کاشت کو استعمال کریں جو ان کی محنت کو زیادہ بار آور بنا سکیں۔

وسیع پیمانے کی پُر پیچ پیداوار

صرف ایک اتفاقی تاریخی حادثے کی بدولت مشینیت اور ٹیکنیکل ترقی نے سرمایہ داری

کے ارتقا کی راہ اختیار کرلی۔ اس ارتقا کے دو پہلو ہیں۔ ایک ذرائع پیداوار کا ارتکاز جسے بڑے بڑے یونٹوں کے صنعتی انتفاع نے ممکن بنا دیا ہے اور دوسرا "پُرپیچ" طریق پیداوار کا عالمِ وجود میں آنا۔ اس طریقے کا نتیجہ ان چیزوں کی افزائش ہے جنہیں بنیادی یا "پیداوار کے سامان" کا نام دیا جاتا ہے۔

پہلے نکتے کو سمجھنا آسان ہے۔ ایک خاص قسم کی ایجادوں نے مرتکز پیداوار کو فروغ دیا۔ اگرچہ مشینوں کا یہ قدرتی وصف نہیں کہ ان کے استعمال کے لئے لوگوں کو لازمی طور پر ایک ہی چھت کے نیچے جمع ہونا پڑے۔ ایجادوں اور اختراعوں کا آغاز سرمایہ داری سے کہیں پہلے ہوا۔ ان میں سے بعض جو اپنے سماجی نتائج کے اعتبار سے بہت زیادہ اہم ہیں گزشتہ چند صدیوں میں ایجاد یا دریافت ہو چکی تھیں۔ تیر کمان، آگ، ہل چلانے اور فصلیں اُگانے کی ایجاد یا دریافت انتہائی معرکہ خیز تھی۔ لیکن ان کا نتیجہ مرکزیت یا اجتماع کی صورت میں رونما نہیں ہوا۔ موجودہ دور میں بھی ایسے طریقے اور ایسی مشینیں ایجاد کرنا ممکن ہے جنہیں افراد اپنی جھونپڑیوں میں اپنے فائدے کے لئے استعمال کر سکیں اور اس طرح اپنی قوتِ پیداوار میں اضافہ کر سکیں۔ مشینیت کے ایسے کوئی قدرتی اصول نہیں جو اس قسم کے ارتقاء کے راستے میں حائل ہو سکیں۔ اس سے جہاں ارتکاز سے بچنا ممکن ہو سکے گا وہاں فی کس پیداوار میں اضافہ بھی ممکن ہو سکے گا۔ اس طرح اشیائے ضروریہ کی فراوانی ہو جائے گی۔ لیکن جس طرح لوگ فکر کو کسی خاص نظام فکر کے ساتھ گڈمڈ کر دیتے ہیں اسی طرح مشینی اور ٹیکنیکل ترقی کو بھی ایک خاص قسم کی مشینوں اور ٹیکنیکل ترقی کے ساتھ خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے ابہام میں مبتلا ہونا بہت آسان ہے اور کٹر کمیونسٹوں کے اقتصادی اور سیاسی مفاد اس ابہام کو بڑی آسانی کے ساتھ مبہم تر بنا دیتے ہیں۔

دوسرا خیال مشکل تر ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ کیپٹل مشینیں "پیداوار کا سامان" ہیں یہ بڑی بڑی مشینوں سے بنتی ہیں اور ان کا مقصد مزید مشینیں تیار کرنا ہے۔ یہ مزید مشینیں

مزید مشینیں تیار کرتی ہیں اور اس طرح تیاری کا ایک باقاعدہ چکر شروع ہوجاتا ہے۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے اور ماہرین بھی اس خیال کی تائید کرتے ہیں کہ یہ کیپٹل مشینیں آمدنی کے مترادف ہیں اور انہیں قومی دولت خیال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہمارے اندازے کے مطابق وہ لاگت میں شامل ہیں جنہیں زبردستی محنت اور قوم کے مادی ذرائع کے سر تھوپ دیا جاتا ہے۔ انہیں قومی دولت صرف اس صورت میں قرار دیا جا سکتا ہے اگر ان کو استعمال کی چیزوں میں منتقل کیا جا سکے۔ مثال کے طور پر ٹریکٹروں کو لیجئے! اقتصادیات کے ماہر پروفیسروں کے مطابق ٹریکٹر آمدنی ہیں۔ لیکن ہمارے نقطۂ نگاہ سے وہ اخراجات ہیں جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ یہ اخراجات بالآخر اناج کی پیداوار میں اس حد تک اضافہ کریں گے جس سے ٹریکٹر بنانے کے تمام اخراجات کی نہ صرف تلافی ہو جائے بلکہ اضافۂ پیداوار ان کی مجموعی لاگت سے زیادہ ہو۔ اس لاگت میں مادی خرچ اور انسانی محنت دونوں کو شامل کرنا چاہیئے۔

یہ نکتہ کسی بھی ماہر اقتصادیات کے لئے غور طلب ہے بشرطیکہ اس کی نگاہیں اخراجات کے ان اعداد و شمار سے دور جا سکیں جو کسی خاص صنعت کے لئے تیار کئے گئے ہوں۔ اور ان سماجی اور اقتصادی لاگتوں کا جائزہ بھی لے سکیں جو فوری نوعیت کی نہیں اور نہ صنعت کے اس خاص شعبے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے اور تفصیلی بحث کا طالب ہے۔ لیکن یہاں ہم یہ بحث نہیں چھیڑیں گے۔ اس کے برعکس ہم بلادلیل یہ بات تسلیم کر لیں گے کہ بڑی بڑی مشینوں سے جو سرمایہ میں شامل کی جاتی ہیں کسی حد تک اشیائے ضروریہ کی سپلائی میں واقعی اضافہ ہوتا ہے لیکن اس مفروضے سے بھی یہ کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ یہ اضافہ کسی اور طریقے سے ممکن نہیں تھا۔ جس طرح وسیع پیمانے پر پیداوار کا مشینی انداز اختیار کر لینا ایک تاریخی حادثہ تھا جس نے بعد میں اپنا طریق کار خود وضع کر لیا اور اس کے ساتھ مفاد مستقلہ بھی وابستہ ہو گئے، اسی طرح مشینیت

کا بڑی بڑی مشینوں کی شکل اختیار کرنا اور پیچ در پیچ طریق پیداوار کو جنم دینا بھی ایک تاریخی حادثہ تھا۔ کم پیچیدہ مشینوں اور نسبتاً کم پیچیدہ طریقوں سے پیداوار میں اضافہ کرنا ممکن ہے اور اس کے راستے میں کوئی بھی چیز حائل نہیں۔ مثال کے طور پر کھاد بہ آسانی مل سکتی ہے اور مقامی طور پر مل سکتی ہے۔ اسے براہ راست اناج کی پیداوار میں استعمال کیا جا سکتا ہے اور اس کا نتیجہ بھی فوری طور پر محسوس ہو سکتا ہے لیکن اس کھاد کو ماہرین اقتصادیات شاذ و نادر ہی سرمائے کی مد میں شامل کرتے ہیں۔ دوسری طرف مصنوعی کھادیں جن پر کافی پیسہ خرچ آتا ہے اور مشینری بھی درکار ہوتی ہے جنہیں مرکزی اور وسیع پیمانے پر ہی تیار کیا جا سکتا ہے اور اسی انداز پر ان کی تقسیم ممکن ہے سرمائے میں شامل کی جاتی ہیں۔ جن لوگوں پر ہمارے ملک کو صنعتی ترقی دینے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے ان کی توجہ کا مرکز یہی طریقہ بنتا ہے۔ یہ ایک نمایاں، بدیہی اور بڑے نظام کا جبر ہے۔ جب مشینیں مزید مشینیں تیار کرتی ہوں تو ہم یہ نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں کہ بالآخر یہ مشینیں زیادہ اشیائے ضروریہ کی پیداوار کا باعث بھی ہوں گی اور بعض حالتوں میں جب یہ مشینیں واقعی ایسی چیزیں تیار کریں جنہیں اشیائے ضروریہ کا نام دیا جا سکے، تو ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ ہمیں ان چیزوں کی واقعی ضرورت ہے۔

زراعت میں وسیع پیمانے پر پیداوار کا تجربہ

یہ درست ہے کہ بعض ملکوں کی صنعت میں مشینوں نے اشیائے ضروریہ کی پیداوار میں اضافہ کیا ہے۔ اگرچہ یہ اضافہ اتنا نہیں تھا جو اس محنت اور سرمائے کی تلافی کر سکے جو اُن مشینوں کی تیاری پر صرف ہوا لیکن ذہن کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اپنے تجربے کی حدود سے آگے دوڑتا ہے اور بعض اوقات ان جائز نتائج سے بھی آگے نکل

جاتا ہے جو اس تجربے سے اخذ کئے جا سکتے تھے۔ لہٰذا ہر چیز کو تکمیل تک لے جانے کی آرزو نے ہمارے ان تجربات کو جو صرف صنعت کے میدان میں حاصل کئے گئے زراعت پر بھی لاگو کر دیا ہے۔ یہ فرض کر لیا گیا کہ کاشتکاری کے یونٹ کو بڑا کر دینے سے اور اس میں استعمال ہونے والی مشینوں کی تعداد میں اضافہ کر دینے سے زراعت ایک صنعت بن سکتی ہے اور کھیتوں کو اناج کی فیکٹریوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد فصلیں صنعتی سامان کی طرح تیار ہو سکیں گی اور مختلف زرعی عملوں میں کمی بیشی کی جا سکے گی جس طرح کوئلہ تیار کہیں ہوتا ہے اور اس کا استعمال کہیں اور، اسی طرح زراعت میں بھی یہ ممکن ہو سکے گا۔ ہل چلانا، فصل بونا اور پکانا یہ سب چیزیں ایک ایسی مصنوعی طور پر پیدا کردہ ٹمپریچر میں انجام پائیں گی، جس پر صنعتی ماحول کی طرح پورا پورا کنٹرول ہوگا۔ مختصراً یہ کہ ناگزیر ترقی کے اس خیال کو اپنا لیا گیا جس میں شریک کسی نہ کسی حد تک سبھی ہیں، لیکن اس کے سب سے بڑے مبلّغ ہیں کمیونسٹ۔

لینن زراعت اور صنعت کے فرق کو کسی حد تک تسلیم کرتا تھا اور یہ مانتا تھا کہ "زراعت کے کچھ مخصوص پہلو ہیں، جن سے رہائی حاصل کرنا ممکن نہیں۔" وہ محسوس کرتا تھا کہ زراعت "وسیع مشینی صنعت کی سطح تک ان معنوں میں نہیں پہنچ سکی، جو مارکس کے ذہن میں تھے۔" اور یہ کہ اقتصادی سرگرمی کی اس شاخ میں ابھی تک "مشینوں کا ایک ایسا سسٹم جو زرعی پیداوار کے طریقے کے بالکل مطابق ہو" موجود نہیں لیکن مجموعی طور پر اسے یقین تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ زراعت صنعتی انداز اختیار کر لے گی۔ اگرچہ اس کے نزدیک پیداوار کے طریقوں کا استعمال "بالکل سیدھی لکیر کی طرح نہیں ہوگا بلکہ پیچدار پگڈنڈیوں سے ہو کر گذرے گا۔" لیکن اس کے نزدیک یہ طریقے بالآخر استعمال ضرور ہوں گے۔ کیونکہ "زراعت میں انقلاب ناگزیر ہے اور اس سے بچنا قریب قریب ناممکن!" اور یہ واقعہ ہے کہ وہ اس وقت کا منتظر تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ "زراعت

میں الیکٹرک انجنیئرنگ کی شاندار کامیابی وسیع پیمانے پر پیداوار کی ترجمان ہوگی" (۱)

ٹریکٹروں والی زراعت ہندوستان کیلئے ناموزوں ہے

ہم ارتکاز اور پیچ در پیچ پیداوار دونوں کو ہی مسترد کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہم اپنی زراعت کے پھیلاؤ کے حامی ہیں۔ اس زراعت میں ایسے طریقے اور ایسی مشینیں استعمال ہونی چاہئیں جن پر بڑی لاگتیں نہ آئیں اور جنہیں براہ راست اور فوری طور پر اشیائے ضروریہ میں تبدیل کیا جا سکے۔ اجتماعی اور مرتکز زراعت کے نظام کو مسترد کرنے سے ہمارا یہ مدعا نہیں کہ ہم اضافۂ پیداوار کے مقصد کو خیرباد کہہ دیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارے نزدیک صرف اس قسم کا استرداد ہی چند تعمیری قسم کی تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے بعد اضافۂ پیداوار کی ضمانت بن سکتا ہے۔ ٹریکٹروں کا استعمال اور زراعت کا ارتکاز ہمارے مسائل میں اضافہ کرے گا، ہماری سماجی بنیادوں کو ہلا دیگا، پیداوار کم کر دے گا، ہمارے کسانوں پر ناقابل برداشت لاگتوں کا بوجھ لاد دے گا اور اس وسیع نیم براعظم کے عوام کے لئے ان گنت مصیبتوں کا باعث ہوگا۔

اپنے نقطۂ نگاہ کی حمایت میں ہم سوویٹ روس کی مثال پیش کرتے ہیں۔ اس ملک میں ٹریکٹروں کا رواج انتہائی عروج پر ہے۔ لیکن فی ایکڑ پیداوار قلیل ترین ہے۔ ہندوستان کے مقابلے میں یہ پیداوار غالباً زیادہ ہے۔ لیکن یہ صورت حال زار کے زمانے میں بھی تھی، جب ٹریکٹر استعمال نہیں ہوتے تھے۔ ٹریکٹروں اور مشینی ہلوں کے باوجود، ان اربوں روبلوں کے باوجود جو ان ٹریکٹروں اور مشینی ہلوں پر خرچ ہوئے، سالہا سال کی بھوک اور قحط کے باوجود جس میں سوویٹ حکومت نے بے بس قوم کو مبتلا کر دیا، اس لاکھوں ٹن کوئلے اور لوہے کے باوجود جو زراعتی مشینوں پر ہر سال صرف ہوتا ہے، روس میں فی ایکڑ پیداوار میں بمشکل ہی کوئی اضافہ ہوا۔ اگر ایک پونڈ اس

کی منظم مصیبت کے بعد کچھ اضافہ نظر بھی آتا ہے تو یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا باعث ٹریکٹروں کا استعمال ہے۔ اس برائے نام اضافۂ پیداوار کا باعث بہتر بیج اور بہتر نگہداشت بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اور لاشوں کے انبار کے باوجود اجتماعی اور مشینی زراعت بہت سے لوگوں کے لئے جذب و کشش کا باعث ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کے لئے لاشوں کے اس انبار کا نظارہ ہی دلکش ہو۔

ایک قوت متحرکہ کی حیثیت سے۔ مسئلہ زیر بحث اتنا اہم ہے کہ اس کی وضاحت بہت ضروری ہے۔ ہم اس پر دو پہلوؤں سے بحث کریں گے۔ اول یہ کہ مشینیں اور ٹریکٹر زمین کی قوت پیداوار میں اضافہ نہیں کرتے اور دوم یہ کہ اگر وہ پیداوار میں اضافہ کریں بھی تو پیداوار کی لاگت میں اس سے کہیں زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

مشینیں اور پیداوار

پہلی بات یعنی اس نکتے کو سمجھنے کے لئے کہ مشینوں اور ٹریکٹروں کی زیادتی یا کمی کا زمین کی فی ایکڑ پیداوار پر کوئی اثر نہیں پڑتا، مندرجہ ذیل نقشے پر نگاہ ڈالیے جس میں مختلف ملکوں کی فی ایکڑ گندم کی پیداوار دکھائی گئی ہے۔ ان ملکوں کی زراعت میں مشینوں کا استعمال بڑے ہی مختلف پیمانوں پر ہوتا ہے۔

گندم کی فی ایکڑ پیداوار بوشلوں میں (۲)

ملک	۱۹۳۰-۳۱ء	۱۹۳۱-۳۵ء
	بوشل	بوشل
امریکہ	۱۳٫۵	۱۳٫۲
برطانیہ	۳۳٫۶	۳۳٫۸
اسپین	۱۲٫۱	۱۱٫۱

جرمنی	۳۲٫۱	۳۴٫۸
آسٹریا	۲۳٫۶	۲۴٫۵
پولینڈ	۱۷٫۴	۱۸٫۰
ہالینڈ	۴۲٫۲	۴۵٫۰
فن لینڈ	۲۵٫۹	۲۶٫۶
ناروے	۲۵٫۱	۲۹٫۹
یوگوسلاویہ	۱۵٫۶	۱۸٫۱
البانیہ	۱۸٫۷	۱۵٫۲
ہنگری	۱۹٫۴	۲۲٫۳
لتھونیا	۱۸٫۸	۱۷٫۶
بلغاریہ	۱۷٫۲	۲۲٫۸
دکنی افریقہ کی یونین (صرف یورپین رقبہ کاشت)	۸٫۱	۸٫۴
چین	۱۶٫۷	۱۴٫۹
جاپان	۲۷٫۱	۲۸٫۸
ہندوستان	۱۰٫۷	۱۰٫۷
ایران	۱۸٫۵۰	۱۷٫۲
آسٹریلیا	۱۲٫۲	۱۲٫۹
نیوزی لینڈ	۳۰٫۲	۳۲٫۳
سوویٹ یونین	۱۰٫۰	۱۰٫۵

اس چارٹ سے پتہ چلتا ہے کہ امریکہ، سوویٹ یونین اور آسٹریلیا جیسے ملک

جہاں ٹریکٹروں کا رواج بہت زیادہ ہے ایسے ملک ہیں جن میں فی ایکڑ پیداوار قلیل ترین ہے۔ دوسری طرف ہنگری، یوگوسلاویہ، ایران، چین، البانیہ، پولینڈ اور بلغاریہ جیسے ملک جو بہت غریب ہیں اور بڑے پیمانے کی ٹریکٹری نظام کا دعویٰ نہیں کر سکتے وہاں فی ایکڑ پیداوار ٹریکٹری زراعت والے ملکوں سے زیادہ ہے۔ برطانیہ ایک ایسا ملک ہے جہاں مشینوں کا رواج بہت زیادہ ہے اور وہاں فی ایکڑ پیداوار بھی بہت زیادہ ہے لیکن اس کی وجہ جن سے ہم یہاں بحث نہیں کریں گے ٹریکٹر نہیں بلکہ کچھ اور ہیں۔

اگر ہم غذا کی ایک اور اہم مد چاول کی فی ایکڑ پیداوار کا موازنہ کریں تو بھی یہی نقشہ سامنے آتا ہے: (۳)

ملک	پیداوار فی ہیکٹر (۳۸-۱۹۳۴ء کی اوسط)	
روس	۲۱،۴	کوئنٹل
امریکہ	۲۴،۷	
چین	۲۵،۶	
جاپان	۳۶،۱	
اٹلی	۵۲،۸	
اسپین	۵۲،۴	
ترکی	۲۹،۹	
بلغاریہ	۲۴،۷	
ہندوستان	۱۳،۴	

اس نقشے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ جن ملکوں میں ٹریکٹروں کا رواج بہت زیادہ ہے اور کاشت بڑے بڑے کھیتوں میں کی جاتی ہے، وہاں فی ایکڑ پیداوار زیادہ ہرگز نہیں۔

فی الحقیقت یہ بہت کم ہے۔ دوسری طرف، جاپان جیسے ملک میں جہاں ٹریکٹر بالکل نہیں ہیں فی ایکڑ پیداوار بہت زیادہ ہے۔

مشینیت کی لاگت

مشینی زراعت نہ صرف پیداوار میں اضافہ کرنے میں ناکام رہتی ہے بلکہ یہ کسانوں پر غیر ضروری اخراجات کا بوجھ بھی لاد دیتی ہے۔ مختلف ملکوں میں اس قسم کے اخراجات کا موازنہ کرنے کے لئے مناسب اعداد و شمار موجود نہیں لیکن جو نقشے ہم ذیل میں درج کریں گے ان سے اس نکتے کی وضاحت ضرور ہو جائے گی، جس پہ ہم زور دینا چاہتے ہیں۔ یہ نکتہ یہ ہے کہ ٹریکٹروں اور مشینوں کی لاگت اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ ہمارا غریب ملک اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ ایک نقشہ امریکہ میں مختلف قسم کے ٹریکٹروں کی لاگت ظاہر کرتا ہے۔ اس چارٹ میں ٹریکٹروں کی قیمتِ خرید شامل نہیں۔ صرف یہ دکھایا گیا ہے کہ انہیں چالو رکھنے پر کیا لاگت آتی ہے۔ اس میں ٹریکٹروں کی ٹوٹ پھوٹ کی منہائی، تیل، گریز اور مرمت شامل ہیں۔ ٹریکٹر چلانے والے کی تنخواہ اس میں شامل نہیں۔

مختلف قسم کے ٹریکٹروں کی فی گھنٹہ فی ٹریکٹر لاگت سال بھر کے مجموعی گھنٹوں کے حساب سے (۴)۔

مجموعی لاگت فی گھنٹہ ڈالروں میں

فی سال مجموعی استعمال گھنٹوں کے حساب سے	ایک ہل والا ٹریکٹر	دو ہل والا ٹریکٹر	تین ہل والا ٹریکٹر
۵۰	۱.۵۶	۲.۳۶	۳.۸۶
۱۰۰	.۸۸	۱.۳۰	۱.۵۹
۵۰۰	.۳۳	.۴۵	.۵۷
۱۲۰۰	.۳۰	.۳۸	.۵۰

اگر ان لاگتوں کو سالانہ اعداد و شمار کی شکل دے دی جائے تو معاملے کی حقیقی تصویر سامنے آجائے گی۔ اسی ملک کا سنہ ۱۹۳۹ء کا ایک اور تخمینہ پیش کیا جاتا ہے۔

	ایک ہل کا عام استعمال میں آنیوالا ٹریکٹر	۲ ہل کا عام استعمال میں آنیوالا ٹریکٹر	۳ ہل کا عام استعمال میں آنیوالا ٹریکٹر
فی گھنٹہ لاگت ڈالروں میں (دسمبر ۱۹۳۹ء)	۴۴؍	۵۱؍	۵۶؍
سال بھر کی لاگت ڈالروں میں (دسمبر ۱۹۳۹ء)	۱۸۷	۲۸۹	۳۰۱

اب یہ تصور کیجئے کہ سنہ ۱۹۳۹ء یعنی زمانہ قبل از جنگ۔ میں ایک ہندوستانی کھیت ۱۸۷، ۸۹، یا ۳۰۱ ڈالر خرچ کرتا ہے۔ دو روپے بارہ آنے فی ڈالر کی شرح تبادلہ کے حساب سے ہندوستانی کرنسی میں یہ رقم بالترتیب ۵۱۴، ۹۵۔ اور ۸۲۸ روپے ہوگی۔ یہ خرچ ناممکن بھی ہے، اور تباہ کن بھی۔ اگر ان رقوم کو زمانہ بعد از جنگ کی مروجہ قیمتوں میں منتقل کیا جائے تو یہ چار گنا ہو جائیں گی۔

اوپر کے نقشے میں بعض مدیں ایسی ہیں جن سے لاگتیں نسبتاً کم نظر آتی ہیں۔ آؤ ہم ان مدوں سے بحث کریں تاکہ صحیح صورت حال سامنے آسکے اور جہاں کوئی غلط فہمی ہے اس کا ازالہ ہوسکے۔

لاگت کم ظاہر کرنے والی مدیں

امریکہ میں ٹریکٹروں کو حاصل کرنے اور انہیں چلانے کی لاگت ہندوستان کے مقابلے میں لازمی طور پر کم ہوگی کیونکہ اول الذکر ایک انتہائی طور پر ترقی یافتہ صنعتی ملک ہے۔ لہٰذا وہاں مشینوں کی تیاری اور ان کی تقسیم کے طریقے یقینی طور پر بہتر ہوں گے۔ دوسری طرف

ہندوستان ٹیکنیکل اعتبار سے ایک پسماندہ ملک ہے اور یہاں صنعت ابتدائی مرحلوں میں ہے خواہ ہم مشینیں باہر سے خریدیں اور خواہ انہیں اپنے ملک میں تیار کریں، ان کی لاگت زیادہ ہونی یقینی ہے۔ یہ بات روس کے متعلق بحث کے دوران سامنے آچکی ہے۔ جہاں خود پیداوار کے قول کے مطابق ۱۹۳۵ء میں ٹریکٹروں کو مرمت کرنے کی لاگت ان کی اصل لاگت سے مقابلے میں دوگنی تھی۔

ٹریکٹروں کے روزمرہ کے استعمال کی لاگت کا بھی زیادہ ہونا یقینی ہے۔ تیل امریکہ میں ہندوستان کے مقابلے میں سستا ہے۔ مزید براں روس اور امریکہ کی طرح ہمارے پاس تیل کی مقامی سپلائی نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں لامحالہ غیر ملکی درآمد پر انحصار رکھنا پڑیگا اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیئے۔ ٹریکٹروں کے استعمال سے ہم دوسرے ملکوں کے کس حد تک دست نگر ہو جائیں گے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر امریکہ کی طرح ٹریکٹروں کا ماہرانہ استعمال کیا جائے تو ایک ہل والے عام ٹریکٹر کو ۱۰ گھنٹے تک چلانے کے لئے ۱۲،۱۰ گیلن ایندھن کی ضرورت ہے۔ اسی طرح دو ہل والے ٹریکٹر کو ۱۰ گھنٹے تک چلانے کے لئے ۷، ۱۶ گیلن اور ۳ ہل والے ٹریکٹر کو چلانے کے لئے ۱، ۲۰ گیلن کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہماری آبادی روس سے دوگنی ہے اور اس کی طرح تیل ہمارے پاس نہیں ہے۔ فرض کیجیئے کہ ہم روس کی سطح پر ٹریکٹر استعمال کریں۔ جہاں ۱۹۴۰ء میں ۵۲۳۰۰۰ ٹریکٹر تھے (۵) اب ہم یہ فرض کرلیں کہ یہ ٹریکٹر اوسط سائز کے یعنی دو ہلوں والے ہیں اور ان کا زیادہ سے زیادہ استعمال کرنے کے لئے ہم ہر ٹریکٹر کو سال بھر میں ایک ہزار گھنٹے چلاتے ہیں۔ اس کے لئے ۸۷۳۴۱۰۰۰۰ گیلن تیل کی ضرورت ہوگی۔ اس تیل کی قیمت اگر دو روپے فی گیلن کے حساب سے لگائی جائے تو ملک کو صرف تیل کے لئے ۱۷۵ کروڑ روپے سالانہ خرچ کرنے پڑیں گے۔ روس میں زراعت کے لئے ایندھن کی مجموعی کھپت کا اندازہ ۵۰۰۰۰۰۰ ٹن لگایا گیا تھا۔ ۵۵ روبل فی ٹن کے حساب سے مجموعی لاگت ۲۷۵۰۰۰۰۰۰ روبل بنتی ہے۔ ٹریکٹروں کو گریز لگانے کی لاگت

اس کے علاوہ ہے جو اس لاگت کا ۱۰ فیصدی حصہ ہوگی۔ یہ یاد رہے کہ ۵۵ روبل فی ٹن وہ قیمت نہیں جو کسان ادا کرتا ہے بلکہ وہ قیمت ہے جس کا تخمینہ حکومت نے لگایا ہے۔ ۱۹ رجون ۱۹۳۳ء کے ایک حکم نامے کی رو سے مشترکہ کھیتوں کو ۷ سو سے ۸ سو روبل ٹن تک قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ قیمتوں کا یہ فرق علاقوں کی مناسبت سے تھا (۶) اس شرح کے حساب سے ہندوستانی کسانوں کو ایندھن کی جو قیمت ادا کرنی پڑے گی وہ اصل قیمت کے مقابلے میں ۱۳ گنا ہو جائے گی۔

اس بات کو بہتر طور پر سمجھنے کے لئے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ۱۹۴۰ء میں امریکہ کے کل ۶۰۹۶۷۹۹ کھیتوں میں سے ۲۸۳۷۶۱۴ کھیتوں نے اپنی رپورٹ میں گیلولین کیروسین اور تیل کے اخراجات ۳۲۳۲۳۹۰۰۰ ڈالر دکھائے تھے، جو دس کھرب روپے سے زیادہ ہے۔ ایندھن کی یہ ارزاں اقسام امریکہ میں بہ آسانی میسر آجاتی ہیں۔ اب اگر ہندوستان کو ایندھن کی سپلائی کے لئے اتنی رقم خرچ کرنی پڑے تو وہ اس کی مجموعی برآمد کی نصف قیمت سے زیادہ ہوگی ۱۹۳۸ء میں ہندوستان اور برما کی مجموعی برآمد کی قیمت ۶۳۳۳۰۰۰۰۰ ڈالر تھی (۷)

ایک اور مد بھی ہے جو مشینی زراعت کی بھاری بھرکم لاگت کو کم ظاہر کرتی ہے اس وقت تک ہم نے صرف ٹریکٹروں کی لاگت کو لیا ہے اور اس قسم کی دوسری لاگتوں کو نظرانداز کر دیا ہے۔ لیکن ہمیں اس سے قطع نظر کا حق نہیں پہنچتا بخصوصاً اس لئے کہ ٹریکٹر کی لاگت زراعت کو مشینی بنانے کی مجموعی لاگت کا صرف ایک حصہ ہے۔ اگر ہم ٹریکٹروں کی لاگت کے ساتھ ان تمام مشینوں کی لاگت بھی شامل کر دیں، جو ٹریکٹری زراعت کا لازمہ ہیں تو مجموعی لاگت واقعی بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ اس لاگت کے بھاری بھرکم ہونے کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ہم وہ رقوم پیش کرتے ہیں جو امریکی کھیتوں میں خاص خاص مدوں پر صرف ہوتی ہیں۔ یہ اعداد و شمار ہندوستان کی صورت حال کی صحیح عکاسی نہیں کرتے۔ ایک تو اس لئے کہ یہ صرف امریکہ کے نصف کھیتوں کے متعلق ہیں اور دوسرے اس لئے کہ امریکہ میں مختلف قسم کی مشینوں کی لاگت ہندوستان کے مقابلے میں کہیں کم ہے۔

۱۹۳۹ء میں امریکی کھیتوں کے خاص خاص مدوں کے اخراجات

مد	رپورٹ پیش کرنے والے کھیتوں کی تعداد	رقم (کتنے ہزار ڈالر صرف ہوئے)
آلات اور مشینری کے اخراجات	۱۶۸۶۶۰۹	۵۴۹۳۲۰
کھادوں کا خرچ	۲۳۴۷۰۳۱	۱۹۵۹۲۸
چونا پھیرنے کے اخراجات	۴۷۱۸۰۷	۲۱۶۷۴
ایندھن کے اخراجات	۲۸۸۶۶۱۴	۳۲۳۲۳۹
عمارتی سامان کے اخراجات	۱۹۸۰۱۰۸	۲۰۵۶۵۰

اگر ہم ان تمام لاگتوں کو شامل کر لیں، تو مجموعی لاگت ۱۴۰۰۰۰۰۰۰ بن جاتی ہے، جو ہماری ۳۹-۱۹۳۸ء کی مجموعی برآمد کی قیمت سے اڑھائی گنا ہے اور ہماری مجموعی غیر ملکی تجارت سے جس میں درآمد اور برآمد دونوں شامل ہیں، ڈیڑھ گنی۔

اگر دو مزید امور کو ذہن میں رکھا جائے تو تصویر اور بھی تاریک ہو جاتی ہے۔ ایک یہ کہ ابھی ایک طویل عرصے تک ہندوستان زرعی مشینری کا اتنا ماہرانہ استعمال نہیں کر سکے گا، جتنا امریکہ میں ہوتا ہے دوسرے یہ کہ امریکہ کے بڑے بڑے کھیتوں کے مقابلے میں ہمارے چھوٹے چھوٹے کھیتوں پر فی ایکڑ لاگت یقینی طور پر زیادہ ہوگی۔ اس کی وجہ بہت سادہ ہے۔ بڑے کھیتوں کے مقابلے میں چھوٹے کھیتوں پر سرمائے کی نسبتی ضرورت قدرتی طور پر بڑھ جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں بڑے کھیتوں کے مقابلے میں چھوٹے کھیتوں پر لاگت فی یونٹ زمین کے حساب سے زیادہ ہوگی۔

غالباً کوآپریٹو کاشت اور کرائے پر ٹریکٹر اور مشینیں مہیا کرنے والی پرائیویٹ ایجنسیاں قائم کر کے آخری خرابی کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح کم از کم استدلالی طور پر

زرعی مشینوں کا کفایت شعارانہ استعمال ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہندوستان میں فی ایکڑ لاگت دوسرے ملکوں سے بڑھنے نہ پائے۔

یہاں تک دلیل ٹھیک ہے لیکن یہ دلیل واقعی طور پر آگے نہیں چلتی۔ اول یہ کہ آخر ایسا کیوں ضروری ہے کہ انسانی سماج کو صرف اس لئے مختلف سانچوں میں ڈھالا جائے اور انسانوں کی تنظیم کو بھی صرف اس لئے مختلف انداز دیا جائے کہ وہ خاص قسم کی مشینوں اور طریقوں کے بہتر استعمال کے لئے موزوں بن جائیں۔ آخر یہ کیوں ضروری ہے کہ ہر نئی مشین اور ہر نئی ٹیکنیکل تبدیلی کے ساتھ ہم اپنی سماجی تنظیم پر خط تنسیخ پھیر دیں؟ آخر ایسی مشینیں کیوں نہ ایجاد کی جائیں اور ایسا ٹیکنیک کیوں نہ دریافت کیا جائے جن کا استعمال ایک ایسے سماج میں بھی مفید طور پر کیا جا سکے جس کی تنظیم کا انداز قدرتی اور دانشمندانہ ہو اور جس میں لوگ زیادہ خوشی اور تخلیقی لگن کے ساتھ کام کر سکیں۔ ہمارا فیصلہ آخری چیز کے حق میں ہے اور ہم پہلے طریقے کو ناقص خیال کرتے ہیں۔

لیکن فرض کیجئے کہ ہم کاشت کو اجتماعی بنا کر بڑی بڑی مشینوں کا استعمال ممکن بنا دیتے ہیں اور مشین ٹریکٹر سٹیشن قائم کرکے اس بات کا بھی اطمینان کر لیتے ہیں کہ مشینوں کا استعمال خوش اسلوبی سے ہوگا۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ ہمارا جواب یہ ہے کہ اس اطمینان کے بعد بھی مشینی زراعت کے اخراجات اتنے زیادہ ہوں گے کہ غریب کسانوں کے لئے ان کا متحمل ہونا قریب قریب ناممکن ہوگا۔

اس نکتے کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے یہ فرض کر لیجئے کہ مشینوں اور ٹریکٹروں کا استعمال یہاں اتنی ہی خوش اسلوبی سے ہوتا ہے جتنا امریکہ میں اور اس طرح یہاں فی ایکڑ خرچ امریکہ سے بڑھنے نہیں پاتا اور فی ایکڑ پیداوار بھی امریکہ کے برابر ہے۔ ان دونوں باتوں کو فرض کر لینا بہت بڑے مفروضے کو تسلیم کر لینا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان دونوں مفروضوں کو تسلیم کر لینے کے بعد بھی آمدنی اور خرچ کا تناسب کیا رہتا ہے۔ امریکہ کے اعداد و شمار میں

آ گئے ہیں۔ ان کا نقشہ درج ذیل ہے۔

فصل	فی ایکڑ پیداوار بوشلوں میں	فی ایکڑ خرچ جس میں لیانہ شامل نہیں	فی بوشل خرچ جس میں مالیانہ شامل نہیں	کسانوں کو ملنے والی قیمت فی بوشل
گندم	۱۰٫۱	۱۵٫۵۶	٫۵۸	۱٫۴۳
عام غلہ	۳۳٫۱	۲۷٫۴۸	٫۸۳	۱٫۱۳

فرض کیجئے کہ خرچ اور آمدنی کا یہی تناسب کسانوں کے لئے بھی ہے۔ اگر ہر بوشل (۳۰ سیر) گندم کے عوض وہ صرف ٫۵۷ ڈالر کماتا ہے تو اس کی مصیبت کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔ اگر اس آمدنی میں سے ان اخراجات کو بھی وضع کر دیا جائے جو ہندوستانی کسان جاگیرداروں اور مہاجنوں کو ادا کرتا ہے تو اس کی آمدنی منفی رہ جاتی ہے۔

مندرجہ بالا نتیجے اخذ کرتے وقت ہم نے یہ فرض کر لیا تھا کہ ہندوستان میں فی ایکڑ پیداوار اتنی ہی ہوگی جتنی امریکہ میں۔ لیکن یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔ فرض کیجئے کہ فی ایکڑ ہمارے اخراجات وہی ہوں اور پیداوار وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جو زیادہ قابل فہم ہے۔ کیونکہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ زراعت کو ٹریکٹری اور مشینی بنانے سے فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ نہیں ہوتا۔ اس صورت میں ہماری زراعت کا حال کیا ہوگا؟

یہ معلوم کرنے کے لئے مشینی زراعت کے فی ایکڑ اخراجات کو (جو امریکہ میں ہیں) ہندوستان کی فی ایکڑ پیداوار پر تقسیم کر دیا جائے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ امریکہ کی قیمتیں وہی ہیں جو ہر جگہ رائج ہیں تو حسب ذیل نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔

فصل	فی ایکڑ پیداوار بوشلوں میں	فی ایکڑ خرچ جس میں مالیانہ شامل نہیں۔ ڈالروں میں	فی بوشل خرچ جس میں مالیانہ شامل نہیں ڈالروں میں	کسانوں کو ملنے والی قیمت فی بوشل ڈالروں میں
گندم	۱۰٫۷	۱۵٫۵۶	۱٫۴۵	۱٫۴۳
عام غلہ	۱۲٫۹	۲۷٫۴۸	۲٫۱۳	۱٫۱۳

(۳) نقشے سے معلوم ہوگا کہ فی بوشل خرچ فی بوشل آمدنی سے زیادہ ہے۔ یہ صورت حال نہ تو کسانوں کے لئے مفید ہے اور نہ مجموعی طور پر ملک کے لئے۔ لیکن یہ قیمتیں آبادی کے شہری حصے کے لئے جس کے پاس بیچنے کے لئے مشینیں، ٹریکٹر اور کھادیں موجود ہیں ضرور فائدہ بخش ہوں گی۔

ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ روس میں کس طرح صنعتی ترقی اور پرولتاریہ کی ڈکٹیٹر شپ کے نام پر شہریوں کی حکومت کو سارے ملک پر ٹھونس دیا گیا۔ ہم یہ بھی دیکھ چکے ہیں کہ وہاں دیہات پر کس طرح بھاری بھرکم خرچ ٹھونس دئے گئے ہیں اور سٹالن کی حمایت کرنے والے مخصوص طبقے کے لئے کتنی بڑی بڑی آمدنیوں کا انتظام کر دیا گیا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مشینی زراعت کے توسل سے عوام کو کس طرح منظم طریق پر لوٹا جاتا ہے اور کس طرح چیزوں کو کسانوں سے بہت ارزاں نرخوں پر زبردستی خرید کر انہیں بھاری بھرکم قیمتوں پر از سرنو فروخت کر دیا جاتا ہے اس سے اگر کوئی فائدہ ہوتا ہے تو اتنا کہ قوم کے افلاس کو کامیابی کے ساتھ چھپا لیا جاتا ہے اور وہ لوگ بھی مزے میں رہتے ہیں جو اس صورت حال کے لئے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

زراعت کو مشینی بنانے کا مطلب ہے بھاری بھرکم اخراجات۔ کمیونزم کا مطلب ہے بیکار اور ضرر رساں مشینیت۔ لہذا کمیونزم کا مفہوم خرچ اور تباہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ کمیونسٹ جہاں بھی برسراقتدار آئیں گے یہی ہوگا۔ اندھا دھند مشینیت کو اپنانے والے سبھی ملکوں کا یہی حشر ہوگا، خواہ وہاں کمیونسٹ برسراقتدار نہ بھی آئیں۔

وہ حالات جن میں ٹریکٹر مفید ہوتے ہیں

ان تمام خرابیوں کے باوجود بعض حالات ایسے ہیں جن میں ٹریکٹروں کا استعمال منفعت بخش طریقے پر کیا جا سکتا ہے۔ ہم ان حالات کو بیان کریں گے جن میں ٹریکٹروں کا استعمال فائدہ بخش ہو سکتا ہے اور اس کے بعد یہ دیکھیں گے کہ کیا وہ حالات ہندوستان میں پیدا ہیں؟

اس کے بعد یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ اس ملک میں ٹریکٹروں اور مشینوں کا استعمال قابل جواز ہے یا نہیں؟

زراعت میں مشینوں اور ٹریکٹروں کے منفعت بخش استعمال کے لئے دو شرطیں ضروری ہیں:-

(۱) جہاں زمین اور آدمی کا تناسب بہت زیادہ ہے اور ہر کسان کو بہت زیادہ زمین مل سکتی ہے۔

(۲) جہاں کسی نہ کسی وجہ سے کام کرنے والوں کی بہت زیادہ قلت ہو۔

آدمی اور زمین کا تناسب

جن ملکوں میں کسانوں کے پاس بڑے بڑے کھیت ہیں، وہاں ٹریکٹروں کا استعمال مفید ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی کی قوت کار محدود ہے لیکن جہاں یہ محدود قوت کار ایک چھوٹے سے کھیت کے لئے کافی ہے اور کسان اپنے گھر والوں کی مدد سے کام چلا لیتا ہے اور مصروف موسم میں مویشی اور تنخواہ دار مزدور بھی بہ آسانی مل جاتے ہیں، وہاں ایک بڑے کھیت پر مشینوں کی مدد کے بغیر کام کرنا ممکن نہیں۔ لہذا امریکہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور کینیڈا جیسے ملکوں میں جہاں کسانوں کے پاس بڑے بڑے کھیت ہیں اور زمین کی فراوانی ہے انسانوں اور مویشیوں کی محنت کو زیادہ کارآمد بنانے کے لئے ٹریکٹروں کا استعمال مفید بھی ہے اور ضروری بھی ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مشینوں کی مدد کے بغیر ان کھیتوں میں کام کرنا آسان نہیں۔ زراعت میں مشینوں کے استعمال کے مفید ہونے کا انحصار اس بات پر ہے کہ آدمیوں کی تعداد کے مقابلے میں زمین کا رقبہ کتنا ہے؟ چھوٹے چھوٹے کھیتوں کو ملا کر "اجتماعی" یا کوآپریٹو بنانے سے کام نہیں چلے گا اس سے آدمی اور زمین کے تناسب میں بنیادی فرق نہیں پڑتا اور صورت حال زیادہ خراب ہو جاتی ہے۔

زراعت کو بالعموم مشینی بنانے سے فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ نہیں ہوتا لیکن اگر فی کس ایکڑوں کی تعداد کافی ہو تو فی ایکڑ پیداوار کچھ زیادہ اہم نہیں رہتی۔ اگر فی ایکڑ پیداوار کچھ زیادہ نہ ہو بلکہ بہت کم ہو تو بھی ایک ایسے کسان پر جس کے پاس کافی ایکڑ زمین ہو، کچھ زیادہ اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ فی ایکڑ پیداوار میں کمی کی تلافی بڑے کھیت کی مجموعی پیداوار سے ہو جاتی ہے۔ یہ اس لئے ممکن ہے کہ کسان ٹریکٹروں کی مدد سے زیادہ رقبے پر کاشت کر سکتا ہے۔ امریکہ میں اوسطاً ایک کھیت ۱۹۵ ایکڑ کا ہوتا ہے۔ کنیڈا میں ۳۴۲ ایکڑ کا اور آسٹریلیا میں ۶۶۵ ایکڑ کا۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں اگر فی ایکڑ پیداوار کم ہو تو اس سے زیادہ اثر نہیں پڑتا۔ لیکن جاپان جیسے ملک میں جہاں فی ایکڑ پیداوار بہت زیادہ ہے کسان پھر بھی غریب رہتا ہے۔ کیونکہ وہاں ہر کھیت اوسطاً ۲ءے ۲ ایکڑ کا ہوتا ہے۔

مشینیں مجموعی پیداوار پر اثر انداز ہوتی ہیں لیکن اس طرح نہیں کہ فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ ہو جائے۔ بلکہ اس طرح کہ ان کی بدولت مجموعی رقبۂ کاشت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ مشینیں کسان کے اخراجات میں اضافہ کر دیتی ہیں لیکن اس اضافے کی مجموعی پیداوار میں اضافے سے بہتر طور پر تلافی ہو جاتی ہے، جیسے رقبۂ کاشت میں اضافہ ممکن بنا دیتا ہے لیکن ایک ایسے ملک میں جہاں مزید قابل کاشت زمین موجود نہیں، یہ مشینیں محض خرچ بن کر رہ جائیں گی۔ جس کی تلافی کرنے کے لئے کوئی آمدنی نہیں ہوگی۔

اس سے اس امر کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ امریکہ، آسٹریلیا، کنیڈا جیسے ملکوں میں جہاں فی ایکڑ فی بوشل خرچ اتنا زیادہ ہے کسان خوشحال کیوں ہیں؟ وجہ صاف ہے۔ فی بوشل آمدنی چاہے کتنی ہی قلیل ہو، لیکن جب مجموعی فصل بہت زیادہ ہو تو کسان کی مجموعی آمدنی بھی زیادہ ہوگی۔ ان ملکوں میں مشینوں کے خرچ کی آمدنی سے یقینی

طور پر تلافی ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ایک کسان کی آمدنی متعدد امور کی مرہونِ منت ہے۔ ان میں سے اہم اہم یہ ہیں۔ (۱) زمین کی قوتِ پیداوار۔ (۲) زمین کا رقبہ (۳) پیداوار کے خرچ۔ ان تمام مدوں یا ان میں سے کسی ایک پر اثر انداز ہو کر وہ اپنی آمدنی بڑھا سکتا ہے۔ اس سے ایک ذیلی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے ملکوں میں جہاں کسانوں کے پاس اوسطاً زمین زیادہ ہے یا فی ایکڑ پیداوار بہت کافی ہے، وہاں فی ایکڑ یا فی بوشل پیداوار کے اخراجات بڑھائے جا سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ہم لاگت میں صرف اسی وقت اضافہ کر سکتے ہیں اگر اس سے زمین کی قوتِ پیداوار میں اضافہ ہو، یا اس کی بدولت کسان زیادہ رقبے پر کاشت کرنے کے قابل بن جائیں۔ اگر اخراجات بڑھنے سے ان دونوں میں سے کوئی بھی صورت پیدا نہ ہو تو یہ اضافہ کسانوں پر غیر ضروری بوجھ ہوگا۔ روس میں اس سادہ سے اصول کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

محنت کی بچت

ایک اور صورتِ حال بھی ایسی ہے جس میں زراعتی مشینوں کا استعمال قابلِ جواز ہے۔ ان مشینوں سے محنت کی بچت ہوتی ہے اور اس طرح جو محنت بچتی ہے وہ غیر زرعی کاموں کے لئے استعمال ہو سکتی ہے لہٰذا جہاں محنت کی شدید قلت ہو وہاں مشینوں کا استعمال اقتصادی اعتبار سے قابلِ جواز ہے لیکن اگر مشینوں کا استعمال ایسے ملک میں کیا جائے جہاں آبادی زیادہ ہو اور محنت کی کوئی قلت نہ ہو تو وہاں بےصرف بیکاری میں اضافہ کرتی ہیں۔ مشینوں کا کام محنت کو بچانا ہے لیکن جہاں لوگوں کو پہلے ہی مفید روزگار نہ ملتا ہو وہاں محنت کو بچانے کا کم سے کم کوئی اقتصادی جواز تو ممکن نہیں۔

فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ

ہم دیکھ چکے ہیں کہ زراعتی مشین کا استعمال صرف دو حالتوں میں قابلِ جواز ہے۔ پہلی یہ کہ کاشت کے لئے وسیع رقبہ موجود ہو اور دوسری یہ کہ محنت کی شدید قلت ہو۔

ہندوستان میں یہ حالتیں نہ تو اس وقت موجود ہیں اور نہ مستقبلِ قریب میں ان کے پیدا ہونے کا امکان ہے۔ ہماری زمین پر اب بھی ضرورت سے زیادہ آدمی کام کرتے ہیں، ہم اپنی بہترین زمین کو استعمال میں لا چکے ہیں اور ایسی زمینوں کو بھی صدیوں سے استعمال میں لا رہے ہیں، جو نسبتاً کم زرخیز ہیں۔ فی کسان رقبہ کاشت کی اوسط ایک ایکڑ سے بھی کم ہے۔ اگر ہم اس قابلِ کاشت زمین کو بھی شامل کر لیں جو مزید دستیاب ہو سکتی ہے تو بھی دوسرے ممالک کے مقابلے میں ہماری جو پوزیشن ہے اس میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ اس کے باوجود یہ حقیقت قائم رہ جاتی ہے کہ ہمارے ملک میں آبادی کے مقابلے میں زمین کم ہے۔

اگر بات صاف لفظوں میں کہی جائے تو یہ واقعہ ہے کہ مزید قابلِ کاشت زمین کا دستیاب ہونا حقیقت کم ہے اور واہمہ زیادہ۔ حقیقت یہ ہے کہ اب بھی ہم کافی جنگلوں اور سبزہ زاروں کو کاشت کے لئے استعمال میں لا چکے ہیں اور اس کا نتیجہ مجموعی طور پر ہماری زراعت آب وہوا، جنگلی جانوروں اور ہمارے مویشیوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوا ہے۔ اس کا خمیازہ ہمیں یہ بھگتنا پڑ رہا ہے کہ زمینوں میں سیم لگ رہی ہے، زرخیزی کم ہو رہی ہے، بارش کی قلت ہے اور سیلاب تباہی پھیلا رہے ہیں۔ اگر ہم دانشمندی سے کام لیں تو ہمیں دستیاب ہونے والی زمین کو جنگلوں اور چراگاہوں کے لئے وقف کر دینا چاہئے۔ چراگاہیں ہمارے مویشیوں کے لئے بہت ضروری ہیں اور مویشی ہمارے اقتصادی نظام کا اہم جزو ہیں۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ فی کسان رقبہ کاشت کچھ زیادہ نہیں اور ایسی زمین بھی کچھ زیادہ موجود نہیں، جسے عنقریب زیرِ کاشت لایا جا سکے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ مشینوں کے استعمال

کی کم سے کم ایک شرط ہمارے ملک میں موجود نہیں۔

دوسری شرط بھی ناپید ہے۔ محنت کی نہ تو کوئی قلت موجود ہے اور نہ مستقبل قریب میں اس کا سامنا ہو سکتا ہے۔ اب بھی ہمارے کسانوں کے پاس سال کے بیشتر حصے میں کوئی کام نہیں ہوتا۔ ان لوگوں کو مزید بیکار بنا کر ٹریکٹروں اور مشینوں کو استعمال میں لینا جن کی قیمت بھی ان ہی سے وصول کی جائے گی کم سے کم کسانوں کے نقطۂ نگاہ سے تو مفید نہیں۔ اگرچہ یہ بات ان لوگوں کے نقطۂ نگاہ سے ضرور مفید ہے جن کے پاس فروخت کرنے کے لئے مشینری ہے۔ خواہ یہ لوگ سرمایہ دار ہوں خواہ کمیونسٹ۔

ایک اعتبار سے روس کی مشترکہ زراعت اس وقت تک ناکام ہونے کے باوجود مستقبل کے نقطۂ نگاہ سے روشن امکانات کی حامل ہے۔ روس کے پاس زمین کے وسیع خطے ہیں ـــــ امریکہ سے بھی وسیع تر ـــــ جنہیں قابل کاشت بنایا جا سکتا ہے لہذا وہاں یہ امکان موجود ہے کہ کمیونزم کے باوجود وہاں فی کسان کاشت کے رقبے میں اتنا اضافہ ہو جائے کہ جو ٹریکٹر یا مشینیں اب صرف اخراجات کی مد میں شامل ہیں وہ انسان کی قوت محنت میں اضافہ کرنے کا قابل جواز ذریعہ بن جائیں۔ اس کے علاوہ روس کے پاس ایسے بے شمار ذرائع ہیں جن سے ابھی تک فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔ یہاں انسانوں کی زائد محنت سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

ہندوستان میں یہ دونوں باتیں موجود نہیں۔ یہاں نہ تو ایسی فالتو زمین ہے جو زائد آبادی کو جذب کر سکے اور نہ صنعت یا کان کنی کے میدان میں ایسی گنجائشیں ہی موجود ہیں جن سے اس وقت تک فائدہ نہ اٹھایا گیا ہو۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہم ایک ایسی بات کہہ رہے ہیں جو ہندوستان کے متعلق موجودہ مفروضوں کے برعکس ہے لیکن جہاں تک قدرتی دولت کے موجودہ اندازوں کا تعلق ہے یہ بات سچ ہے۔ یہ تصور بہرحال ایک جامد تصور نہیں بلکہ متحرک نوعیت کا ہے۔ اگر ٹیکنیک بدل دئے جائیں اور قدرتی دولت کے تصور میں بھی

مناسب تبدیلی کر لی جائے تو پلڑا ہماری طرف جھک سکتا ہے۔

کیا ہندوستان میں یہ صورت حال موجود ہے؟

اگر کسان کے پاس رقبۂ کاشت زیادہ ہو اور وہ مشینوں کی مدد سے اپنی محنت میں اضافہ کرنے یا اسے زیادہ بار آور بنانے کا اہل ہو تو یہ عین ممکن ہے کہ فی ایکڑ پیداوار کم ہونے کے باوجود فی کسان پیداوار بڑھ جائے۔ اسی طرح اگر زمین کی مجموعی پیداوار زیادہ ہو، تو یہ بھی ممکن ہے کہ فی ایکڑ پیداوار کم ہونے کے باوجود کسان خوشحال ہو جائیں۔ لیکن جو زمین موجود ہو اس کی زرخیزی میں اضافہ کر کے اور پیداوار کی لاگت کو کم کر کے بھی کسان اپنی آمدنی میں اضافہ کر سکتا ہے۔

اگر مناسب طریق پر کوشش کی جائے تو خوش قسمتی سے ہندوستان میں یہ امکان موجود کہ فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ ہو جائے اور اس امکان کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔

یہاں ہم جان اسٹورٹ مل کی طرح ترقی کے دو اقسام میں حد فاصل قائم کر دینا ضروری خیال کرتے ہیں۔ ایک ترقی وہ ہوتی ہے جو مل کے لفظوں میں "پیداوار بڑھانے کی اہل تو نہیں ہوتی لیکن اس محنت میں کمی ضرور کر دیتی ہے جو اس کے لئے درکار ہو" دوسری قسم کی ترقیاں وہ ہوتی ہیں جو "محنت میں اضافہ کئے بغیر زمین کی مجموعی پیداوار میں اضافے کی اہل ہوں"

ہمیں دوسری قسم کی ترقیوں کی ضرورت ہے جو "زمین کی مجموعی پیداوار میں اضافہ کر سکیں" خواہ اس کے لئے زیادہ محنت درکار ہو خواہ نہیں۔ ہمیں ان ترقیوں کی مطلق ضرورت نہیں "جو پیداوار میں اضافے کی اہل تو نہیں لیکن مطلوبہ محنت میں کمی ضرور کر دیتی ہیں" اور لاگت میں بھی ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ محنت کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں کیونکہ ہمارے کسانوں کے پاس قوتِ محنت کافی ہے لیکن اخراجات کی پرواہ ہمیں ضرور ہے۔ کیونکہ ہمارے کسانوں میں اخراجات برداشت کرنے کی سکت نہیں۔

ایکڑوں میں اضافے کا راستہ چونکہ مسدود ہے اس لئے ہم اپنے کسانوں کی خوش حالی کو دو راستوں سے تلاش کر سکتے ہیں۔ (۱) فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ (۲)، اخراجات میں کمی، یا کم سے کم ایسی باتوں سے اجتناب جو اخراجات میں اضافہ کردیں۔ ہندوستان میں کسانوں کو خوش حال بنانے کی راہ اسی طرف جاتی ہے۔

خوشحال زراعت ہی کیوں؟

ہم زراعت کی اہمیت پر اتنا زور کیوں دیتے رہے ہیں؟ ایک تو اس لئے کہ یہ اس کتاب کا موضوع ہے اور دوسرے اس لئے کہ ہندوستان بلکہ سارے مشرق کی تعمیر جدید کے معاملے میں زراعت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ منصوبہ بندی پر لکھتے وقت بیشتر مصنف اپنے صفحات کو صنعتوں کی بحث کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد اس سوال پر بحث ہوتی ہے کہ ان صنعتوں کو جاری کرنے کے لئے مقامی اور غیر ملکی سرمایہ کس حد تک حاصل ہو سکے گا۔ آخر میں ان صنعتوں کے اصولوں اور امکانات سے بحث ہوتی ہے اور اس محنت سے بھی جو اس عمل کی قوت متحرکہ بن سکے۔ جب یہ سب ہو چکتا ہے تو ضمنی اور ذیلی حیثیت سے زراعت کا ذکر بھی کر دیا جاتا ہے۔ ان کی توجہ بڑی بڑی فیکٹریوں، بڑے بڑے سرمائے اور ان سے پیدا ہونے والی بے چینی اور مزدور تحریکوں پر مرکوز رہتی ہے۔ اپنے سنہری منصوبوں میں وہ ان کروڑوں چھوٹے چھوٹے مردوں، عورتوں کی معمولی سرگرمیوں کو بھول جاتے ہیں جو اپنے معمولی طریقے پر کام میں مصروف ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ مجموعی طور پر یہی لوگ حقیقی ہندوستان کو بنانے والے ہیں۔ جب تک ان کی رسائی نہیں ہوگی تب تک کوئی ایسا کام نہیں کیا جائے گا جس سے ان کو مدد ملے اور ان کی محنت زیادہ بار آور ہو۔ اس وقت تک ایک درجن مقاموں پر قائم شدہ بڑی بڑی صنعتیں حقیقی مسئلے کا حل تو کجا، اسے چھو تک نہیں سکیں گی۔ اگر ہم ان کی تنظیم کو برہم کئے بغیر عوام کی بہت بڑی تعداد کے معیار زندگی کو

اونچا کر سکیں۔ اگر ہم ان کو اس قابل بنا دیں کہ وہ زیادہ آزادی، مسرت اور خوشحالی کی زندگی بسر کر سکیں تو پھر بڑی بڑی صنعتوں کو ان کے حال پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ سٹالن کے ایک پیرو کو جس کا صنعتیت جزو ایمان ہے، مخاطب کر کے لابن کہتی ہے "بڑے بڑے کارخانوں کا قیام یوں بھی ممکن ہے کہ عوام کو ان سے کوئی فائدہ نہ پہنچے لیکن آزاد لوگ مناسب وقت پر اپنے فائدے کے لئے یقینی طور پر اپنی ضرورت کی صنعتیں قائم کر لیں گے"(۱) اگر ہم کسانوں کو آزاد اور خوشحال بنا دیں تو خوشحال پرولتاری طبقہ از خود عالم وجود میں آجائے گا۔

لیکن ہمارے ماہرین اقتصادیات کی اس نکتے تک رسائی نہیں ہوتی اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کی تعلیم ناقص ہے۔ ان کی تربیت مغربی ماہرین اقتصادیات کے زیر سایہ ہوئی ہے، جن کے نتائج افکار کا ایشیائی مسائل سے کوئی تعلق نہیں۔ جب یہ لوگ قومی بجٹ کی شرح، اس میں غیر ملکی قرضوں سے اضافوں اور اس مجموعی رقم کو بڑی بڑی صنعتوں میں لگانے کے مسئلے پر اعداد و شمار مرتب کرتے وقت عرق ریزی کرتے ہیں، تو یہ منظر قابل رحم ہوتا ہے۔ ہمیں ان پڑھے لکھے بے بصیرت لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے اور ان "عالمانہ" نظریہ سازیوں کو مکمل طور پر نظر انداز کر دینا چاہئے۔ اس لئے نہیں کہ ان کے اعداد و شمار اور نظریوں میں کوئی مخصوص خرابی ہے بلکہ اس لئے کہ وہ مکمل طور پر بے کار ہیں اور اصل موضوع سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

ان حالات میں ہمیں راہنمائی کے لئے لازمی طور پر کسی اور سمت دیکھنا چاہئے۔ خوش قسمتی سے ہمیں یہ رہنمائی گاندھی جی کی ذات سے مل سکتی ہے، جو ہمارے دور کے عظیم ترین لوگوں میں تھے۔ انہوں نے وجدانی طور پر یہ معلوم کر لیا کہ اس دور کی اصل بیماری کیا ہے؟ اور اس کا علاج بھی ڈھونڈ لیا۔ انہوں نے خرچ، پیداوار اور قومی آمدنی کے اعداد و شمار پر وقت ضائع کئے بغیر مختلف اقتصادی نظاموں کی آمد و خرچ کا جائزہ

لے لیا کہ نسبتی، اخلاقی، مادّی اور اقتصادی قدر و قیمت کیا ہے۔ جو چیز مہاتما گاندھی نے وجدانی طور پر معلوم کی اس کا اظہار جدید اصطلاحوں کے ساتھ دانشورانہ انداز میں آلوڈوئس ہکسلے کی تازہ کتابوں میں ہوا ہے۔ ہندوستان کے متعلق اس کے مالی پہلوؤں کو شری ایم، این، رائے نے بہت عمدہ طریق پر پیش کیا ہے۔ پیپلز پلان کے دیباچے میں وہ کہتے ہیں "سرمایہ داری میں عوام کے معیار زندگی کے اونچا ہونے کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ سرمایہ داری انہیں کتنی قوت خرید دے سکتی ہے۔ قوت خرید کی تقسیم تنخواہوں اور خام مال کی خریداری کے ذریعے ہوتی ہے۔ گویا بالآخر اس کا فیصلہ مجموعی پیداوار سے ہوتا ہے ... پیداوار کی منصوبہ بندی اس طرح نہیں ہوگی کہ عوام کی قوت خرید میں اضافہ کیا جائے بلکہ اس کا مقصد لوگوں کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہوگا۔ مقصد یہ نہیں کہ مؤثر مانگ پیدا کی جائے جو مندرجہ بالا وجوہ سے ہمیشہ محدود ہوگی، بلکہ یہ کہ لوگوں کی ضرورتوں کا اندازہ لگا کر ان کے مطابق سامان پیدا کیا جائے۔

"پرائیویٹ سرمایہ کہاں سے آئے گا؟ جو پیداوار استعمال کے لئے کی جائے گی، اس کے لئے پرائیویٹ سرمایہ نہیں آئے گا۔ لہٰذا پلان کا مقصد اپنے لئے سرمایہ فراہم کرنا ہے۔ دولت محنت سے پیدا ہوتی ہے لہٰذا ہماری قومی آمدنی میں قابل قدر اضافہ قومی اقتصادی نظام کے اسی سیکڑ سے ممکن ہے جہاں سب سے زیادہ محنت کی جاتی ہے۔ ہمارے ملک میں وہ سیکڑ زراعت ہے۔" (۱۱)

زرعی صنعتیں

خوشحال زراعت خوشحال ہندوستان اور خوشحال ایشیا کی کنجی ہے۔ لیکن زراعت کی ضرورتوں پر توجہ دینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ صنعتوں کو نظرانداز کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ صنعتوں کی بحث شامل کئے بغیر زراعت کی بحث مکمل ہی نہیں

ہو سکتی۔ اس کی وجوہ کئی ہیں۔ زراعت کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ کا تعلق قدرت، ہریالی، جنگلوں، زمین، آب و ہوا، آب رسانی اور پانی کے نکاس کے انتظاموں کے ساتھ ہے اور دوسرے رخ کا تعلق سماج، جاگیرداری، قرضے، فروخت، اصول وراثت قیمتوں اور صنعتوں وغیرہ کے ساتھ۔ دوسری قسم کے امور میں زراعت اور صنعت کا تعلق بہت اہم ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کسان صنعتوں کو خام مال بھی سپلائی کرتے ہیں اور تیار شدہ مال کے خریدار بھی ہیں۔ صنعت کا بیشتر کام یہ ہے کہ خام زرعی مال پر مشینی عمل کیا جائے اور ظاہر ہے کہ ان تمام لوگوں کا پیٹ بھرنا ضروری ہے جو اس عمل میں مصروف ہوں۔ ان دونوں سیکٹروں کے درمیان تعلق اتنا گہرا ہے کہ اگر صنعتی تنظیم میں گڑبڑ ہو تو اس سے زرعی پیداوار میں لامحالہ گڑبڑ ہو جائے گی۔ یہ بات بالکل صاف ہے۔ موجودہ صنعتیں اتنی دیو قامت اور عظیم الجثہ ہیں کہ زرعی پیداوار کی مقدار کتنی بھی کیوں نہ ہو، ان کا پیٹ نہیں بھرتا۔ امریکہ میں زمین کی فراوانی ہے اور اس کے کھیتوں میں پیداوار بھی کثرت سے ہوتی ہے لیکن کولن کلارک کے اندازے کے مطابق اسے بھی باہر سے خام مال منگانے کی ضرورت محسوس ہونے لگے گی۔ اسی طرح کولن کلارک کا یہ بھی کہنا ہے کہ روس بھی جس کے پاس امریکہ سے دوگنی زمین ہے اور جس نے لاکھوں انسانی جانوں کو تباہ کر کے زرعی مشینیں تیار کی ہیں" اگر اس کا صنعتیت کی طرف رجحان قائم رہا تو وہ باہر سے کافی مقدار میں اناج درآمد کرنے پر مجبور ہوگا" (۱۲)

اگر امریکہ اور روس جیسے بڑے بڑے اور باوسیلہ ملکوں کا یہ حال ہوگا، تو ہندوستان، چین اور دکن پوربی ایشیا کے دوسرے ملکوں کا حشر کیا ہوگا جن کی آبادی اب بھی فالتو ہے۔ اور وہاں انسانوں کے تناسب سے زمین بھی کم ہے؟ خوراک اور کئی قسم کے خام مال میں اب بھی ہم خود کفیل نہیں۔ اگر ہم اپنے ماہرین اقتصادیات اور کارخانہ داروں کی بات مان کر اپنے ملک کو صنعتی میدان میں آگے لے جانے کی

کوشش میں مصروف ہو جائیں تو خوراک اور خام مال کے معاملے میں ہم دوسرے ملکوں کے زیادہ دست نگر ہو جائیں گے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ یہ دوسرے ملک آخر کون سے ہوں گے۔ یورپ اپنی یک طرفہ صنعتی ترقی کو اس لئے قائم رکھ سکا کہ وہ نئی اور پرانی دونوں دنیاؤں کے ذرائع سے فائدہ اُٹھا سکتا تھا۔ لیکن جب یہ دونوں برِ اعظم خام مال سپلائی کرنے کی بجائے اُلٹا خریدار بن جائیں گے، تو خوراک اور خام مال کہاں سے آئیں گے؟ اس کے بعد دنیا میں نئی کشیدگی اور کش مکش کا دور شروع ہو گا۔ یہ ایک ایسی دنیا ہو گی جہاں ہر ملک اناج اور خام مال کا خریدار ہو گا اور فراہم کرنے والا کوئی نہیں ہو گا۔ اس دنیا میں ہر قسم کی مشینوں کی فراوانی ہو گی لیکن کپڑے اور خوراک کی قلت کا سامنا ہو گا۔ جب خام مال نہیں ہو گا تو مشینیں آخر کیا کریں گی؟

یہ ان ماہرین اقتصادیات کے لئے چیتاؤنی ہے جو ترقی کے اس قسم کے پروگرام کی تیاری میں مصروف ہیں، جو خوشحال اور خود کفیل زراعت کے منافی ہے۔ لیکن ملک کو اس قسم کی صنعتوں کی ضرورت یقینی طور پر ہے جو زراعت کو بہتر بنائیں اور اس کی منفعت میں اضافہ کریں۔ بہت سا زرعی مال ایسا ہے کہ اسے صنعتی عمل کے بعد ہی انسانوں کے لئے قابل استعمال بنایا جا سکتا ہے۔ لیکن صنعتوں کا مقصد اس مال کو بہتر بنانا ہے انہیں نگل جانا نہیں۔ جیسا کہ بہت سی صنعتیں کرتی ہیں۔ یہ موضوع تفصیلی بحث چاہتا ہے۔ ہم یہاں اس سے گریز کریں گے اور صرف یہ کہنے پر اکتفا کریں گے کہ خوشحال ہندوستان کا محور ایک خوشحال اور خود کفیل زراعت ہے۔ اس میں ان تمام جائز صنعتوں اور کارخانوں کے لئے گنجائش یقینی طور پر موجود ہے۔ جو قوم کی خوشحالی اور بہبود میں اضافہ کریں۔

دسواں باب

ہندوستان کی زراعت کی منصوبہ بندی (مسلسل)

ہمارے کسانوں کی افسوسناک حالت کے اسباب دو ہیں (۱) ٹیکنیکل اور (۲) سماجی۔

کسان کی افسوسناک حالت کی وجہ یہ ہے کہ اس کے پاس زمین بہت کم ہے، یہ بُری طرح بٹی ہوئی ہے۔ مدّتِ مدید کی عدم توجہی کے باعث اس کی زرخیزی میں کمی ہو گئی ہے۔ اور آب رسانی کی مناسب سہولتیں بھی اسے حاصل نہیں۔ جب پانی دستیاب بھی ہوتا ہے تو اس کی سپلائی باقاعدہ نہیں ہوتی۔ ایک موسم میں پانی بہت زیادہ ہوتا ہے اور ایک موسم میں بہت کم۔ اس کے پاس مویشی بہت ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کی قوت کا رنا کافی ہے۔ اس کے پاس بہت سی بیکار گائیں ہیں۔ یہ گائیں اتنا دودھ نہیں دیتیں، جتنا دوسرے ملکوں کی گائیں۔ اور بھیڑیں اتنی اون ہی پیدا کرتی ہیں جتنی دوسرے ملکوں کی بھیڑیں۔

ان ٹیکنیکل امور کے علاوہ چند سوشل امور بھی مشکلات پیدا کرتے ہیں۔ کسانوں کی پیداوار پر عیش کرنے والے جاگیرداروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس کے بعد لوٹنے والے مہاجن ہیں۔ اور پھر بیچ کے لوگ بھی پیداوار کا بہت سا حصہ ہضم کر جاتے ہیں۔ ہمارے یہاں انصاف کا سسٹم ایسا ہے جو مسلسل مقدمے بازی کی حمایت کرتا ہے اور اس کی بدولت وکیلوں کا ایک طبقہ بھی عالمِ وجود میں آ جاتا ہے جو کسی بھی سماج کے لئے ایک لعنت ہے۔ متعدد اسباب کی بنا پر جن میں کچھ انفرادی ہیں اور کچھ سماجی، ہندوستانی کسان کو ایڈون مارکھم کی کہانی "بیلچے والا آدمی" کا جیتا جاگتا ہیرو بنا دیتے ہیں، "جس کے چہرے پر صدیوں کا خلا ہے اور پشت پر دنیا کا بوجھ"۔

ان تمام مجبوریوں کا خواہ وہ ٹیکنیکل ہیں خواہ سماجی علاج ہو سکتا ہے۔ اور اس علاج پر کچھ زیادہ خرچ بھی نہیں آتا۔ ٹریکٹروں اور مشینوں کے بھاری بھرکم خرچ برداشت کیے بغیر اضافہ پیداوار کے ٹیکنیکل مسائل حل کیے جا سکتے ہیں اور دنگا فساد کرائے بغیر کسانوں کی سماجی مجبوریوں کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ اس طرح مسائل کا حل ممکن ہے بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ حل واحد حل ہے۔ بشرطیکہ ہماری نیت بخیر ہو۔

یہاں ہم زراعت کے صرف چند مسائل سے بحث کریں گے اور ان کے حل بھی تجویز کرینگے۔

زمین اور مرکب کھاد

زمین کی گم شدہ زرخیزی کو فطری کھاد کے استعمال سے بحال کیا جا سکتا ہے۔ اس کھاد کا ایسا مرکب تیار کیا جا سکتا ہے جسے زمین بہ آسانی ہضم کر سکے۔ زمین ایک زندہ شے ہے، اور باقی زندہ اشیاء کی طرح صرف زندہ خوراک ہی اس کی توانائی کو برقرار رکھ سکتی ہے۔ لیکن جس طرح کسی شخص کو نشے یا دوا کے زور سے غیر معمولی اور غیر متوازن سرگرمی کے لئے تیار کیا جا سکتا ہے اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ زمین کو کچھ دیر کے لئے مصنوعی طور پر زیادہ پیداوار کے لئے تیار کیا جا سکے۔ لیکن دونوں حالتوں میں مستقبل کا نتیجہ برا ہو گا جسم خواہ انسانی ہو خواہ کوئی اور مصنوعی طریقے اسے کمزور اور زہریلا بنا دیں گے۔ مناسب غذا ہر شے کے لئے قدرتی ہی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ کسی حد تک کیمیاوی اور نشیلی چیزیں بھی مفید ہو سکتی ہیں۔

اس قسم کی کھاد زمین کی زرخیزی کو مستقل طور پر برقرار رکھنے میں بھی مدد دے گی۔ اس بات کی ایک ایسے دور میں بڑی اہمیت ہے جو کوتاہ نظری کا شکار ہے اور جہاں قریبی مفاد کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ فیکٹری میں بنی ہوئی کھاد مناسب اجزا پر مشتمل ہو سکتی ہے لیکن جب تک اس میں اصلی جوہر مفقود ہے وہ قدرتی کھاد کا بدل نہیں بن سکتی۔ یہ اصلی جوہر ہے حیاتیاتی قوت۔ اس موضوع کے مزید مطالعے کے لئے ای۔ جی بلفور کی کتاب "زندہ دھرتی"

لوئی ای ہاورڈ کی کتاب " زمین کی سبز چادر" اور ایم ای بروس کی کتاب " مرکب کھاد کی تیاری"
پڑھنا چاہیئے۔ ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ دھرتی ایک زندہ چیز ہے اور زندہ خوراک پر
ہی پلتی اور پھولتی پھلتی ہے۔ ان کتابوں کے مطالعے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ زندگی خواہ وہ حیوانی
ہو، انسانی خواہ نباتاتی، ایک مسلسل عمل ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی زندگی کا وسیلہ ہیں۔ لوئی ای
ہاورڈ کے قول کے مطابق قدرت کی یہ ناقابل تبدیل عادت ہے کہ وہ اپنی ہر فالتو اور ناکارہ چیز کو
زمین کی طرف ہی لوٹا دیتی ہے، جو ہر قسم کی زندگی کا اصل مخزن ہے۔ یہ وہ کبھی نہیں بھولتی۔ قدرت
کی سبز چادر کی کوئی چیز نہ پھینکی جاتی ہے نہ ضائع ہوتی ہے۔ ایک باقاعدہ اور اٹوٹ سلسلہ ہمیشہ
جاری رہتا ہے۔ قدرت اٹوٹ تسلسل اور مکمل تحفظ کے اصول پر عمل کرتی ہے۔ ہم اکثر قدرت کے
اتلاف کی باتیں کرتے ہیں لیکن دراصل کچھ بھی ضائع نہیں ہوتا۔ قدرت کے پاس کوڑے کرکٹ کا
کوئی ڈھیر نہیں رہتا۔ مادے کو بکھیرنے، اسے از سر نو جمع کرنے اور نئے سانچوں میں ڈھالنے
کا ایک عمل ہے جو ہر وقت جاری رہتا ہے۔ یہ بات بالکل بدیہی ہے کہ مصنوعی کھادوں کی کوئی
بھی مقدار اس نارمل اور قدرتی عمل کا بدل نہیں بن سکتی۔

ہمارے ملک میں قدرتی کھاد کافی مقدار میں موجود ہے۔ اوسطاً ہر گائے سال بھر میں ساڑھے
تین ٹن گوبر دیتی ہے۔ اگر اسے فی ایکڑ فی سال کے حساب سے صرف کیا جائے تو فصل کو دوگنا
کیا جا سکتا ہے (۱)۔ اگر تمام گوبر کی مقدار کا اندازہ ۸۴۰۰۰۰۰۰۰ ٹن ہے زمین کو لوٹا دیا
جائے تو ہماری تمام زراعت کو مناسب کھاد مہیا ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ کھیتوں کو انسانی فضلے
سے بھی کافی مقدار میں کھاد مل سکتی ہے۔ ہندوستان کے محکمہ زراعت کے چیف کیمسٹ ڈاکٹر سی۔ این
چٹرجی کا خیال ہے کہ شہری آبادی کے ہر دس ہزار مردوں اور عورتوں کے فضلے سے ایک ہزار ٹن
سالانہ مرکب کھاد حاصل کی جا سکتی ہے۔

اب ہم زمین کی اس قدرتی خوراک کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟ ہم اسے مکمل طور پر
نظر انداز کر رہے ہیں اور باہر سے کروڑوں روپے کی مصنوعی کھاد درآمد کرنے میں مصروف ہیں۔

۱۷ مارچ ۱۹۵۰ء کو پارلیمنٹ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے اس وقت کے وزیر خوراک شری جے رام داس دولت رام نے بیان کیا کہ حکومت ہند نے جون ۱۹۵۰ء کے خاتمے تک پانچ لاکھ ٹن کھاد درآمد کرنے کے انتظامات کر رکھے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق ۵۰-۱۹۴۹ء میں باہر سے منگوائی جانے والی کھاد کی قیمت ۱۴۶۵۳۰۰۰ تھی۔

آب رسانی

اس کے بعد مناسب آب رسانی اور پانی کی سپلائی کو منظم کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے اس سوال کے کئی پہلو ہیں۔ کچھ خطے ایسے ہیں جہاں پانی ناکافی ہے، وہاں پانی باہر سے لانا پڑیگا یا تحت الارض ذرائع کو ٹٹولنا پڑے گا۔ بشرطیکہ وہ موجود ہوں۔ کچھ خطے ایسے ہیں جہاں ایک موسم میں پانی بہت زیادہ ہوتا ہے اور دوسرے میں بہت کم۔ اس کا علاج یہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک موسم میں پانی کا ذخیرہ کر لیا جائے اور دوسرے میں اسے صرف کیا جائے۔

آب رسانی کے مسئلے کو زمین کی نمی اور پانی کے نکاس کے مسئلے سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہم زمین کی نمی کو جذب کرنے کی قوت کو بڑھا کر اور پانی کے بخارات بن کر یا بہہ کر ضائع ہو جانے میں کمی کر کے آب رسانی کے مسئلے کو نسبتاً آسان بنا سکتے ہیں۔ آب رسانی کے مناسب سسٹم کے لئے ضروری ہے کہ پانی کے نکاس کا بھی مناسب انتظام ہو۔

ہندوستان میں زرعی مقاصد کے لئے آب رسانی کے مسئلے کو دریاؤں کے مناسب استعمال اور ان کی تباہ کاریوں کے انسداد کے مسئلے کے ساتھ بھی وابستہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات ناقابل فہم ہے کہ ہم اس تمام پانی کو بیکار کیوں بہہ جانے دیں جبکہ ہم اس کے کافی حصے کو زرعی مقاصد کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو ساتھ ساتھ سستے رسل و رسائل اور سستی بجلی کا مسئلہ بھی حل ہو سکتا ہے۔ اور ان سیلابوں کی روک تھام بھی کی جا سکتی ہے جو ہر سال تباہی پھیلاتے ہیں۔ اس کے علاوہ نہریں جاری کرنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ

ہر سال دریا ہماری دھرتی کو کاٹ کر جو سمندر میں پھینک دیتے ہیں اس میں کمی ہو جائے گی اگرچہ کوئی اندازہ لگانا ممکن نہیں لیکن اس طرح ضائع ہو جانے والی دھرتی یقینی طور پر بہت زیادہ ہوگی۔

ان تمام باتوں کے لئے سرمایہ درکار ہوگا لیکن یہ سب خرچ اس قسم کا ہے جس سے پیداوار میں اضافہ ہوگا اور اس سلسلے میں انسانی محنت ہی استعمال ہوگی۔ ان حالات میں اس خرچ کو قابلِ جواز قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہ بات البتہ ضروری ہے کہ خرچ میں جہاں تک ممکن ہو کفایت کرنی چاہیئے اور مقامی ذرائع اور مقامی قابلیت سے ہی استفادہ کیا جانا چاہیئے۔ میرے ایک دوست نے جو جھانسی کے رہنے والے ہیں مجھے بتایا کہ بہت دیر ہوئی مقامی باشندوں نے مقامی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کئی چھوٹے چھوٹے بند باندھے تھے۔ لیکن اب یہ بند عدم توجہی کی وجہ سے بیکار ہو گئے ہیں۔ اور مرمت طلب ہیں۔

ان علاقوں سے قطع نظر جہاں آب رسانی کے لئے غیر مقامی ذرائع کی ضرورت ہو متعدد علاقے ایسے ہیں جہاں پانی کی واقعی کمی نہیں۔ کم از کم اتنی کمی نہیں جس کی تلافی رہٹ سے نہ ہو سکے۔ دیہات میں ایک تحریک جاری کرنی چاہیئے جس کا مقصد یہ ہو کہ ہر قسم کے رہٹ بنائے جائیں اور انہیں چالو رکھا جائے۔ حکومت اور پرائیویٹ ایجنسیوں کو اس معاملے میں دیہاتیوں کا ہاتھ بٹانا چاہیئے۔

گائے (۲)

گائے نہیں صرف دودھ، کھاد اور ایندھن ہی مہیا نہیں کرتی۔ بلکہ بیل بھی دیتی ہے جو ہل چلانے اور رسل و رسائل کے لئے بہت مفید ہے۔ یہ ایک ایسی قوت ہے جس کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔ بشرطیکہ ہم بہت زیادہ رقوم خرچ کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں لیکن

اگر ہم اسراف بیجا پر آمادہ ہی ہو جائیں اور ٹریکٹر استعمال کرنے لگیں تو ہمارے بیلوں کا کیا بنے گا؟ ہم اہل مغرب کی طرح انہیں کھا نہیں سکتے۔ اس قسم کی تجویز پیش کرنا حماقت ہے ٹیکنیکل ترقی کے ہر مرحلے پر ہم انہیں کھانے پر کس طرح آمادہ ہو سکتے ہیں جنہیں ہم آتنی دیر تک واجب الاحترام سمجھتے رہے ہیں۔

ہمارے کھیتوں پر مویشیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان میں بہت سے مویشی ایسے ہیں جو اپاہج اور بیکار ہیں۔ اس مسئلے کو حل کیا جا سکتا ہے۔ اسے حل کرنے کا طریقہ یہ ہرگز نہیں کہ ہم انہیں گولی مار دیں یا کھا جائیں۔ جیسا کہ ہمارے بعض "سائنٹیفک" ماہرین اقتصادیات مشورہ دیتے ہیں، بلکہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان مویشیوں کو باقیوں سے الگ کر دیا جائے اور انہیں افزائش نسل کا موقعہ نہ دیا جائے۔

بہت سے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلے کو بھی غلط طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ بوڑھے اور بیکار مویشیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ لیکن اسے پیش اس طرح کیا جاتا ہے جیسے ہمارے یہاں مویشیوں کی تعداد ہی زیادہ ہے۔ ان لوگوں کے دماغ میں انیسویں صدی کے خیالات گھوم رہے ہیں۔ مثلاً "کش مکش، جدوجہد" اور "قدرت کے سرخ ناخن اور پنجے"۔ بعض لوگ اس طرح دلیلیں دیتے ہیں جیسے انسان اور جانور خوراک کی ایک معین مقدار کے لئے آپس میں جھگڑ رہے ہوں۔ بعض حالات میں اس قسم کی باتوں میں تھوڑی بہت سچائی ہو سکتی ہے لیکن یہ تصور بذات خود احمقانہ ہے۔ اس طرح تو اس دلیل کو مزید وسعت دے کر اسے ہر قسم کی زندگی پر لاگو کیا جا سکتا ہے اور یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ اگر باقی ہر قسم کی زندگی کو خواہ وہ حیواناتی ہو خواہ نباتاتی۔ تباہ کر دیا جائے تو ہم انسانوں کی خوراک یقینی ہو جائے گی۔ یہ بات منطقی ضرور ہے لیکن اگر اس پر عمل کیا جائے تو دنیا میں ہر قسم کی خوراک کا خاتمہ ہو جائے گا۔

انسانوں، حیوانوں اور قدرت کو ایک دوسرے کا رقیب سمجھنا غلط ہے۔ یہ سب

ایک ہی چیز کے جز و لاینفک ہیں اور ایک دوسرے کو قوت اور توانائی دیتے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کی مدد سے زندہ ہیں۔

ہم اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ ہمارے ملک میں مویشیوں کی زیادتی کا کوئی مسئلہ ہے لیکن ہمارے ملک میں نکمے اور اپاہج مویشیوں کی زیادتی ضرور ہے اور اس مسئلے کو افزائش نسل کے انسداد سے حل کیا جا سکتا ہے۔ باقی ماندہ مویشیوں کی نسل کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ منتخب مویشیوں سے نسل میں اضافہ کرایا جائے اور گھاس بہتر پیدا کی جائے۔

ان ٹیکنیکل مشکلوں کے علاوہ بعض مشکلیں سماجی نوعیت کی بھی ہیں۔ مثلاً زمینوں کی تقسیم در تقسیم ہمارے اقتصادی نظام کا نوآبادیاتی ڈھانچہ، جاگیرداری، بیچ کے لوگ اور سود کی شرح کا زیادہ ہونا۔ ان سب مشکلوں کو دور کرنا ضروری ہے۔ ہم ان میں سے صرف چند مسائل پر جو زیادہ نمایاں اور بدیہی ہیں بحث کریں گے۔

نوآبادیاتی نظام

گزشتہ چند سال کے عرصے میں سارے مشرق نے مغرب کے سیاسی کنٹرول سے عملاً نجات حاصل کر لی ہے لیکن سینکڑوں سال کی نوآبادیاتی حکومت نے جو اقتصادی ڈھانچہ کھڑا کر دیا تھا، وہ بڑی سست رفتاری سے ختم ہو رہا ہے۔ سیاسی اقتدار اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد اب پہلی بار یہ ممکن ہو گیا ہے کہ ہم اپنی طرز زندگی اور اپنے سماجی اداروں میں مناسب تبدیلیاں کریں اور یہ بالکل قدرتی ہے کہ ہم بہت سی باتوں میں نمایاں تبدیلی کے آرزومند ہیں۔

نوآبادیاتی اقتصادی نظام کی نوعیت کو بالعموم پوری طرح نہیں سمجھا جاتا۔ ہم مشرقی بالعموم ہر خرابی کو سامراج کا نتیجہ قرار دے دیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم مفلس اور

فاقہ کش اس لئے ہیں کہ مغربی سامراجی ہمیں تجارت کے ذریعہ لوٹتے رہے ہیں۔ وہ ہمارا اناج اور خام مال درآمد کرتے رہے اور اپنا صنعتی مال ہمیں بھیجتے رہے۔ اس طرح انہوں نے زبردستی ہماری صنعتی ترقی کو روک دیا۔ یورپ کی صنعتی ترقی اور وہاں کے معیار زندگی کو دیکھ کر ہم یہ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ آخرالذکر اول الذکر کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا اگر ہم صنعتی ترقی کر جائیں تو مغرب کا معیار زندگی یہاں بھی آجائے گا۔ قصہ کوتاہ ہم انیسویں صدی کی صنعتیت کو تمام و کمال تسلیم کر لیتے ہیں اور ہمیں صرف اس کے اس پہلو سے اختلاف باقی رہ جاتا ہے جو نوآبادیاتی تجارت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اپنے موجودہ صنعتی ڈھانچے پر کوئی اعتراض نہیں، اور اس کے برعکس ہمیں یہ اعتراض ہے کہ موجودہ اقتصادی نظام صنعتیت کا پوری طرح اہل نہیں۔ ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ یہ ڈھانچہ تبادلے، اور ٹرانسپورٹ کے غیر ضروری اخراجات کا موجب ہے۔ ہمیں صرف اس کے ایک معمولی سے پہلو پر اعتراض ہے۔ جو مشرقی اور مغربی ملکوں کی باہمی تجارت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔

اگر انیسویں صدی پر نوآبادیاتی تجارت کے ماسوا ہمارا اور کوئی اعتراض نہیں تو یہ اعتراض بہت ہی حقیر ہے۔ وہ تمام اشیاء اور خدمات جنہیں روپے پیسے کے حساب سے قیمت قرار دیا جاتا ہے ان اشیاء اور خدمات کا صرف ایک حصہ ہیں جو قیمت قرار دئے جانے کی اہل ہیں۔ مزید یہ کہ جو چیزیں تجارت اور تبادلے کی حدود میں داخل ہوتی ہیں ان چیزوں کا صرف ایک حصہ ہوتی ہیں جن کی روپے پیسے کے حساب سے قیمت مقرر کی جاتی ہے اور مزید یہ کہ بین الاقوامی تجارت دنیا کی مجموعی تجارت کا صرف ایک حصہ ہے۔ ہم نے اپنی کتاب "روسی سامراج" (۳) میں دکھایا ہے کہ نوآبادیاتی تجارت مجموعی بین الاقوامی تجارت کا اور بھی قلیل حصہ ہے۔ لہٰذا

نوآبادیاتی تجارت دنیا کی تمام اقتصادی سرگرمیوں کا تو بہت ہی حقیر حصہ ہوگی۔ اگر نوآبادیاتی تجارت کے ماسوا ان اقتصادی عوامل پر اور کوئی اعتراض نہیں تو یہ اعتراض واقعی بہت بودا ہے۔

اگر ساری نوآبادیاتی تجارت صرف یک طرفہ ہوتی تو اس اعتراض میں تھوڑا بہت وزن ہوسکتا تھا لیکن ایسا نہیں ہے۔ اگر ہم اس بات کو بھی یاد رکھیں کہ جو مال ہم مہیا کرتے ہیں اس کے عوض ہمیں کچھ ملتا بھی ہے تو نوآبادیاتی تجارت کے خلاف یہ معمولی سا اعتراض بھی اپنی اہمیت کھو دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم انیسویں صدی کی صنعتیت کو قابل جواز قرار دے دیں اور اس کے تمام ایچ پیچ اور غیر ضروری تبادلے اور ٹرانسپورٹ کو بھی مستحسن سمجھ لیں تو نوآبادیاتی تجارت اور لین دین جائز سرگرمیوں کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہیں مفید اور بارآور بھی ماننا پڑے گا۔ اس کے بعد مخصوص مہارت، محنت کی تقسیم، بہتر فائدے اور کمتر فائدے کی وہ تمام فرسودہ دلیلیں جو علم اقتصاد کی درسی کتابوں میں موجود ہیں، بڑے کارآمد ہو جائیں گی اور میدان انہیں کے ہاتھ رہے گا۔ زرعی مال اور صنعتی سامان کی تجارت کی شرائط کا مسئلہ ضمنی ہے اور تفصیلات سے تعلق رکھتا ہے۔ بعض حالات میں یہ مسئلہ اہم ہو سکتا ہے لیکن اس کی اہمیت ہمہ گیر نہیں۔ مثال کے طور پر بعض اوقات زرعی مال کی قیمتیں صنعتی سامان کے مقابلے میں نسبتی طور پر چڑھ جائیں گی اور بعض اوقات گر جائیں گی۔ گذشتہ دس سال سے شرح تبادلہ زرعی مال کے حق میں ہے اور کولن کلارک کا کہنا ہے کہ یہ رجحان قائم رہے گا۔

نوآبادیاتی نظام ہمیں اپنی براہ راست لوٹ کھسوٹ کی وجہ سے مفلس نہیں بناتا بلکہ ہمارے افلاس کا باعث یہ ہے کہ اس نظام نے ہمارے سماج میں بہت زیادہ بدنظمی پیدا کر دی ہے (براہ راست لوٹ کھسوٹ سے نہیں) اگر کوئی نقصان پہنچا بھی،

تو وہ بہت معمولی ہوگا. کیونکہ پچھم کے صنعتی ملکوں کے ساتھ ہماری تجارت بہت کم تھی۔ ہندوستان میں مغرب کے صنعتی سامان اور اس کے ٹیکنیک کا نفوذ ایک حملے کی حیثیت رکھتا تھا جس کا مقابلہ ہمارے صنعتی نظام سے نہ ہوسکا۔ ہماری دستکاریاں ہلاک ہوگئیں، دستکار مرنے لگے یا زمین پر کام کرنے کے لئے مجبور ہوگئے. ہماری زراعت مالی اقتصادیات کے چکر میں پڑ گئی. اور خوراک مہیا کرنے والی فصلوں کی بجائے نقدی پیدا کرنے والی فصلوں کا رواج شروع ہوگیا۔ یہ واقعہ ہے کہ ہمارے کچھ ایشیائی ملک چند محدود صنعتی فصلوں کے ماسوا اور کچھ بھی نہیں پیدا کرتے تھے۔ اپنی خوراک، اپنے کپڑے، اپنی کیلوں اور آلات کے لئے وہ دوسرے ملکوں کے دست نگر تھے. اس قسم کا ارتکاز بُرا ہے اور اسے ختم ہونا چاہیئے۔

یہ عجیب بات ہے کہ جو کچھ سامراج نے باہر سے کیا، وہی کچھ سرمایہ داری اندرونی طور پر کرتی رہی ہے. اور ہمیں اس کا احساس تک نہیں. سامراج نے ہماری کپڑے کی صنعت کو تباہ کیا لیکن ہماری تیل نکالنے کی صنعت، جوتہ بنانے کی دیہی صنعت، گُڑ بنانے کی صنعت اور کھلونے، آلات اور برتن بنانے کی صنعتوں کو سرمایہ داری نے تباہ کیا۔ سامراج نے ہماری پارچہ بافی کی صنعت کو سستا مال پیش کرکے تباہ کیا، سرمایہ داری سے عام خریداروں کو یہ فائدہ بھی نہ پہنچ سکا۔

مزید غور طلب بات یہ ہے کہ جو کچھ سامراج اور سرمایہ داری نے اندھے پن، سُست روی اور بے ڈھنگے پن سے کیا ہے وہ سب کچھ کمیونزم سوچ سمجھ کر مکمل اور فوری طریق پر کرنا چاہتا ہے یہ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک سرمایہ داری اور کمیونزم کا بنیادی مفروضہ انیسویں صدی کی مرکزیت، پیچ در پیچ صنعتیت اور مشینیت ہے۔

نوآبادیاتی نظام کا صحیح مفہوم یہی ہے۔ نوآبادیاتی عدم تنظیم اور تباہی کا مکمل ترین نمونہ کمیونزم ہے. اپنی اقتصادی زندگی کو کامگار بنانے کا مؤثر ترین طریقہ یہ ہے

کہ ہم اپنے آپ کو اس نوآبادیاتی چکر سے بچالیں جس کی طرف انیسویں صدی کی صنعتیت کے حامیوں کی حیثیت سے ہم منصوبہ بندی کے نام پر بڑھ رہے ہیں۔ اس کے برعکس ہمیں کرنا یہ چاہیئے کہ ہم اپنے چھوٹے چھوٹے کھیتوں اور ورکشاپوں کی قوت پیداوار کو بڑھا کر پرانے نوآبادیاتی نظام کی خرابیوں کو ختم کردیں۔ ہمیں ان کھیتوں اور ورکشاپوں کو بنیادی چیز قرار دینا چاہیئے نہ کہ شہری صنعت اور تجارت کے ضمیمے خواہ ان صنعتوں کا مرکز لندن ہو، خواہ بمبئی یا کلکتہ

جاگیرداری

جاگیرداری کو ضرور ختم ہونا چاہیئے۔ ہماری کانگریسی حکومتیں اس معاملے میں لیت ولعل سے کام لے رہی ہیں۔ جہاں تک اس کے لیڈروں کا تعلق ہے ان کے طرز عمل سے یہ نتیجہ بہ آسانی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ دل سے اس کے حامی نہیں اور کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر وہ اسے معرض التوا میں ڈالنا چاہتے ہیں اور زرعی اصلاح کی اہمیت میں کمی کرنے کے آرزومند ہیں۔ بھاری بھرکم معاوضے کے نام پر کسانوں پر بوجھ ڈالنے اور ملک کے مالی نظام کو برہم کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ جاگیرداری کا خاتمہ اس اصول پر ہونا چاہیئے جسے سوشلسٹ پارٹی "بحالی کے اصول" کا نام دیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں سے زمین لی جائے انہیں کچھ زمین پر یہ اختیار دے دیا جائے کہ وہ اس سے مقررہ آمدنی حاصل کرکے اپنے آپ کو کسی مفید پیشے میں لگا سکیں۔ کسانوں سے جو روپیہ لیا جائے اسے جاگیرداروں کو بہ طور معاوضہ دینے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے زرعی ترقی پر صرف کرنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں یہ احتیاط برتنا ضروری ہے کہ انتظامی اخراجات بہت کم ہوں اور روپیہ بالعموم اسی علاقے میں صرف کیا جائے جہاں سے جمع کیا گیا ہو اس معاملے میں کسی ایچ پیچ، نیم دلی یا پہلو تہی کی گنجائش نہیں جن کا کانگریس نے موجودہ

لیڈروں اور مجلس قانون ساز کے ممبروں کے رویتے سے اظہار ہوتا ہے۔ یہ پروگرام کم سے کم ہے اور بہت ضروری۔

بیچ کے آدمی اور مہاجن

مہاجنوں کو ختم کرنے کا مسئلہ بھی اہم ہے اس کے لئے کم شرح پر قرض اور اناج کی فروخت کے فوری طریقوں کو رواج دینا ضروری ہے۔ کسان اور خریداروں کے درمیان بیچ کے آدمیوں کی پوری فوج حائل ہے۔ ان میں سے کچھ مفید ہیں، کچھ جزواً بیکار اور کچھ مکمل طور پر نقصان دہ۔ ان بیچ کے آدمیوں کی فوج میں اب اضافہ ہو گیا ہے۔ پہلے صرف تاجر ہوتے تھے۔ کچھ تھوک فروش اور کچھ خردہ فروش۔ اب سٹہ باز، ذخیرہ اندوز، چور بیوپاری اور سول سپلائی کے افسر بھی آگئے ہیں۔ کواپریٹو فروخت اور کواپریٹو خرید کے ادارے قائم کرکے اس صورت حال کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ شہروں اور قصبوں میں خریداروں کی کواپریٹو سوسائٹیوں کا قیام ضروری ہے۔

شہروں اور دیہات کے درمیان تعلق

شہر اور گاؤں کے تعلق کا مسئلہ ایک بڑے مسئلے کا حصّہ ہے۔ جو صنعت اور زراعت کے باہمی تعلق سے وابستہ ہے۔ ہم نے روس سے سیکھا ہے کہ زراعت کے تیار شدہ سامان پر انحصار کے باعث دونوں کا باہمی تعلق بہت اہم ہے۔

باقی دنیا میں بھی اس قسم کی ماتحتی موجود ہے۔ قیمتوں کا ردّ و بدل کسانوں کو مفلس یا خوشحال بنا سکتا ہے۔ بدحالی کے زمانے میں زرعی مال کی قیمتیں صنعتی سامان کے مقابلے میں زیادہ گریں جس سے کسانوں اور کاشتکاروں کے معیار زندگی پر ناگوار اثر پڑا۔ صرف یہی نہیں کہ صنعتی ملکوں کے مقابلے میں زرعی ملک گھاٹے میں رہے۔ بلکہ ایک ہی ملک

کی صنعتی اور زراعتی آبادیوں کے مابین بھی یہی صورت حال تھی۔

سب سے پہلے اس ماتحتی کو ختم کرنا ضروری ہے۔ یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ دیہات اپنی گھریلو اور مقامی صنعتوں کو فروغ دیں۔ اور ان بڑی بڑی مشینوں پر انحصار رکھنا بند کر دیں جو صرف شہروں میں بنتی ہوں۔ دوسرے ملکوں میں بھی اس ضرورت کا احساس کیا جا رہا ہے۔ امریکہ میں دیہی زندگی کے ماہروں کا خیال ہے کہ اگر امریکی کسان اپنے کھیتوں میں وہی چیزیں پیدا کریں جس کی انہیں ضرورت ہے اور کچھ نقد آمدنی کھیت سے باہر سے حاصل کر لیں تو ان کا معیار زندگی اونچا ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے صنعتوں کا عدم ارتکاز۔ تاکہ بہت سے لوگ اپنی آمدنی کا کچھ حصہ دوسرے ذرائع سے حاصل کر سکیں۔ اور دوئم اس قسم کی گھریلو صنعتوں کا فروغ، جن کی مدد سے لوگ اپنی ضرورتوں کا سامان خود تیار کر سکیں۔ ان گھریلو صنعتوں کو مشینوں اور بجلی کی مدد سے زیادہ مؤثر اور کارگر بنایا جا سکتا ہے۔ تاکہ ان میں جو محنت صرف کی جائے اس کا نتیجہ زیادہ بر آمد ہو۔ اس سے دو قسم کے اخراجات کی بچت ہوگی۔ جب کسان تیار شدہ مال استعمال کریں گے اور مزدور کھیت میں پیدا ہونے والا مال، اور یہ دونوں قسم کے مال ایک ہی جگہ مل سکیں گے تو بیچ کے آدمیوں کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اور اس طرح خرید و فروخت کے ساٹھ فیصدی اخراجات بچ جائیں گے۔

ہندوستان میں گھریلو صنعتوں کو فروغ دینے کی زیادہ ضرورت اس لئے بھی ہے کہ ہندوستان کا صنعت کار اپنے فرض میں ناکام ہو چکا ہے۔ اس کا وجود اگر کہیں ہے بھی تو وہ کافی حد تک ناقابلِ جواز ہے۔ اس کی سرمایہ داری صنعتی نوعیت کی بلکہ تاجرانہ اور سٹے بازانہ حیثیت رکھتی ہے۔ وہ فوری طور پر اور بہ آسانی روپیہ کمانے میں یقین رکھتا ہے وہ دودھ میں پانی ملا دیتا ہے، گندم اور چاول میں ریت اور مکھن میں موم۔ یہ رویہ برطانوی تاجروں سے مختلف ہے۔ برطانیہ کی امپیریل کیمیکل کمپنیاں جنگ کے زمانے میں بڑے احتیاط

کے ساتھ ہندوستانی خریداروں کو مقررہ قیمتوں پر سامان مہیا کرتی رہیں اور یہ خریدار
ان ہی چیزوں کو چور بازار میں دس گنا قیمتوں پر فروخت کرتے رہے۔

اگرچہ صنعت کار بالعموم ایمانداری کا اہل نہیں ہوتا لیکن وطنیت کا علمبردار
وہ ضرور ہوتا ہے۔ انکم ٹیکس کی تحقیقات کرنے والے کمیشن کے سامنے ٹیکس سے بچنے کے
تیرہ سو مقدمے پیش ہوئے۔ ملزموں میں عملاً ہندوستان کے تمام بڑے بڑے تاجر شامل
تھے۔ ایک بڑے ہندوستانی تاجر کی وطن دوستی کو ٹھیس پہنچ گئی۔ اس نے سوال کیا، کہ
آخر کیا وجہ ہے کہ آزادی کے بعد بھی ہماری یہ غلامانہ ذہنیت قائم رہی کہ ہم نے ٹیکس نہ
دینے والوں کی فہرست میں ایک بھی برطانوی کا نام شامل نہیں کیا۔

ان سماجی اور ٹیکنیکل مسائل کے علاوہ جن کا تعلق صرف زراعت کے ساتھ ہے،
کچھ مسائل عمومی نوعیت کے بھی ہیں جو توجہ طلب ہیں۔ اگر ان عمومی مسائل کو حل نہ کیا گیا
تو مختلف سیکٹروں میں خاص خاص مسائل کو حل کرنا اپنی اہمیت کو زائل کر دے گا۔ یہ عمومی
مسائل دو طرح کے ہیں ماحولی اور نظریاتی۔

آبادی

ہماری آبادی میں حیرت انگیز سرعت کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔ مالتھوس کا نظریہ
تشویشناک حد تک درست ثابت ہوا ہے۔ یہ ہندوستان کی صورتِ حال کا سب سے پریشان کن
پہلو ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ لوگوں میں بہتر معیارِ زندگی کی آرزو بھی پیدا ہو رہی ہے۔ یہ آرزو
آبادی کے کچھ حصّوں میں کتنی ہی فرضی کیوں نہ ہو لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ یہ جذبہ
سیاسی اقدام کا محرک بن رہا ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء اور سنہ ۱۹۴۱ء کے درمیان ہماری آبادی میں، جو
پہلے ہی بہت زیادہ تھی، آٹھ کروڑ تیس لاکھ کا اضافہ ہو گیا۔ یہ آبادی جرمنی کی سنہ ۱۹۳۹ء کی
آبادی کے برابر تھی اور امریکہ کی کل آبادی کا باسٹھ فیصدی حصّہ ہے۔ سنہ ۱۹۳۱ء اور سنہ ۱۹۴۰ء

کے درمیان ہماری آبادی میں پانچ کروڑ کا اضافہ ہوا جو انگلینڈ، سکاٹ لینڈ اور ویلز کی کل آبادی کے برابر ہے۔ موجودہ حالات میں جب ہمارے پاس زمین محدود ہے، کسی قسم کا کوئی سرمایہ نہیں۔ اور فی کس ذرائع باقی دنیا کے مقابلے میں قلیل ترین ہیں، ہم اس اضافۂ آبادی کو ضروریات زندگی کی فراہمی کی ضمانت کس طرح دے سکتے ہیں۔ اگرچہ کبھی لوگ اس کا پر زور مطالبہ کر رہے ہیں اور سیاسی پارٹیوں کی طرف سے سوچے سمجھے بغیر اس کا یقین بھی دلایا جا رہا ہے۔

ہمیں اس سلسلے میں ضرور کچھ کرنا چاہئے۔ اخلاقی ضبط پیدائش کو روکنے کا بہترین طریقہ ہے لیکن صرف اس چیز پر انحصار رکھنا حقائق سے آنکھیں بند کر لینے کے مترادف ہے۔ اس میں ضبط تولید کے مصنوعی طریقوں کا اضافہ ناگزیر ہے۔ ہمیں پبلک ضمیر کو بیدار کرنا چاہئے کہ بہت زیادہ بچے کوئی اچھی بات نہیں۔ بہت زیادہ بچوں سے صرف یہی نہیں کہ ہماری عورتوں کی صحت تباہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ اس کی وجہ سے ہم اپنے خاندان کو مناسب غذا بھی مہیا نہیں کر سکتے۔ یہ ایک ایسا کام ہے جس کی طرف منظم جماعتوں کو توجہ دینی چاہئے۔

ہمیں معلوم ہے کہ بعض حالتوں میں پرتگال جیسے چند ملکوں کے اعداد و شمار پیش کر کے اس مسئلے کی اہمیت سے انکار کرنے کا رجحان پایا جاتا ہے لیکن یہ ایک غلطی ہے۔ ایک ایسی غلطی جس کا متحمل ہونے کی ہم میں سکت نہیں۔

دنیا کی مجموعی آبادی میں پچاس ہزار نفوس یومیہ کے حساب سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس میں ہمارا حصہ بارہ ہزار نفوس یومیہ ہے۔ اگر اضافۂ آبادی کی یہی رفتار رہی تو ہمارے لئے اپنی ساری آبادی کا پیٹ بھرنا مشکل ہو جائے گا پہلے ہی ہماری آبادی دنیا کی ساری آبادی کا پانچواں حصہ ہے اور ہمارے مویشیوں کی تعداد بھی دنیا کے تمام مویشیوں کی تعداد کا ایک تہائی حصہ ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمارے پاس قابل کاشت زمین زیادہ سے زیادہ تینتالیس کروڑ ستر ہزار ایکڑ ہے۔ ہمیں چادر سے باہر پاؤں نہیں پھیلانے چاہئیں۔ یہ گناہ ہے اور انسانی

بقا کے اصول کے منافی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ قدرت کسی نوع حیات کو ختم کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کرتی ہے کئی انواع حیات کی معدومی کا سبب یہ نہیں تھا کہ موسمی تبدیلی کے سبب ان کی غذا ناپید ہو گئی تھی۔ بلکہ اس معدومی کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنی تعداد میں اپنی بساط اور اپنے ذرائع سے زیادہ اضافہ کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سپلائی کے منبع خشک ہو گئے اور وہ نوع اتنی ناپید ہوئی کہ اس کا وجود تک باقی نہ رہا۔

آبادی کے متعلق دانشمندانہ پالیسی ہر سیاسی پارٹی کے مینی فیسٹو کا جزو لاینفک ہونا چاہیئے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اسے کسی بھی پارٹی کے پروگرام میں شامل نہیں کیا گیا۔ اس وقت کی بیشتر سیاست کو اقتصادی اور سماجی حقائق سے کوئی تعلق نہیں اس سیاست کا تمام تر انحصار الیکشن، بے بنیاد وعدوں، جہنم کے خوف اور بہشت کے لالچ پر ہے۔ اس کے سوا موجودہ سیاست کو اور کسی چیز سے علاقہ نہیں۔ اس سیاست نے زندگی کے حقائق سے مکمل طور پر آنکھیں بند کر رکھی ہیں، اور اسے ہماری زندگی کے تسلسل اور اس کے معیار کے ساتھ دور و نزدیک کا کوئی بھی تعلق نہیں۔ سیاست کو موجودہ سیاست کی طرح بنجر اور بے جان لفاظی نہیں ہونا چاہیئے اور سیاستدان کو اپنے مسخرہ پن اور اپنی احمقانہ روش کو ترک کر دینا چاہیئے۔

اس وقت تک صورت حال ایسی ہر گز نہیں کہ جس کا علاج انسان کی قدرت سے باہر ہو۔ کاشتکاری کی اصلاح سے ہم اپنی موجودہ آبادی کا پیٹ بھر سکتے ہیں۔ چند تخمینوں کی رو سے ایک شخص کو اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے ایک ایکڑ سے کچھ کم زمین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اتنی زمین اسے ۲۸۰۰ حرارے یومیہ مہیا کر سکتی ہے۔ اس میں دودھ، مکھن، پھل، سبزی، گوشت، سبھی کچھ شامل ہے۔ اور اس کے علاوہ ۲ پونڈ سالانہ کپاس بھی اس میں شامل ہے۔ اس سے یہ نتیجہ البتہ ضرور اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہماری موجودہ آبادی زیادہ سے زیادہ ہے اور مزید اضافے کے ہم متحمل نہیں ہو سکتے۔

معیارِ زندگی

ہمیں مصنوعی طور پر بڑھائے ہوئے معیارِ زندگی کے تصور سے نجات حاصل کر لینی چاہیئے۔ سیاسی حلقوں میں معیارِ زندگی ایک ایسی چیز ہے جو سب سے بڑی حقیقت ہے۔ باقی ہر چیز کو اس کے تابع ہونا چاہیئے بیشتر تشدد اور چالبازی کا محور یہی معیارِ زندگی ہے۔ اس نئے دیوتا کے نام پر سیاسی پارٹیاں لوگوں کو قتل کرنے اور اپاہج بنانے کو اپنا حق سمجھتی ہیں اور اس نئے جھنڈے کے نیچے چل کر عوام ہر نئی غلامی، ہر نئی ذلت اور ہر نئے دیوالیہ پن کی طرف قدم بڑھانے کے لئے تیار ہیں۔

ہمیں اپنے معیارِ زندگی کو اپنی ذہنی اور جسمانی ضرورتوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہیئے اور ان چیزوں کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیئے جو صرف چکا چوند پیدا کر سکتی ہوں۔ آج معیارِ زندگی کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کو ہر چیز زیادہ سے زیادہ ملے اور مساوی طور پر ملے۔ جو سیاسی پارٹیاں اتنا زیادہ دینے کا وعدہ کرتی ہیں، جن کا ٹیکنیکل ترقی کی موجودہ سطح کے مطابق ملک متحمل نہیں ہو سکتا، غیر ذمہ دار ہیں۔ ہمیں یہ مناسب نہیں کہ امریکہ یا کینیڈا کے معیارِ زندگی کو اپنے سامنے رکھ کر اس ناممکن الحصول معیار کے لئے آپس میں جھگڑا فساد کرنا شروع کر دیں اور انقلاب کو دعوت دینے لگیں۔ ہر سیاسی پارٹی کا فرض ہے کہ وہ صرف وہی وعدے کرے جن کو پورا کرنے کی وہ ایمانداری کے ساتھ اپنے آپ کو اہل سمجھتی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دینا چاہیئے کہ ان وعدوں کو کن حالات میں عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو یہ صرف الیکشن بازی ہے جمہوریت نہیں۔ کمیونسٹوں کے لئے یہ سب آسان ہے۔ برسرِ اقتدار آنے سے پہلے وہ لوگوں کی خواہشات کو مصنوعی طور پر انگیخت کر دیتے ہیں۔ اور ان کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد جب عوام ان خواہشات کی تکمیل کا مطالبہ کرتے ہیں تو انہیں دبا دیا جاتا ہے لیکن دوسری پارٹیاں جو جمہوری ہیں اور ملک کی بھلائی ان کا مطمحِ نظر ہے۔

وہ اتنی غیر ذمہ داری کا ثبوت نہیں دے سکتیں۔

اس فرضی بنیاد سے باخبر ہونا ضروری ہے جس پہ مغرب نے اپنے معیار زندگی کو استوار کیا ہے۔ یہ معیار زندگی دنیا کی حقیقی دولت اور اس کے ذرائع کے تدریجی انحطاط اور ہر لمحہ بڑھتی ہوئی لاگتوں کی بنیاد پہ قائم ہے۔ ولیم ووگٹ نے اپنی کتاب "بقا کا راستہ" میں ایک کسان کی کہانی درج کی ہے۔ جو کہتا ہے "میرے پاس ایک سو اسّی ایکڑ زمین ہے، ایک مکان ہے ایک باڑہ ہے اور ایک ذخیرہ بھی ہے۔ ان سب کا میں آزاد مالک ہوں۔ اور یہ سب صاف ستھرے ہیں۔ اس پہ میری سترہ سال کی محنت اور پسینہ صرف ہوا۔ اس کے ساتھ ہی میری زمین کی ۶ انچ بالائی تہ بھی صرف ہو گئی"۔ اسی اتھارٹی کا یہ بھی کہنا ہے کہ "ہم بڑی تیزی سے امیر بنتے جا رہے ہیں۔ اقتصادی زندگی کے پھیلاؤ کی ضرورت جو ہمارے اقتصادی ایمان کا مسلمہ جزو ہے، درحقیقت اقتصادی زندگی کے سمٹنے کی نشانی ہے۔ ہماری تمام اقتصادی ترقی ایسی چیزوں کے ناقابل تلافی زوال پر منحصر ہے جنہیں اصل سرمائے کا نام دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً زمین کی زرخیز تہ اور معدنیات، اس کے علاوہ اس اقتصادی ترقی کی بدولت ہمارے بعض ایسے ذرائع کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے جنہیں صرف اقتصادی طور پہ ہی قابل تجدید کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً پانی، جنگلات، چراگاہیں اور وحشی جانور ۔ ۱۶۰۷ء سے ہم اپنے ان ذرائع پہ گزر اوقات کر رہے ہیں جو اصل پونجی ہیں۔ ہم نے اپنی پونجی کو گراں قیمت آسائشوں پہ صرف کر دیا ہے۔ مثلاً بہت وسیع اور کشادہ سڑکیں۔ اور ایک ایسی صنعتی تنظیم جس کے اونچی سطح کے اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ اس صنعت کو ناکامی سے بچانے کے لئے ہمہ وقت بچت کی فکر دامنگیر رہتی ہے۔ اس پہ مستزاد یہ کہ ہم نے کاغذی کرنسی کی مدد سے ایک اونچا مادی معیار زندگی قائم کر لیا ہے۔ ہمارے نفسیات ایک ایسے شخص کے نفسیات ہیں جو اسراف بیجا کا عادی ہے۔ یہ چیز ہمارے کفایت شعار آباؤ اجداد کو لرزہ براندام کر دیتی ہے۔ دنیا کے دوسرے حصوں کے لوگ اسے حماقت ہی نہیں بلکہ مجرمانہ حماقت تصور کرتے ہیں"۔ (۲۹) افسوس کہ یہ آخری بات صحیح نہیں۔ دنیا کے دوسرے

حصوں کے لوگ بھی اس حماقت کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔

مشینری اور غیر ملکی امداد

ہم مشینوں کے مخالف نہیں، ہم صرف ان مشینوں اور بجلی اور بھاپ کی اس قوت کے خلاف ہیں جو انسانی محنت کی جگہ لیتی ہیں۔ ہم ان مشینی ترقیات کا خیر مقدم کریں گے، جو زمین کی قوت پیداوار کو بڑھادیں۔ اور انسانی محنت کو زیادہ بارآور بنادیں۔ ہم اس تمام مشینی اور برقی ترقی کا خیر مقدم کرتے ہیں جو انسانوں کی کثیر تعداد کو ان بے ترتیب ڈھیروں میں جمع نہ کرے۔ جنہیں شہروں کا نام دیا جاتا ہے۔ ہم ان تمام ترقیوں کا خیر مقدم کرتے ہیں جن کا نتیجہ لوٹ نہ ہو۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوٹنے والے سرمایہ دار ہیں یا کمیونسٹ۔ قصہ کوتاہ ہم صرف ان ترقیوں کے حامی ہیں جو انفرادی مزدوروں کو آزادانہ طور پر کام کرنے کے مواقع مہیا کریں۔ محنت کرنے والے اپنے اوقاتِ کار کا فیصلہ خود کریں اور اپنی روزی کے لئے وہ کسی کے دست نگر نہ ہوں۔ اس قسم کی ترقیوں کا واحد مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ محنت کرنے والے اپنی محنت، اپنی زمین اور اپنے آلات کو زیادہ کارآمد بنا سکیں۔

یہ نقطۂ نگاہ کمیونسٹوں کے نقطۂ نگاہ سے مختلف ہے۔ جہاں تک سرمایہ داروں کا تعلق ہے ان کا کوئی نظریہ ہے ہی نہیں۔ جو کچھ کمیونسٹ سمجھ بوجھ کر وسیع پیمانے پر کرنا چاہتے ہیں، سرمایہ دار اندھے پن کے ساتھ وہی کچھ چھوٹے پیمانے پر کرتے ہیں۔ کمیونسٹ کہتے ہیں کہ ایک خاص قسم کے ٹیکنیک اور ایک خاص قسم کی مشینوں کو بہتر طور پر استعمال کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسانوں کی زمین چھین لی جائے اور انہیں بڑے بڑے مراکز میں جمع کردیا جائے۔ لہٰذا آؤ ہم ان کی تنظیم کریں اور انہیں پرولتاری بنادیں۔ یہ تبھی ممکن ہے اگر ذرائع پیداوار کو مشترکہ ملکیت قرار دے کر کسانوں کو ان سے الگ کردیا جائے اور انہیں افراد کی بجائے بڑے بڑے انسانی ڈھیروں میں تبدیل کردیا جائے۔

ہم اس طریقِ کار کے سخت خلاف ہیں۔ ہمارا دعوٰے ہے کہ ایسے ٹیکنیک اور ایسی مشینیں ایجاد کی جا سکتی ہیں جو کسانوں کو نہ تو ان کی انفرادی ملکیت سے محروم کریں گی اور نہ انہیں سماجی بدنظمی کا شکار بنائیں گی۔ اس کے برعکس یہ مشینیں انہیں اس قابل بنا دیں گی، کہ وہ اپنے طریقے پر کام کر کے بھی پیداوار میں اضافہ کر سکیں۔ اور اپنی محنت کو زیادہ بارآور بنا سکیں موجودہ مرحلے پر یہ نکتہ بہت اہم ہے۔ ہم اپنے ملک کی اقتصادی تعمیر جدید کا آغاز کرنے والے ہیں۔ ملک کی آئندہ خوشحالی کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہمارے رہنما اقتصادی ترقی کے روایتی اور مروجہ طریقوں سے نجات حاصل کرنے کے کس حد تک اہل ہیں۔ اگر وہ فرسودہ تصورات پر قائم رہے اور انہوں نے اقتصادی ترقی کے بعض اتفاقی پہلوؤں کو ناگزیر اصولوں کی شکل دے دی۔ اور ہمارے اقتصادی نظام کو انہیں ناگزیر اصولوں کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے رہے تو مصیبت اور بدنظمی ہمارے لئے منتظر رہیں۔

اس بات سے اس نکتے کی اہمیت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے کہ پچھمی جمہوریتوں مثلاً امریکہ اور برطانیہ نے ہماری اقتصادی تعمیر جدید میں امداد کی پیش کش کی ہے ہم اس ہمدردی اور پیش کش کے شکر گزار ہیں اور یہ بھی یقین رکھتے ہیں کہ اس امداد سے ہماری اقتصادی تعمیر جدید آسان تر ہو جائے گی لیکن ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ ہم سر جوڑ کر بیٹھیں اور اس امداد کی نوعیت پر غور کریں۔ ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ ہم اس بنیادی فرق کا احساس کریں جو مشرق اور مغرب کے اقتصادی ڈھانچوں میں موجود ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہمیں اس وقت کا بھی صحیح احساس کرنا چاہئے جو مجوزہ اقتصادی ترقی کے لئے درکار ہوگا۔

مغربی ٹیکنیک اور مشینیں مرتکز اور پیچ در پیچ پیداوار کے لئے موزوں ہیں اور ان کی کامیابی کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ ان کے استعمال کے لئے بڑے بڑے یونٹ موجود ہوں یہ طریقے امریکہ جیسے ملک کے لئے بہت موزوں ہیں جہاں زمین اور دوسرے قدرتی ذرائع کی فراوانی ہے۔ ان یوروپی ملکوں کے لئے بھی یہ طریقے غیر مفید نہیں تھے جو اپنی نوآبادیات

کے ذرائع سے فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ اور ان نوآبادیوں کو اپنے مشینی نظام کے لئے خام مال پیدا کرنے پر مجبور کر سکتے تھے۔ مزید برآں۔ یہ ملک صنعتی میدان میں نووارد تھے اور اس عمل کے دوران جو مصیبت برداشت کرنا پڑی وہ اب ماضی کی چیز بن چکی ہے (مثال کے طور پر ان کسانوں کا تصور کیجئے جنہیں برطانیہ میں صنعتی ترقی کے لئے زمینوں سے بے دخل کیا گیا) انسانی ذہن کی ساخت ایسی ہے کہ وہ ماضی کی مصیبت کو بھول جاتا ہے لیکن جو مصیبت آنے والی ہے وہ اسے بے چین کر دیتی ہے۔

ہم جغرافیائی اعتبار سے اور قدرتی ذرائع کے معاملے میں مغربی ملکوں سے مختلف ہیں۔ ہماری بین الاقوامی اقتصادی پوزیشن بھی کافی مختلف ہے اور ہمارے پاس وقت بھی کم ہے۔ لہٰذا مغرب کا ٹیکنیک ہمارے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ مغربی ملکوں کے پاس وقت کافی تھا اور وہ انتظار کر سکتے تھے۔ ان کے پاس ذرائع تھے اس لئے وہ پیچ در پیچ پیداوار کے متحمل ہو سکتے تھے۔ ہمارے پاس نہ وقت ہے نہ ذرائع۔ ہم نہ انتظار کر سکتے ہیں اور نہ ایسی ترقی پر، جس کی لاگت بہت زیادہ ہو اپنے ذرائع کو صرف کر سکتے ہیں۔ ہمیں اقتصادی ترقی کا کوئی ایسا راستہ ڈھونڈنا پڑے گا۔ جو ارزاں بھی ہو اور فوری بھی!

یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں امریکہ اور برطانیہ ہماری مدد کر بھی سکتے ہیں اور یہ مدد ہمارے لئے مفید بھی ہو سکتی ہے۔ ان کے پاس ایسی ٹیکنیکل معلومات ہیں جنہیں ایک ایسے غیر مرکزی اقتصادی نظام میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جو آزاد مزدوروں اور آزاد کسانوں پر مشتمل ہو۔

مثال کے طور پر وہ ہمیں اپنے چرخے کو مشینی بنانے میں مدد دے سکتے ہیں۔ وہ ہمیں ایک ایسی مشین بنانے میں مدد دے سکتے ہیں جو بیک وقت روئی دُھنے، سوت کاتنے اور کپڑا بننے کی اہل ہو۔ اور اس کی لاگت اتنی کم ہو کہ ہر شخص اسے بہ آسانی خرید سکے اور اسے چلانے میں بھی کسی خاص مہارت کی ضرورت نہ ہو۔ وہ ہمیں ایسے آسان آلات کاشت بنانے میں مدد دے سکتے ہیں جو نسبتاً زیادہ کارگر اور مؤثر ہوں۔ وہ ہمیں اس معاملے میں بھی مدد دے

سکتے ہیں کہ ہم مقامی ذرائع مثلاً ہوا اور پانی کی مدد سے سستی برقی قوت پیدا کرسکیں۔ وہ ہمیں اپنے کولھو کو بہتر بنانے میں مدد دے سکتے ہیں۔ غرضیکہ وہ ہمیں ایسے ہزاروں آلات بنانے میں مدد دے سکتے ہیں جو مقامی طور پر مقامی استعمال کے لئے بنائے جائیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمیں چند محدود بڑی صنعتیں قائم کرنے میں بھی مدد دے سکتے ہیں، جو موجودہ دور میں ناگزیر ہیں۔

خوش قسمتی سے پچھمی ملکوں میں ہماری صورتِ حال کا ہم سے نسبتہً بہتر طور پر اندازہ لگایا جا رہا ہے۔ انہیں اس بات کا احساس ہے کہ ایشیا بالخصوص ہندوستان کے مسائل مختلف نوعیت رکھتے ہیں اور ان کا حل بھی مختلف طریقوں پر ہونا چاہیئے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہمارے یہاں محنت کرنے والوں کی فراوانی ہے۔ اور سرمائے کی قلت۔ لہٰذا وہ اس قسم کی اقتصادی ترقی کا مشورہ دیتے ہیں جس کا بیشتر انحصار سرمائے پر نہیں بلکہ محنت پر ہو۔

حکومتِ ہند کے صنعتی ایڈوائزر ڈاکٹر ایس بڑون کا کہنا ہے کہ ہندوستان بڑی تیزی سے ترقی کر سکتا ہے اور سرمائے کی عدم فراہمی بھی کوئی ایسی مشکل نہیں جسے عبور نہ کیا جاسکے۔" جاپان کی مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ "ہمیں معلوم ہے کہ جاپان نے اپنی اقتصادی تعمیر کتنے کم سرمائے سے کی۔ اور اس کے باوجود وہ دنیا بھر میں صنعتِ پارچہ کے میدان میں سب سے آگے نکل گیا۔" (۵)

اسی طرح پچھمی ملک بھی جانتے ہیں کہ مشرقی ملکوں کے ترقی کرنے کا بہترین طریقہ یہ نہیں کہ مغربی ٹیکنیک، مغربی ذرائع اور مغربی طرز کی بڑی بڑی مشینیں استعمال کی جائیں۔ بلکہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مشرقی ممالک کے مقامی ذرائع ہی استعمال میں لائے جائیں مقامی آلات کو بہتر بنایا جائے۔ اور اداروں کی تنظیم میں بھی اصلاح کی جائے۔ ہماری خوشحالی کا راستہ یہ نہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اسے ترک کردیں۔ ہمیں اپنی زراعت، اپنے لامرکزی دیہی اقتصادی نظام اور چھوٹے پیمانے کی صنعت کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے

بلکہ ان میں ایک نئی جان ڈالنی چاہیئے۔ تاکہ وہ زیادہ بارآور، مؤثر اور فائدہ بخش بن جائیں۔
فروری ۱۹۵۰ء میں جب مسٹر ایچی سن امریکہ کے سکریٹری آف سٹیٹ تھے۔ انہوں نے ایک پریس کانفرنس میں پورے مشرق کے متعلق امریکہ کی پالیسی کی تشریح کرتے ہوئے کہا تھا: "ہمیں ان کی ہر ممکن مدد کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے قدرتی ذرائع سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ یہ ہم اس طرح نہیں کرتے کہ بڑے بڑے کارخانے قائم کریں۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ایسی چیزیں بنائی جائیں جو انڈونیشیا (یہ صرف ایک مثال ہے) کے کسانوں کو اس قابل بنادیں کہ وہ بہتر قسم کے آلات تیار کر سکیں اور ایسے طریقے استعمال میں لاسکیں، جن سے وہ ابھی تک واقف نہیں تھے۔ ہمیں ان کے مسائل پر ان ہی کے نقطہ نگاہ سے غور کرنا چاہیئے۔ جہاں تک بھی ممکن ہو سکے ہمیں ان کی مدد کرنی چاہیئے کہ اپنی منتخب کردہ منزل پر پہنچ سکیں۔" انہوں نے مزید کہا کہ "ہم ہر قابل فہم طریقے سے ایشیا کی قوموں کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی منزل کو پاسکیں۔ اور اپنی آرزوؤں کو اپنے طریق پر بر لاسکیں۔ ہم ایسا اس لئے کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ہمارا وشواس ہے کہ ایشیائی قوموں کی صدقدلانہ خواہش ایک ایسی دنیا کا قیام ہے جو آزاد بھی ہو اور خوشحال بھی۔ جس میں ہم اور وہ امن اور سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔..... جو مدد ہم دیں وہ ان ملکوں کی مخصوص صورت حال کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اسے دوسروں کی ذمہ داریوں کے مطابق ہونا چاہیئے اور ہمارے امکانی ذرائع کی حدود میں ہونا چاہیئے۔" ہندوستان میں امریکہ کے سابق سفیر مسٹر چیسٹر باؤلز کا خیال ہے کہ "ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ ہندوستان کے دیہات میں ہوگا۔ اس بات کا فیصلہ وہیں ہوگا کہ یہ مستقبل یقینی ہے یا مخدوش۔" (۶) تعمیر و ترقی کے بین الاقوامی بینک کے چیف اکانومسٹ ڈاکٹر اینٹونن باش نے مارچ ۱۹۵۰ء میں دہلی اسکول آف اکانومکس میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "ایشیائی ملکوں کی زرعی ترقی کے لئے امریکی طریقے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ اس کے مقابلے میں جاپانی مشینری اور جاپانی ٹیکنک

بہت زیادہ مفید ہو سکتے ہیں "

صرف یہی نہیں کہ پچھمی ملک ہمارے مسائل کو مناسب طور پر سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان میں یہ آمادگی بھی پائی جاتی ہے کہ وہ ہماری مدد کریں۔ ایسے کمیونسٹوں اور ان کے ہم خیال لوگوں کی کمی نہیں جو اسے سامراج کا نام دیں گے۔ (واقعہ یہ ہے کہ وہ اب بھی یہی کہہ رہے ہیں) لیکن یہ لوگ کج دماغی کا شکار ہیں۔ اقتصادی خود غرضی کے نظریئے کے سائے میں پرورش پانے کی وجہ سے انہیں ہر جگہ سامراج اور لوٹ کھسوٹ نظر آتی ہے اور غیر کمیونسٹ دنیا کی ہر بات پر انہیں یہی گمان گذرتا ہے۔ ان کے جھوٹے نعروں کی بنیاد دو وجوہ پر ہوتی ہے اول یہ کہ وہ چونکہ کسی فراخدلانہ یا مفید عمل کے نا اہل ہیں لہٰذا یہ باور کرنا ان کے لئے ناممکن ہے کہ دوسرے لوگ ایسا کر سکتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس چالبازانہ نعرے سے وہ جمہوری ملکوں میں شک کا بیج بونا چاہتے ہیں اور ان کی اقتصادی ترقی کو روکنا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ روس کی آمریت کا بہ آسانی شکار بن جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ مارشل پلان اور پردھان ٹرومین کے چار نکاتی امدادی پروگرام کے مخالف ہیں۔

جہاں امریکہ، برطانیہ اور جرمنی ہمارے لئے مفید ہو سکتے ہیں وہاں امنگ کے لئے ہمیں جاپان کی طرف دیکھنا چاہیئے۔ اس نے غیر مرتکز اقتصادی نظام کے تحت چھوٹی چھوٹی صنعتوں کو چلانے کے لئے بہت عمدہ مشینیں بنائی ہیں۔ ٹوکیو چیمبرس آف کامرس کے مطابق چھوٹے چھوٹے اداروں نے جو برآمدی مال تیار کیا اس کا تناسب مجموعی تجارت برآمد میں حسب ذیل تھا۔ کپڑا ۳۰ فیصدی، اون اور مصنوعی ریشم کا کپڑا ۳۳ فیصدی، ہوزری اور پنسلیں ۴۰ فیصدی۔ بائیسکل ۷۵ فیصدی، لکڑی کا سامان اور دھات کے کھلونے ۷۰ فیصدی، برش اور چھتریاں ۵۰ فیصدی، بٹن ۵۰ فیصدی۔ عام استعمال کی چیزیں تیار کرنے میں چھوٹی چھوٹی فیکٹریاں بہت مفید ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر بجلی کے لیمپ زیادہ تر چھوٹی چھوٹی دکانوں پر ہی تیار ہوتے ہیں۔ اسی طرح بائیسکلوں

کی صنعت میں چھوٹے چھوٹے کارخانوں نے مجموعی پیداوار کا ۹۰ فیصدی حصہ تیار کیا سنہ ۱۹۳۳ء میں بائیسکلوں کی مجموعی پیداوار کا ۳۰ فیصدی حصہ ایسی ورکشاپوں نے تیار کیا۔ جن میں کام کرنے والوں کی تعداد پانچ سے زیادہ نہیں تھی۔ اسے ایک فیملی یونٹ کا نام دیا جاسکتا ہے۔ (۷)

جاپان کی زراعت جاپان کی صنعت کے مقابلے میں کہیں زیادہ سبق آموز ہے۔ ایف۔ ایچ گنگ کی کتاب "چالیس صدیوں کے کسان" یا "چین، کوریا اور جاپان کی مستقل زراعت" پڑھیے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ ان ملکوں کے کسانوں نے کس طرح ایک ایسا زرعی طریقہ اختیار کیا ہے جو بڑی بڑی مشینوں کی مدد کے بغیر اور دھرتی کی زرخیزی میں کمی کئے بنا پیداوار کو بڑھا سکتا ہے۔ جاپان میں قابل کاشت زمین بہت کم ہے۔ یعنی ایک ایکڑ فی پانچ کس۔ دنیا کا کوئی ملک جس کی آبادی اتنی گنجان ہو، خوراک کے معاملے میں اتنا خودکفیل نہیں جتنا جاپان ہے۔ محنت، دھرتی کے تحفظ اور عمدہ کاشت کے معاملے میں جاپانی کسان کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ جاپان سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ چند سو جاپانی گھرانوں کو ہندوستان آنے کی دعوت دی جائے۔ اور انہیں چھوٹے چھوٹے گروپوں میں مختلف مقامات پر آباد کر دیا جائے۔ اس سے لوگ انہیں کام کرتے ہوئے دیکھیں گے اور ان کے طریقوں سے سبق حاصل کر سکیں گے۔ ملیاشیا کے باشندوں کو اسی طرح بہت فائدہ پہنچا تھا۔

"گاندھوی" اقتصادیات

صداقت کو بہت زیادہ مختصر بنانا، اور زندہ حقائق کو کسی ایک تصور، عقیدے یا ازم کی حدوں میں بند کرنا ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے لیکن ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اس بدھی عورت کی طرح جس نے آئن سٹائن سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ نظریۂ اضافیت کو

صرف چند فقروں میں بیان کر دے، پیچیدہ صداقت کو کسی آسان تصوّر یا مختصر بیان کے ذریعہ سمجھنے کے آرزو مند ہوتے ہیں۔ جو کچھ ہم نے اس باب میں کہا ہے اگر اس کے لئے کوئی نام تجویز کرنے کا مطالبہ ہم سے کیا جائے تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ "گاندھی ازم" کا لفظ سپرٹ اور معانی دونوں کے اعتبار سے اس کے بہت قریب تر ہے۔

بعض حلقوں میں گاندھی ازم صرف ایک مذہبی رسم ہے۔ ایک ایسا نام جسے ہر کام کرنے سے پہلے ایک مقدس رسم کے طور پر اپنی زبان پر لانا ضروری ہے۔ خواہ یہ کام گاندھی جی کے طریق کار سے کتنی ہی دور کیوں نہ ہو۔ بعض حلقوں خصوصاً "یساری" حلقوں میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ گاندھی جی کی ذات سہونمانی کی آئینہ دلہ تھی۔ وہ افلاس اور نکبت کے مبلغ تھے مشینوں کو توڑنا چاہتے تھے اور ازمنۂ قدیم کو واپس لانے کی تمنا رکھتے تھے۔ وہ بیسویں صدی کے تمام تقاضوں کی ضد تھے۔

یہ درست ہے کہ گاندھی جی بیسویں صدی کے بلند بانگ دعاوی سے متفق نہیں تھے لیکن ان کی تحریروں میں ایسی کوئی بات موجود نہیں جو اُن کے متعلق یساری نقطۂ نگاہ کی حمایت کر سکے۔ گاندھی جی نے ذاتی طور پر ایک غریب آدمی کی طرح زندگی بسر کی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ ضبط و تنظیم کے خوگر تھے اور انہیں ان چیزوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی، جو دوسرے لوگوں کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ غریبانہ زندگی اختیار کر کے انہوں نے اپنی زندگی کو غریبوں کی زندگی سے ہم آہنگ کر لیا اور اس طرح ان کی غریبانہ زندگی اور طرز معاش کو ایک وقار عطا کر دیا۔ امیر طبقے کی پُر شکوہ اور بے محنت عیش کی زندگی نے غریبوں کی خود اعتمادی اور عزّت نفس کو جو نقصان پہنچایا تھا گاندھی جی کی روش نے اس کی تلافی کر دی لیکن یہ کہنا غلط ہے کہ گاندھی جی غیر ضروری افلاس، نکبت اور احتیاج کے حامی تھے۔ ایک سوشلسٹ ڈاکٹر جان ڈی بیئر کے سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے کہا تھا: "میں اپنے پیٹ میں اتنی چیزیں نہیں ٹھونسنا چاہتا

جنہیں میں ہضم نہ کر سکوں، اور نہ اتنا مال واسباب جمع کرنا چاہتا ہوں جس کا کوئی مفید مصرف میرے پاس نہ ہو لیکن میں ہندوستان میں افلاس، احتیاج، مصیبت اور گرد وغبار دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔" (۸)

یہی نظریہ دانشمندانہ ہے لیکن کسی نہ کسی طرح ہمارے ملک میں خوشحالی کے ایسے تصورات رائج ہو گئے ہیں جو بالکل من گھڑت اور غیر حقیقی ہیں۔ زندگی کا جو معیار ہم نے فرضی طور پر مقرر کر لیا ہے وہ اخلاقی اور مادی دونوں اعتبار سے لامحدود ہے۔ یہ تصورات برطانیہ اور امریکہ کی زندگی سے لئے گئے ہیں اور ہمارے دانشوروں اور سیاسئین کے ایک سکول کے مطابق جب تک ہندوستان میں برطانیہ اور امریکہ کی طرز پر زندگی بسر نہ کی جائے ہم خوشحال نہیں کہلا سکتے۔ سنہ ۱۹۴۸ء میں برطانیہ کی قومی آمدنی ۹۰۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ تھی۔ اس میں سے ۱۰۰۰۰۰۰۰ پونڈ شرط بدھنے پر صرف ہوئے۔ گھوڑوں کی دوڑ، کشتیوں کی دوڑ، کتوں کی دوڑ اور فٹ بال کے میچ، برطانیہ میں یہ سب سٹے اور جوئے کا موضوع ہیں جنہیں تاجرانہ اداروں نے جو خاص اسی مقصد کے لئے قائم ہوئے ہیں۔ ایک بہت بڑی تجارت کی شکل دے دی ہے۔ ہر سنیچر کو ساڑھے بارہ لاکھ اشخاص فٹ بال لیگ کے میچ دیکھتے ہیں۔ میچ میں حصہ لینے والے کھلاڑی سب کے سب پیشہ ور ہوتے ہیں۔ جنہیں کرائے پر حاصل کیا جاتا ہے۔ وہاں پانچ ہزار سینما گھر ہیں اور ہر ہفتے تین کروڑ اشخاص سینما دیکھتے ہیں۔ برطانوی قوم شراب اور تمباکو پر ایک ارب چالیس کروڑ پونڈ خرچ کرتی ہے۔ یہ خرچ خوراک کے مجموعی خرچ سے جو دو ارب پونڈ ہے، کچھ ہی کم ہے۔ یہی حال امریکہ کا ہے۔ ایل۔ پی جیکس کا کہنا ہے کہ دوسری جنگ سے کہیں پہلے وہاں "کینڈی کا مجموعی خرچ کتابوں کے خرچ کے مقابلے میں ۲۷ گنا تھا۔ فلموں پر مجموعی خرچ کتابوں کے خرچ سے ۲۳ گنا تھا۔ وائرلیس پر ساڑھے بارہ گنا اور ہلکی شرابوں پر گیارہ گنا۔"

"ترقی پسند" کہتے ہیں کہ جب تک یہ سب چیزیں یہاں نہیں ہوں گی ہمارا ملک

انتہا درجے کا محتاج اور قلاش ملک رہے گا۔ یہ احمقانہ ہے۔ آج لوگ قبل از وقت موت کا شکار صرف کم خوری ہی سے نہیں، بلکہ زیادہ کھانے کی وجہ سے بھی ہو جاتے ہیں اور یہ کہنا مشکل ہے کہ زیادہ بُرا کم کھانا ہے یا زیادہ کھانا۔ ذہین لوگوں کو اس مسئلے پر پوری پوری توجہ دینی چاہئے کہ صحت مندانہ معیار زندگی کیا ہے۔ یہ مسئلہ طے کرنا اتنا ہی ضروری ہے، جتنا یہ طے کرنا کہ پیداوار بڑھانے کے لئے صحیح اقتصادی نظام کونسا ہے۔

گاندھی جی کی تحریروں اور تقریروں سے اس مروّجہ خیال کی بھی کہیں تصدیق نہیں ہوتی کہ گاندھی جی مشینری کے خلاف تھے۔ وہ ان مشینوں کے یقیناً خلاف تھے جو انسانی محنت کی جگہ لیں۔ لیکن جو مشینیں انسانی محنت کو مؤثر بنائیں ان کے وہ حامی تھے۔ ذیل میں گاندھی جی کے سکریٹری شری مہادیو ڈیسائی کے ایک مضمون کے کچھ حصے نقل کئے جاتے ہیں۔ جو ۲۲ر جون ۱۹۳۵ء کو "ہریجن" میں شائع ہوا تھا۔

"ایک سوشلسٹ نے جو مشینری کا حامی تھا، گاندھی جی سے دریافت کیا کہ کیا دیہی صنعتوں کی تحریک کا مقصد ہر قسم کی مشینری کو خیرباد کہہ دینا ہے؟

گاندھی جی اس وقت چرخہ چلا رہے تھے انہوں نے جواب میں ایک اور سوال دریافت کیا۔ "کیا یہ چرخہ ایک مشین نہیں؟"

"میری مراد اس مشین سے نہیں، بڑی مشینری سے ہے۔"

"کیا تمہاری مراد سنگر کی سلائی کی مشین سے ہے؟ دیہی صنعتوں کی تحریک میں اس کی بھی حفاظت کر دی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مشینری جو عوام کو محنت کے مواقع سے محروم نہ کرے بلکہ فرد کی مدد کرے کہ وہ اپنی محنت کو زیادہ کارگر بنا سکے، اور جسے وہ اس کا غلام بنے بغیر اپنی مرضی کے مطابق استعمال کر سکے۔ دیہی صنعتوں کی تحریک کے منافی نہیں۔"

"لیکن بڑی بڑی ایجادوں کی کیا پوزیشن ہے؟ آپ بجلی کے روادار تو نہیں

ہوں گے؟"

"یہ کس نے کہا ہے؟ اگر ہر گاؤں کے ہر گھر میں بجلی پہنچ سکے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا کہ دیہاتی اپنے آلات اور اوزار بجلی کی مدد سے چلائیں۔"

بڑی بڑی مشینوں کے متعلق گاندھی جی نے کہا۔ "ایسی بڑی بڑی مشینوں کا استعمال ناگزیر ہے جو عوامی فلاح کے لئے استعمال ہوں۔ اور یہ کام ایسے ہوں کہ انسانی محنت انہیں سرانجام نہ دے سکتی ہو لیکن یہ بڑی بڑی مشینیں سٹیٹ کی ملکیت ہوں گی اور انہیں صرف قوم کے فائدے کے لئے ہی استعمال کیا جاسکے گا۔ مثال کے طور پر چھاپنے کی مشین کو لیجئے۔ یہ قائم رہے گی۔ یا آلات جراحی کو لیجئے۔ انہیں ہاتھوں سے کس طرح بنایا جا سکتا ہے۔ ان کے لئے بڑی بڑی مشینوں کی ضرورت قائم رہے گی۔" عمومی اصول کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے کہا: "میں سائنس کی ہر اس ایجاد کی قدر کروں گا جو سب کے فائدے کے لئے ہو۔" (۹)

ایک اور موقعہ پر بھی گاندھی جی نے اسی قسم کے خیالات ظاہر کئے تھے۔ ایک امریکی نامہ نگار نے ان سے پوچھا تھا۔ "بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ ہر قسم کی مشینری کے خلاف ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے۔"

"یہ خیال واقعی غلط ہے۔" گاندھی جی نے جواب دیا۔ "چرخہ بھی مشینری ہے یہ آرٹ کا بہت خوبصورت نمونہ ہے۔ یہ مشینری کے عالمگیر استعمال کا مظہر ہے۔ یہ ایک ایسی مشینری ہے جس کا مفہوم عوام سمجھتے ہیں۔"

"تو آپ مشینری کے صرف اس لئے مخالف ہیں کہ وہ پیداوار اور تقسیم کو چند ہاتھوں میں مرتکز کر دیتی ہے۔" امریکی نے اپنی بات کو مختصر کرتے ہوئے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میں مراعات اور اجارہ داری سے نفرت کرتا ہوں۔ ایسی ہر چیز سے مجھے گھن آتی ہے جس میں عوام شریک نہ ہوسکیں۔ بات صرف اتنی ہی ہے۔" گاندھی جی

نے جواب دیا۔ (۱۰)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس گاندھی ازم کی وضاحت خود گاندھی جی نے کی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ البتہ چند گاندھیوں کے ذہن میں جو گاندھی ازم ہے وہ ایک مختلف چیز ہے۔ برنارڈ شا نے ایک بار کہا تھا کہ ایک وحشی کو عیسائی بنانے کا مطلب عیسائیت کو وحشی پن میں تبدیل کرنا ہے۔ گاندھی جی کا گاندھی ازم بھی اس ابتذال سے نہیں بچ سکتا۔

لامرکزیت

لامرکزیت کے کئی جواز ہیں۔ ایک اہم وجہ پر ہم پہلے ہی بحث کر چکے ہیں۔ مرتکز اور تیز دریچ پیداوار کا طریقہ بہت مہنگا ہے۔ یہ اپنی پیداوار کو خود ہی ہڑپ کر جاتا ہے اور اس سے بہت زیادہ اتلاف ہوتا ہے۔ اس طریق پیداوار کی بنیاد اس پر ہے کہ ہماری حقیقی پونجی بتدریج ختم ہوتی رہے اور محنت اور مادی ذرائع دونوں کے معاملے میں ہی ہماری لاگت بتدریج بڑھتی رہے۔ ہمیں پانی کے لئے نیچی سے نیچی تہ کو کھودنا پڑے گا۔ کوئلے اور لوہے کے لئے گہری سے گہری کانوں تک رسائی حاصل کرنی پڑے گی اور ایندھن اور لکڑی کے لئے دراز تر سفر اختیار کرنے پڑیں گے۔ ان سب باتوں کا بھی نتیجہ یہی نکلے گا کہ ہماری ضرورتیں بڑھتی جائیں اور ہمارے قدرتی ذرائع میں اسی رفتار سے کمی ہوتی جائے۔ ماہرین اقتصادیات کے اعداد و شمار کے نقشے قومی دولت میں اضافہ کرتے رہیں گے۔ لوگوں کو کام بھی زیادہ ملے گا اور شاید کچھ وقت کے لئے کوئلے اور لوہے کی فراوانی بھی ظاہر ہو جائے لیکن عام استعمال کی چیزوں میں کمی ہوتی رہے گی۔

یورپ میں اسی قسم کا عمل شروع بھی ہو گیا ہے۔ ایچ۔ جی ویلز اور برٹرنڈ رسل جیسے مفکروں کا خیال تھا کہ صنعتیت کا نتیجہ آرام اور آسائش میں اضافہ ہوگا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ جہاں تک عام مردوں اور عورتوں کا تعلق ہے انکے اوقات کار میں اضافہ ہو گیا

ہے۔ مثال کے طور پر برطانیہ میں لوگ آٹھ بجے صبح سے شام کے چھ سات بجے تک مصروف رہتے ہیں۔ اس میں کام پر جانے کی تیاری، کام کرنا اور گھر واپس آنا سب شامل ہے۔ دوسری طرف سماجی سائنسوں کے انسائیکلوپیڈیا کے ایک مضمون "فراغت" سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی چند ہی دن کی بات ہے جب عام لوگوں کو سال میں ۱۱۵ دن فراغت کے مل جاتے تھے۔

گاندھی جی صرف نفسیاتی اور روحانی وجوہ سے ہی نہیں بلکہ اقتصادی وجوہ سے بھی لامرکزیت کے حامی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ مرتکز اجتماعی پیداوار کا نتیجہ بیکاری اور غیر مساوی تقسیم ہوتا ہے۔ "ہریجن" میں ان کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا "اجتماعی پیداوار اور عوام کے ذریعے پیداوار"۔ گاندھی جی نے لکھا تھا۔ "میں خوب سمجھتا ہوں کہ تمہاری اجتماعی پیداوار ایک ایسی ٹیکنیکل اصطلاح ہے جس سے مراد ایک ایسا نظام پیداوار ہے جس میں انتہائی پیچیدہ مشینری استعمال کی جائے، اور کم سے کم لوگوں سے کام لیا جائے۔ میں خود سے کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے۔ میری مشینری ابتدائی قسم کی ہونی چاہیئے جسے میں کروڑوں لوگوں کے گھروں میں رکھ سکوں۔ میرے نظام میں چلتا سکہ دھات نہیں بلکہ محنت ہے۔ جو شخص بھی محنت سے کام لے سکے اس کے پاس یہ سکہ اور یہ دولت موجود ہے۔ وہ اپنی محنت کو کپڑے میں بدل سکتا ہے اور اناج میں بدل سکتا ہے۔"

گاندھی جی اجتماعی پیداوار کے اس لئے خلاف ہیں کہ "پیداوار کو مرتکز کرنے کا آخری نتیجہ بیکاری ہوگا۔" اور اس لئے بھی کہ اگر اجتماعی پیداوار کے ساتھ ساتھ وسیع پیمانے پر پیداوار کی تقسیم نہ ہو تو اس کا نتیجہ بہت بڑی ٹریجڈی ہوگی اور یہ ٹریجڈی عالمگیر ہوگی۔ جدید ماہر اقتصادیات کہتا ہے کہ آؤ ہم غیر مساوی یونٹوں میں غیر مساوی طور پر پیدا کریں اور اس غیر مساوی پیداوار کی اصلاح قومی ملکیت کے قوانین، ٹیکسوں کی مختلف اسکیموں اور مالی امداد سے کریں۔ لیکن گاندھی جی کا وشواس ہے کہ برائی کی جڑ خود نظام

میں موجود ہے" تقسیم تبھی مساوی ہو سکتی ہے اگر پیداوار کو مقامی بنایا جائے۔ دوسرے لفظوں میں جب تقسیم اور پیداوار کا عمل بہ یک وقت جاری رہے" (۱۱)

ہندوستانی زراعت کے متعلق ہمارا تصور

ہم بھرپور زراعت کے قائل ہیں۔ یہ زراعت آزاد کسانوں کو قدرتی کھادوں کی مدد سے کرنی چاہیے۔ اور ہل چلانے کا کام بیلوں سے لیا جانا چاہیئے۔

اس قسم کی زراعت میں گائے کا درجہ بہت ممتاز ہے۔ صرف اس لئے نہیں کہ وہ ملک کی خوراک میں اضافہ کرتی ہے۔ بلکہ اس لئے بھی کہ وہ زمین کے لئے کھاد مہیا کرتی ہے۔ اور اس کے بچھڑے کو ٹرانسپورٹ اور ہل چلانے کے لئے ارزاں محنت مہیا کرتے ہیں۔ مزید برآں مویشیوں کو زراعت سے الگ کرنا ممکن بھی نہیں۔ یہ صرف اس صورت میں کیا جا سکتا ہے کہ زمین کی زرخیزی کو نقصان پہنچانا مقصود ہو۔

اس قسم کے زرعی نظام کے ساتھ ساتھ گھریلو صنعتوں کو فروغ دینا چاہیئے۔ جو مقامی ضرورتوں کو پورا کریں اور کسانوں کو یہ موقعہ دیں کہ وہ اپنے فالتو وقت کا منفعت بخش طریقے سے استعمال کر سکیں اور مقامی ذرائع سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکیں۔

اس قسم کے آزاد کسان مختلف قسم کی کوآپریٹو سرگرمیوں میں بھی حصّہ لے سکتے ہیں مثلاً بیلوں کی خرید و فروخت، کم شرح سود پر قرض، انشورنس اور تعلیم۔

یہ اقتصادی نظام مشینوں اور بجلی کا مخالف نہیں لیکن یہ ایسی مشینوں اور بجلی کے ایسے استعمال کو ترجیح دے گا جو انسانی محنت کو بے دخل کرنے کی بجائے اسے زیادہ مؤثر بنائے۔

اس قسم کا اقتصادی نظام قائم کرنے میں دوست ملکوں کی مدد کا خیر مقدم کرنا چاہیئے۔ لیکن اس امر کی ضمانت ضروری ہے کہ یہ امداد ہندوستان کی اقتصادی ضرورتوں

کے مطابق ہو۔ ہم روایتی سرمایہ دارانہ راستے پر چل کر ترقی کے میدان میں قابلِ ذکر حد تک آگے نہیں بڑھ سکتے۔

اس سرمایہ دارانہ نظام کا حقیقی بدل کمیونزم نہیں بلکہ غیر مرتکز اقتصادی نظام ہے جس میں پیداوار کی سطح ماضی کے مقابلے میں بلند تر ہو۔ ہمیں دستکاریوں کی سطح سے اوپر اُٹھ کر ایک ایسے لامرکزی طریق پیداوار کو اپنانا چاہیئے جس میں مشینوں اور بجلی کے مناسب استعمال کی بھی گنجائش ہو۔ کمیونزم جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، صرف سامراجی نظام کو تقویت دینے اور اس کے عمل کو تیز تر کرنے کا نام ہے۔

جس اقتصادی نظام کا نقشہ ہم نے پیش کیا ہے وہ ہماری پیداوار کو معقول اور معتدل بنا دے گا۔ اس نظام میں لوگ چھوٹے چھوٹے یونٹوں میں اپنے استعمال کی چیزیں تیار کریں گے اور حسب ضرورت بہتر ٹیکنک ایجاد کرنے سے ان کی قوت محنت زیادہ کارگر اور مؤثر ہو جائے گی۔ اس نظام میں مال کی فروخت کے لئے مارکیٹ ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ کیونکہ سامان دور دراز کی مارکیٹوں کے لئے نہیں بلکہ ہمارے اور ہمارے پڑوسیوں کے لئے تیار کیا جائے گا۔ اس کے بعد ہمارے لئے جنگلوں کو کاٹنا اور کوئلے کو نکالنا اور ان دونوں کو ایسی چیزیں تیار کرنے یا درآمد کرنے پر ضائع کر دینا ضروری نہیں ہوگا جو جنگل کاٹنے اور کان کنی کے لئے ہی مفید ہو سکیں یہ شیطانی چکر از خود ختم ہو جائے گا۔

یہ نظام اشیائے ضروریہ کے استعمال کو بھی معقول بنا دے گا۔ ایک لامرکزی اقتصادی نظام قائم کر کے اور اس مقصد کے لئے جس قسم کی مشینیں یا برقی قوت درکار ہو، اس کا انتظام کر کے ہم موجودہ زمانے سے کہیں کم لاگت پر بہتر اور زیادہ فتحمندانہ معیار زندگی قائم کر سکتے ہیں۔ (بشرطیکہ لاگت کا اندازہ انسانی محنت، صحت اور مادی ذرائع کے حساب سے لگایا جائے)، ہم زیادہ خوش اور زیادہ

صحت مند اس لئے ہوں گے کہ جو چیزیں ہم استعمال کریں گے ان کا ہمارے جسم اور ذہن کے تقاضوں کے ساتھ تعلق ہو گا۔ ہم جو کچھ پیدا کریں گے وہ ہمارے طرز زندگی کے مطابق ہو گا اس کے برعکس نہیں۔

صرف یہی اقتصادی نظام ہمیں صنعتیت کے ان بے ڈھنگے عواقب سے بچا سکتا ہے۔ جن کی بدولت انسانوں کو اُن ڈھیروں میں جمع کر دیا جاتا ہے جنہیں موجودہ اصطلاح میں شہروں کا نام دیا جاتا ہے۔ صرف اسی اقتصادی نظام کی بنیادوں پر ہمارے سماج کے غیر مرتکز ڈھانچے اور ایسے اداروں کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے جو آزادی کی واحد ضمانت ہیں۔

یہ طرز زندگی واحد طرز زندگی ہے جو نوع بشر کے دور رس مفاد کو پیش نظر رکھ سکتا ہے اور ہمارے معدنی ذرائع کے اس مجرمانہ اتلاف کا انسداد کر سکتا ہے جو اُب صنعتیت کے نام پر جاری ہے۔ یہ نظام زندگی ہمیں فطرت کے قریب تر کر دے گا اور ہماری حیثیت صرف قدرتی ذرائع کے غارتگروں کی نہیں رہے گی جیسی کہ اب ہے۔

یہ ایک ایسا کام ہے جس کے لئے تمام سیاسی پارٹیوں کی ذہانت، قربانی اور کوشش درکار ہو گی اور یہ کام نسبتاً کم اہمیت کے لوگوں کی تخلیقی اہلیتوں کے لئے بھی مناسب میدان مہیا کر سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس میں اس جوش وخروش قتل اور غارتگری کی گنجائش نہیں جو اسے مارکسی جدلیت کیشوں کے لئے موجب کشش بنا سکے۔

گیارہواں باب

تلخیص اور نتیجۂ بحث

بہت سے کمیونسٹ پارٹی میں ذاتی وجوہ سے شامل ہوتے ہیں۔ یا تو اس لئے کہ ان کی فطرت میں مردانگی کے جوہر کی فراوانی ہوتی ہے اور کوئی نہ کوئی ہنگامہ جاری رکھنا ان کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ یا اس لئے کہ وہ خرابیٔ معدہ کا شکار ہوتے ہیں اور اس بات پر فطرۃً مجبور ہوتے ہیں کہ اپنے لئے تشویش اور بے چینی کے اسباب مہیا کرتے رہیں۔ یہ لوگ کمیونزم کے حامی اس لئے بن جاتے ہیں کہ مروجہ مذہبوں اور نظریوں میں صرف کمیونزم ہی ایک ایسا مذہب اور نظریہ ہے جو شک، جارحیت اور انتہا پسندانہ گروہ پرستی کے لئے وسیع میدان مہیا کر دیتا ہے اور ان کے لئے عقل اور ضمیر کے جواز بھی پیدا کر دیتا ہے۔ اس کی بدولت لوگوں کو کامل یقین، ناگزیریت کا احساس اور مقررہ راستہ مل جاتا ہے۔ یہ لوگ اس لئے کمیونسٹ بن جاتے ہیں کہ اس کی بدولت ان کے خود کو مٹا دینے کے احساس کی تسکین ہوتی ہے۔ انہیں یہ تسلی مل جاتی ہے کہ وہ روایتی پرولتاریہ کی بارگاہ میں اپنی زندگی کو بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہیں یہ اطمینان بھی نصیب ہو جاتا ہے کہ وہ اس مبہم قوت سے ہم آہنگ ہو رہے ہیں جسے تاریخ کا نام دیا جاتا ہے۔

ایک مخصوص ذہن اور ایک مخصوص جذبے کے اظہار کی حیثیت سے کمیونزم ایک مستقل مسئلہ بنا رہے گا اور جب تک اس قسم کے ذہن اور یہ مخصوص جذبہ

برقرار ہیں اور ان کی تطہیر نہیں ہو جاتی، کمیونزم کسی نہ کسی شکل میں ظاہر ہوتا رہے گا۔ اس کی شکلیں مختلف ہوں گی، نام مختلف ہوں گے، نعرے مختلف ہونگے اور دلیلیں بھی مختلف ہوں گی۔ لیکن اس کا مفہوم ایک ہی ہو گا۔ جب تک شک، جارحیت، علیحدگی اور حرص و آز کے جذبے موجود ہیں اور انہیں اخلاقی نقاب پہنانے کی آرزو بھی موجود ہے اس وقت تک کمیونسٹ عقیدہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور ظاہر ہوتا رہے گا۔ اس اعتبار سے کمیونزم کی فیصلہ کن تکذیب ممکن نہیں اسے ان عناصر سے غذا ملتی ہے جو آدمی کی سرشت کی گہرائیوں میں موجود ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ کمیونزم کو بے روک ٹوک آگے بڑھنے دیا جائے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ کمیونزم بار بار ظاہر ہونے والی چیز ہے لہٰذا اس کا مقابلہ کرنے اور اس پر قابو پانے کی ضرورت بھی بار بار پیش آتی رہے گی۔

لیکن کمیونزم ایک اور حیثیت سے بھی کچھ لوگوں کے لئے اہم ہوتا ہے۔ اگر اس پر اس حیثیت سے غور کر لیا جائے تو وہ مفید ہو گا۔ ان لوگوں کے کمیونزم کی بنیاد ان غیر منطقی مفروضوں پر نہیں ہوتی جو انسانی دماغ کے تاریک ترین گوشوں میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ بلکہ ان مفروضوں پر ہوتی ہے جنہیں وہ سوچ سمجھ کر قبول کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کے کمیونزم پر عقلی اور استدلالی انداز میں بحث ہو سکتی ہے۔

جس منطق پر ان کے عقیدے کی بنیاد ہوتی ہے اسے بہتر سے بہتر طریق پر اس طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔

(۱) ہمیں ایسے اقتصادی نظام کی ضرورت ہے جس میں پیداوار بڑھ سکے۔

(۲) پیداوار کو بڑھانے کا طریقہ مشینیت کا فروغ ہے۔ مشینیت کا

جتنا فروغ ہوگا اتنی ہی پیداوار بڑھے گی۔ یہ بات منطقی طور پر ناگزیر ہے۔

(۳) مشینیت کا فروغ صرف بالواسطہ پیداوار اور ارتکاز کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

(۴) اس خوشگوار اور ناگزیر تبدیلی کے راستے میں کچھ مفاد مستقلہ حائل ہیں۔

(۵) لہذا سوچی سمجھی کوشش سے اس عمل کو آسان بنانا چاہیئے جس کے لئے سرمایہ دارانہ مفاد مستقلہ کے خلاف انقلابی تشدد اور انقلابی اخلاق کا استعمال ہونا چاہیئے۔

(۶) کمیونزم صرف مندرجہ بالا مقاصد اور طریقوں کے باقاعدہ اور باضابطہ بیان کا نام ہے۔ یہ ان مقاصد کے بیان کا نام ہے جو انقلاب کے مختلف مرحلوں میں مختلف قسطوں میں تکمیل پائیں گے اور اس کے لئے انقلابی مرحلوں کے مطابق طریقے اور اصول جنگ وضع کئے جائیں گے۔ قصہ کوتاہ۔ کمیونزم ایک ایسے نظریئے اور عمل کا نام ہے جو طے شدہ مقاصد کے حصول کے لئے مناسب طریقے وضع کرتا ہے۔

ان کمیونسٹوں کا دعوٰی ہے کہ مندرجہ بالا تجزیہ منطقی انداز لئے ہوئے ہے اور اسے واقعات کے تاریخ وار سلسلے کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ عام فہم زبان میں اس کا مطلب یہ ہے کہ مختلف مرحلوں کے درمیان ایک لازمی اور ناگزیر تعلق موجود ہے اور اگر ہم ایک مرحلہ عبور کر لیں تو دوسرا مرحلہ لازمی طور پر اور کسی نہ کسی حد تک از خود طے ہو جائے گا۔ مثال کے طور پر وہ کہتے ہیں کہ اضافۂ پیداوار مشینیت اور ارتکاز سے وابستہ ہے اور مشینیت اور ارتکاز کا "انقلابی" تشدد کے ساتھ سلسلہ قائم ہے۔ گویا اگر انقلابی تشدد کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو مشینیت اور ارتکاز اس کا لازمی نتیجہ ہوں گے اور ان دونوں کے بعد پیداوار از خود

بڑھ جائے گی۔

ہماری رائے میں یہ دعاوی غلط ہیں۔ اس سلسلے کی مختلف کڑیوں کے درمیان کوئی لازمی تعلق موجود نہیں۔ ان کڑیوں کو یکجا کرنے کی وجہ کوئی ناگزیریت نہیں، بلکہ ان کا باہمی تعلق صرف ذہن کی اختراع ہے۔ اس تعلق کی بنیاد ایسے دعووں پر ہے جو بار بار دہرائے جانے کی وجہ سے ایک عادت بن گئے ہیں۔ اس عادت کے طفیل اس سلسلے کی مختلف کڑیاں ناگزیریت سے منسلک نظر آتی ہیں۔ جس دھاگے میں ان مختلف مرحلوں کو پرو دیا گیا ہے وہ مادّی نہیں نفسیاتی ہے۔ اس ربطِ باہم کے جواز میں کوئی ماحولی ثبوت پیش نہیں کئے جا سکتے۔ جو ثبوت پیش کئے جاتے ہیں وہ اتنے متضاد ہوتے ہیں کہ ان سے نہ کچھ ثابت ہوتا ہے اور نہ کسی بات کی تردید ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر تاریخ ایسے طبقوں کا پتہ دیتی ہے جو تشدد کے بغیر حاصل شدہ مراعات سے دستبردار نہیں ہوئے لیکن یہی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ کچھ طبقے اپنی مراعات سے اس تشدد کے بغیر ہی دستبردار ہو گئے جیسے کمیونسٹ انقلابی ضروری قرار دیتے ہیں۔ بعض مرتبہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ایک مخصوص حقوق یافتہ طبقہ کسی بھی ہنگامے کے بغیر سٹیج سے رخصت ہو گیا۔ اس پر فرسودگی کی مہر لگ گئی۔

ان متضاد شہادتوں سے جو تاریخ مہیا کرتی ہے کسی بھی ناگزیر اور یک رنگ سلسلے کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہر قسم کے متضاد حقائق کے باوجود آدمی میں یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ چیزوں کی حقیقت کو جو متعدد پیچیدگیوں کی حامل ہوتی ہے اور اس کے بے شمار پہلو ہوتے ہیں ایک دو مفروضوں کے سانچے میں ڈھال دے۔ اور باقی تمام اصول انہی مفروضوں سے اخذ کر لے۔ یہ طریق بڑا ہی سکون بخش ہے۔ اس کے لئے نہ کوئی محنت درکار ہوتی ہے اور نہ سوچ بچار

کی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بعد ایک ایسا ضابطہ ہاتھ لگ جاتا ہے کہ آدمی کے انفرادی، سماجی یا تمدنی وجود کی بنیاد بڑی آسانی کے ساتھ کسی نہ کسی مفروضے کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً احساس کمتری، پدر دشمنی، تشدد، طریق پیداوار یا اس قسم کا کوئی اور نظریہ جو زیادہ مقبول ہو۔

اس تحلیلی اور منضبط اصول کائنات کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ یہ زندگی کی اونچی اور وسیع تر قدروں کو سمجھنے میں تکلیف دہ اور مجرمانہ حد تک ناکام ہے اس میں فراخدلی، وسیع القلبی، خیرات، تحمل، محبت، خوشی، احساس، قوت اور آزادی کے لئے مطلق جگہ نہیں۔ حالانکہ یہ چیزیں اتنی قوی اور پائیدار ضرور ہیں جتنی تنگ نظری، نفرت، لوٹ کھسوٹ، پسپائیت، محرومی، احساس بے مائیگی۔ لیکن مندرجہ بالا اصول کائنات اول الذکر چیزوں کو صرف انحراف، واہمہ، خود ساختہ یقین اور ریاکاری کہہ کر نظر انداز کر دیتا ہے اور چونکہ کسی نہ کسی حد تک ہماری زندگیاں ہمارے افکار کے سانچوں میں ڈھلتی ہیں اس لئے اس قسم کے عقیدے کو اپنا کر افراد اور سوسائیٹیوں میں گھٹیا پن اور پستی آجاتی ہے۔ جس کا نتیجہ ہوتا ہے تشدد، شک، افلاس، بیگانہ روی اور احساس کمتری۔

جب ذرائع مقاصد سے بے نیاز ہو جاتے ہیں

رفتہ رفتہ یہ نفسیاتی سلسلہ بھی کٹ جاتا ہے اور مختلف تصورات جو اپنا محرک آپ ہوتے ہیں اور اپنے ہی اندرونی منطق کے تابع ہوتے ہیں اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔

کمیونسٹوں کے مقاصد اور طریق کار میں یہ نفسیاتی اختلاف کس طرح رونما ہوتا ہے؟

یہ اس طرح رونما ہوتا ہے۔ غالباً شروع شروع میں کمیونسٹ خوشحالی کا تصور لے کر اٹھتا ہے۔ آگے چل کر وہ اس تصور کو ایک مخصوص سماجی اور اقتصادی نظام سے وابستہ کر دیتا ہے۔ جو مرتکز اور بالواسطہ پیداوار کا نظام ہے اور جو آمریت سے ہی عالم وجود میں آئے گا اور آمریت سے ہی اسے برقرار رکھا جا سکے گا۔ رفتہ رفتہ اس اقتصادی نظام کا تصور ان مقاصد کے مقابلے میں زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے جن کے لئے اس کی آرزو کی گئی تھی۔ بالآخر بات یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ جب وہ نظام ناقص اور ضرر رساں بھی ثابت ہو جائے تو بھی ذہن اس سے چمٹا رہتا ہے اور اس طرح اصلی مقاصد کی شکست کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ امر اس عمل کو آسان بنا دیتا ہے کہ تاریخ میں ایسی شہادتیں واقعی موجود ہیں جہاں مخصوص حالات میں مرتکز نظام پیداوار کی بدولت پیداوار میں اضافہ ہو گیا۔ اس سلسلے میں امریکہ کا نام بہ طور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ ایک مرتکز اور بالواسطہ نظام پیداوار (کم سے کم ظاہرا طور پر) زیادہ چیزیں پیدا کرتا ہے، یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ صرف یہی نظام زیادہ اشیائے ضروریہ بہم پہنچا سکتا ہے۔ ان میں سے چند ایک نے جو زیادہ جرأت مند اور منطقی تھے، اسے ایک فلسفے کی شکل دے دی اور یہ باور کر لیا کہ تاریخ اسی منزل کی طرف گامزن ہے اور سفر ارتقا کا نقطۂ تکمیل یہی ہے۔ وسیع پیمانے پر پیداوار کو مقصد قرار دینے کے بعد اس کا تصور اس طرح کیا جاتا ہے کہ برقی قوت اور خام مال کے چند درجن مراکز میں دیو ہیکل فیکٹریاں قائم کر دی جائیں اور انہیں چلانے کے لئے آبادیوں کے تبادلے سے عوام کے بڑے بڑے گروہوں کو ان مراکز میں جمع کر دیا جائے۔ اس عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام افلاس کا شکار ہو کر بے دولت نادار بن جاتے ہیں اور جگہ جگہ گندی بستیاں عالم وجود میں آ جاتی ہیں۔ مرتکز پیداوار کے نظریئے کو اپنانے والے اسے خوشحالی

اور فراوانی کا مترادف سمجھ لیتے ہیں اور اس کے جنگجو حامی بن کر چھوٹے دستکاروں اور چھوٹے تاجروں کی ہڈیوں پر اس کی تعمیر میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ان چھوٹے آدمیوں کا وجود ختم کرنے کے لئے ان نظریہ سازوں نے ایک ٹیکنیک ایجاد کیا ہے جسے مختلف طبقوں کے مفلوج بنانے کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ کام متعدد قسطوں میں بتدریج انجام پائے گا۔

واقعات کا سلسلہ یوں رہا ہے۔ پہلے انہوں نے خوشحال اقتصادی زندگی کو بالواسطہ مرتکز نظام پیداوار کے ہم معنیٰ قرار دیا۔ اس کے بعد انہوں نے وسیع پیمانے پر صنعتیت کا سلسلہ، دہشت پسندانہ اور مبنی بر دروغ طریق کار سے جوڑ دیا اور خانہ جنگی اور طبقاتی فالج کو اپنا ایمان بنا لیا۔ نظریاتی طور پر کمیونسٹ اپنے طریق کار کو حصول مقاصد کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لیکن عملاً وہ طریق کار میں اتنے منہمک ہو جاتے ہیں، کہ مقاصد دور سے دور تک ہوتے جاتے ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ نعروں کے ملبے میں اتنے گہرے دب جاتے ہیں کہ ان کی بحالی کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔ کمیونزم ان مقاصد کا نام ہرگز نہیں جو عام طور پر سوشلزم کے لفظ سے ذہن میں آتے ہیں۔ یہ ایک طریق کار کا نام ہے۔ جسے بر بنائے جہالت ان مقاصد سے خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ کمیونزم کا مقصد انقلاب ہے اور لینن اور سٹالن کے قول کے مطابق "انقلاب کا بنیادی مسئلہ اقتدار کا مسئلہ ہے۔"(۱) کمیونسٹ نظریئے اور عمل کا فرض یہ طے کرنا ہے کہ آبادی کے مختلف طبقے انقلاب لانے کے مختلف مرحلوں میں کیا کیا پارٹ ادا کر سکتے ہیں اور کمیونسٹ پارٹی کی رہنمائی میں جو ڈکٹیٹر شپ قائم ہو گی اس میں وہ کہاں تک مفید ہو سکتے ہیں۔

یہ سچ ہے کہ اقتدار اور ڈکٹیٹر شپ کے ماسوا کمیونزم کا اور کوئی [illegible] مقصد نہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کمیونسٹ حصول اقتدار کے مقصد کی تکمیل کے لئے اچھے مقاصد کے نام پر اپیل نہیں کرتے۔ کمیونسٹوں کے سیاسی [illegible]

بھائی چارے اور خوشحالی کے نعرے لگانا بھی شامل ہے۔ نظریاتی طور پر وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ ذاتی اقتدار کے حصول کا مقصد لاشخصی مقاصد کی تکمیل ہے۔ لیکن عملاً یہ ہوتا ہے کہ وہ لاشخصی تصورات کو شخصی اقتدار کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

روسی تجربہ

مندرجہ بالا حقائق کا بہترین ثبوت خود روس کی مثال ہے۔ یہاں بولشویک پارٹی نے کسی نہ کسی مرحلے پر ہر طبقے اور ہر سیاسی پارٹی سے اتحاد کیا اور ہر ایک کی مخالفت کی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک بولشویک پارٹی نے ان تمام طبقوں اور پارٹیوں کو ایک دوسرے سے لڑا کر ختم نہیں کر دیا۔ لینن نے اپنی کتاب "لیفٹ ونگ کمیونزم — ایک بچگانہ بدنظمی" میں یہ شیخی بگھاری ہے کہ کسی نہ کسی مرحلے پر اس نے بورژوا لبرل، سوشلسٹ انقلابی، منشویک اور انتہا پسند منشویک سبھی سے فائدہ اٹھایا۔

خوشحالی، وسیع پیمانے پر پیداوار اور اصولِ جنگ۔ روس نے آخری دو پر سرگرمی، بے رحمی اور جوش و خروش کے ساتھ عمل کیا اور ان دونوں کی کامیابی اور اس کامیابی کا منطقی مفہوم اجاگر ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ خوشحالی کا تصور پس پشت جا پڑا۔ کافی حد تک یہ دونوں امور ایک دوسرے سے وابستہ ہوتے ہیں اور انہیں مسئلہ اقتدار کے دو پہلو قرار دیا جا سکتا ہے۔ روسی رہنماؤں نے مرتکز صنعتیت کے لئے تشدد اور اصولِ جنگ کا سہارا لیا اور مرتکز صنعتیت نے مزید تشدد کے دروازے وا کر دیئے۔ ان دونوں امور میں بالقصد مقصد اور اس کا قدرتی نتیجہ عوام کی سیاسی اور اقتصادی غلامی تھا۔ یہ غلامی جزوی بالقصد تھی اور جزواً غیر متوقع۔ جزوی طور پر عوام کو ایک منصوبے کے ماتحت غلام بنایا گیا۔ اور جزواً وہ از خود غلام ہو گئے۔ شہروں کو گندی بستیوں میں تبدیل کر دیا گیا اور دیہات کو قبرستانوں میں۔ یہ سب صنعتیت کے نام پر ہوا اور صنعتیت کو معیار زندگی

کے نام پر مروّج کیا گیا۔

جب تک ان کے پاس اپنی زمین اور اپنے آلات موجود تھے کسانوں پر کنٹرول کرنا مشکل تھا۔ حکومت ایسی مخلوق کی متمنائی تھی جو زیادہ قابلِ اعتماد ہو اور اسے بہ آسانی کنٹرول کیا جا سکے۔ لہٰذا وہ کسانوں کی آزادی کی بنیاد تباہ کرنے میں مصروف ہو گئی۔ کسانوں کی زمین اور ان کے آلات ضبط کر لئے گئے اور روس کے طول و عرض میں ٹریکٹرز اسٹیشن قائم کر دیئے گئے۔ اپنی زمین میں ہل چلانے اور فصل بونے کے لئے کسانوں کو ان ہی اسٹیشنوں پر انحصار رکھنا پڑتا تھا۔ ٹریکٹرز اسٹیشنوں کو مشینیں چند فیکٹریوں کی طرف سے سپلائی کی جاتی تھیں جنہیں حکومت چلا رہی تھی۔ دیہات کی زندگی مکمل طور پر پارٹی کے ڈکٹیٹروں کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس کنٹرول کو مضبوط بنانے کے لئے اور اس کے خلاف بغاوت کے ہر امکان کو ختم کرنے کے لئے متعدد طریقے اختیار کئے گئے۔ تنخواہ دار کمیونسٹوں کو مشترکہ کھیتوں کا چیرمین، مینجر اور سکریٹری بنا دیا گیا اور ان کمیونسٹوں کی نگرانی کے لئے خفیہ پولیس مقرر کر دی گئی۔ یہ دونوں ہی حکومت کے وفادار کارندے تھے۔ کیونکہ انہیں جو مراعات حاصل تھیں وہ بولشویکی نظام میں ہی قائم رہ سکتی تھیں۔

کسانوں پر مکمل کنٹرول کے تسلط کا نتیجہ فوری طور پر ظاہر ہونے لگا۔ اناج اور خام صنعتی مال کی جبری فراہمی میں اضافہ ہونے لگا۔ اب کسان کا پہلا فرض یہ تھا کہ وہ حکومت کے مقررہ حصّے کی ادائیگی کر دے۔ کسان قحط کا شکار ہو جائے یا اس کی فصل کم ہو لیکن حکومت کو خوراک اور خام مال کی ادائیگی میں فرق نہیں پڑ سکتا تھا اور یہ ادائیگی مضحکہ خیز حد تک ارزاں نرخوں پر کرنا پڑتی تھی۔ دوسری طرف یہ بات یقینی ہو گئی کہ شہروں میں تیار ہونے والی مہنگی مشینیں لازمی طور پر فروخت ہوں۔ یہ دو طرفہ عمل تھا۔ کسان شہروں کو کم نرخوں پر خوراک اور خام مال مہیا کرتے تھے اور شہر اشیائے ضروریہ کی قلیل سی مقدار بہت اونچے نرخوں پر انہیں دے دیتے تھے اور اس کے ساتھ ہی کچھ ایسی گراں قدر مشینری

بھی ان کے سر منڈھ دیتے تھے جن کی انہیں مطلق ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ یہ بدترین قسم کی نوآبادیاتی لوٹ کھسوٹ تھی۔ اس میں تبادلے کا شائبہ تک موجود نہیں تھا اور تجارت کا نام تو اسے ہرگز ہرگز نہیں دیا جا سکتا۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ سب چپ چاپ ہو گیا۔ بہت سوں نے بولشویکوں کی دراز دستیوں کی مزاحمت کی لیکن انہیں منظم دہشت کی طاقت سے خاموش کر دیا گیا۔ ہزاروں مردوں اور عورتوں کو گولی مار دی گئی اور لاکھوں فاقہ کشی کا شکار ہو گئے۔ بعض دیہات کی آبادی کی آبادی کو ان کے آبائی گھروں سے جلا وطن کر کے دور دراز مقاموں پر جبری مشقت کے کیمپوں میں بھیج دیا گیا۔ تمام دیہاتی علاقے کو اذیت کی کال کوٹھری میں تبدیل کر دیا گیا۔ ساری فضا مایوسی کی چیخ پکار اور بے بس غصے کی گھٹن سے معمور ہو گئی۔

جب فضا کچھ صاف ہوئی، آنسو خشک ہوئے اور آنکھیں اپنے غیر معمولی ماحول کی عادی ہونے لگیں تو جو منظر سامنے آیا وہ یہ تھا کہ بے بس کسان اپنی نئی تقدیر کا تابع بننے کی کوشش کر رہے ہیں اور نئے آقاؤں کی حکمبرداری اور نئے جابروں کی اطاعت کوشی میں مصروف ہیں۔ ان لوگوں کو ایک ایسے جبر کا سامنا ہوا تھا جس کی مثال کہیں نہیں ملتی تھی۔ وہ اپنے ان عزیز و اقارب کو بھول جانے کی کوشش میں مصروف تھے جنہیں بولشویکوں نے اجتماعیت کی قربان گاہ میں قتل کر دیا تھا۔ بولشویزم کے جابرانہ ماحول نے ان کی اپنی زندگیوں کو مختصر کر دیا تھا۔ آزادی ختم کر دی تھی اور معیار زندگی کو اتنا پست کر دیا تھا جس کی نظیر زار شاہی کے بدترین ایام بھی پیش نہیں کر سکتے تھے۔

آزادی کے مسلسل خاتمے نے، جس کا جواز بڑھتی ہوئی صنعتیت اور اجتماعیت کو بنایا جا رہا تھا، ان لوگوں کے ضمیر میں بھی چبھن پیدا کر دی۔ جو شروع شروع میں آزادی کے خاتمے کا عقلی جواز پیش کیا کرتے تھے۔ لوئی فشر کہتا ہے "مجھے خود اپنے رویے سے بے چینی ہونے لگی، کیا میں لوہے اور بجلی کی مدح سرائی میں مصروف ہو کر زندہ انسانوں کو فراموش نہیں کر رہا تھا

دنیا کے تمام جوتے، اسکول، کتابیں، ٹریکٹر اور بجلی مل کر بھی میرے خواب و خیال کی دنیا میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ اگر ان کو تیار کرنے والا انتظام غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہو" (۳)

کیا کمیونزم کسی جگہ اپنا مفہوم بدل سکتا ہے؟

روسی تجربے سے لرزہ بر اندام ہو کر بہت سے کمیونسٹوں نے روس سے منہ موڑ لیا ہے۔ اور وہ نفرت کے ساتھ پروٹسٹ کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ روس سچے کمیونزم کی نمائندگی نہیں کرتا۔ وہ سٹالن ازم اور کمیونزم کو ایک دوسرے سے مختلف قرار دیتے ہیں اور بڑے وثوق سے کہتے ہیں کہ کمیونزم کے لئے ہر جگہ ایک ہی راستہ اختیار کرنا ضروری نہیں ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ بات ہرگز لازمی نہیں کہ کمیونزم کا ہر جگہ ایک ہی مفہوم ہو۔

ہمیں اس سے اختلاف ہے اگر اس اصطلاح کا کوئی واضح مفہوم ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ آج دنیا میں سٹالن ازم کے ماسوا اور کوئی کمیونزم موجود نہیں۔ یہ سچ ہے کہ کچھ افراد کمیونزم کے متعلق مخصوص خیالات رکھتے ہیں اور ان کا تصور انسانی بھی ہے۔ ذاتی طور پر ہم اس قسم کے لوگوں کو پسند کرتے ہیں لیکن یہ بے سود ہی نہیں بلکہ خطرناک بھی ہے کہ اس کمیونزم کو روس کے منظم اور سرکاری کمیونزم سے خلط ملط کیا جائے جس کا آج آزاد دنیا کو سامنا ہو رہا ہے۔ مارکس کا کمیونزم آج دور کی آواز ہے اور کسی حد تک یہی حال لینن کے کمیونزم کا ہے۔

مارکس کا کمیونزم اس دور پر ایک نکتہ چینی تھا جس میں اس نے زندگی بسر کی اس نکتہ چینی کو مؤثر بنانے کے لئے اس نے اسے نظریئے کی شکل دے دی۔ اس کے تصورات کو منضبط کیا اور اپنے دور کو انسانی تاریخ میں مناسب جگہ پر رکھ کر اسے فلسفے کا لباس پہنا دیا۔ اس نے کہا کہ اس کا دور کسی اور چیز سے پیدا ہوا ہے لہٰذا یہ دور مر کر بھی کسی اور شکل میں جنم لے گا۔ جب اس نے یہ سب باتیں کہیں تو اس کا لہجہ خواہ کتنا ہی سخت ہو لیکن اس کی تہ میں ایک اخلاقی پیچ و تاب کارفرما تھا۔ اس کے دور میں "انسان نے جو سلوک انسان کے ساتھ کیا"

اس نے مارکس کو لرزہ براندام کردیا۔

لینن نے مارکسزم کی وضاحت کی۔ اس نے کہیں اسے مسخ کیا اور کہیں اسے ترقی دی۔ اس نے اپنے آقا کے لفظوں کو اپنا مفہوم پہنا دیا اور اس سے اپنا مفہوم اخذ کر لیا۔ اسکے ساتھ ساتھ اس نے یہ بھی کیا کہ مارکسزم کے اصول جنگ اور چالیں وضع کر دیں۔ یہ چالیں اور یہ اصول جنگ غیر اخلاقی تھے۔ اس کے نزدیک تاریخ کا عمل ناگزیر تھا لہٰذا تاریخ خیر و شر سے ماورا تھی۔ ان خیالات کے پیش نظر اس نے انقلاب کے لئے ایسا طریق کار اور ایسے اصولِ جنگ وضع کئے جن کا تعلق اچھائی یا برائی سے نہیں بلکہ کامیابی یا ناکامی سے تھا۔ اس سے عقیدے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا لیکن لینن کی شخصیت نے اسے پستی کے انتہائی غار میں گرنے سے بچا لیا۔ اس کی شخصیت میں اگرچہ عدم رواداری بہت نمایاں تھی لیکن مجموعی طور پر وہ اپنے خیالوں اور اصولوں سے بلند تر تھا۔

اس کے بعد سٹالن کی باری آئی۔ اس نے لینن کے جنگی مارکسزم کو ایک تنظیم عطا کر دی اور اسے خفیہ پولیس اور سرخ فوج کی شکل میں دو غیر نظریاتی بازو دے دیئے۔ اس کے ساتھ اس نے یہ بھی کیا کہ مارکسزم پر اپنے مسخ شدہ تصورات اور اوسط درجے کی شخصیت کی مہر لگا دی۔ اس طرح کمیونزم ذلیل سے ذلیل تر ہوتا گیا۔ سٹالن اور اس کے حاشیہ برداروں کی گود میں پہنچ کر یہ صرف تاریک جبر اور ظلمت کا مظہر بن گیا۔ شروع شروع میں کمیونزم کی قوت کا انحصار خیالات اور کسی حد تک اخلاقی جذبے پر تھا۔ بعد میں خیالات اور آدرشوں کی حیثیت ثانوی ہو گئی اور کمیونزم چالوں کے زور پر چلنے لگا۔ اب چالیں بھی بدل گئی ہیں اور ان کی جگہ قوت کے ننگے مظاہرے نے لے لی ہے۔ اب کمیونزم خفیہ پولیس اور سرخ فوج کے زور پر چل رہا ہے۔

آج کمیونزم ایک ایسا عجوبہ ہے جو ذہن سے محروم ہے۔ یہ ایک ایسا درندہ ہے جس کا نہ دل ہے نہ دماغ۔ اس کے لاتعداد ہاتھ ہیں اور یہ بڑا ہی برق رفتار ہے۔ جہاں

کہیں یہ جاتا ہے شمشیر بکف جاتا ہے اور ہر طرف آگ بکھیرتا ہوا۔ یہ روس کی دیو صفت صنعتِ اسلحہ کی قوت کے سہارے چلتا ہے اور روس کی خفیہ پولیس اس کی آنکھیں اور کان ہیں۔ اس نے اپنے پنجے دنیا کے دور دراز کونوں تک پھیلا رکھے ہیں اور یہ ہر اُس شخص پر جھپٹنے کے لیے تیار رہے جو اس کی راہ میں حائل ہو۔ یہ عظیم الجثہ اور متحرک دیو سفلی جذبات اور تخریب کاری سے پرورش پاتا ہے اور آندھی اور طوفان کی طرح بلند آہنگ بھی ہے۔ پروپیگنڈے، نعرے بازی اور سیاسی خود اشتہاری میں اسے کمال حاصل ہے۔ ایک مقررہ وقت پر کمیونزم اپنے چہرے کے صرف ایک حصے کو بے نقاب کرتا ہے اور باقی چہرے کو چھپائے رکھتا ہے۔ یہ بلند بانگ نعرے لگاتا ہے، جھوٹے وعدے اور معاہدے کرتا ہے، لیکن ایسا کرتے وقت وہ اپنے حقیقی خدوخال اور حقیقی ارادوں کو چھپائے رکھتا ہے۔ اسے اپنے جھوٹ، ریاکاری، جلب اقتدار اور عوام دشمنی کی پردہ پوشی میں کمال حاصل ہے۔ ایک وقت ایسا ضرور تھا جب اپنی تمام کرختگیوں کے باوجود کمیونزم مکمل طور پر منضبط اور طے شدہ نہیں تھا لیکن اب روس میں اس پر تیس سال تک عمل ہو چکا ہے، اور اس کا ضابطۂ فکر تمام تکمیلی مراحل طے کر چکا ہے اب اس میں مزید ردّ و بدل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب یہ بات ناممکن ہو گئی ہے کہ کمیونزم کسی جگہ نئی شکل یا نیا انداز اختیار کر سکے۔ آج کمیونسٹ طریق کار کافی حد تک سہل اور سادہ ہے۔ سٹیٹ کا تختہ الٹنے کیلئے خفیہ یا علانیہ تنظیم، شہری بورژوا کی مدد سے سٹیٹ پر قبضہ، کسانوں کی مدد سے خفیہ بورژوا کا خاتمہ، غریب کسانوں کی مدد سے خوشحال کسانوں کا خاتمہ، فوج اور پرولتاریہ کی مدد سے غریب کسانوں کا خاتمہ، پارٹی کی مدد سے پرولتاریہ کو آہنی ڈسپلن میں جکڑنا، نئے کمیونسٹوں کی مدد سے پرانے کمیونسٹوں کو موت کے گھاٹ اتارنا اور خفیہ پولیس کی مدد سے نئے کمیونسٹوں کو مطیع کرنا، یہ طریقے بالترتیب بھی استعمال ہوتے ہیں اور بیک وقت بھی۔ ایک طبقے کے بعد دوسرے طبقے اور ایک پارٹی کے بعد دوسری پارٹی کو فنا

کرنے کے طریقے کا مقصد یہ ہے کہ سیاسی، اقتصادی اور نظریاتی اقتدار پارٹی کے صرف چند لیڈروں کے ہاتھوں میں پہنچ جائے۔ کمیونسٹ پارٹی کسی محاذ پر جو بھی کارروائی کرتی ہے اس کا مقصد یہی ہوتا ہے۔

کمیونزم جہاں بھی جائے گا اس کا انداز لازمی طور پر یہی ہوگا۔ اس راستے سے کوئی بھی انحراف ممکن نہیں۔ اس کے برعکس سوچنے یا کوئی قدم اٹھانے کو رجعت پسندی یا انحراف کا نام دیا جاتا ہے جس کا لازمی نتیجہ خاتمۂ وجود ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ بیسویں صدی کے ابتدائی یا درمیانی دور کے کسی بھی ملک کے کمیونسٹ لیڈر اب اس عالم فانی میں موجود نہیں۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۷ء تک جتنے بھی کمیونسٹ پولٹ بیورو کے ممبر رہے وہ پُراسرار طریقے پر غائب ہو گئے۔ پُراسرار طریقے سے مراد بالعموم قتل ہوتی تھی۔ یہ حشر تمام ملکوں کے کمیونسٹوں کا ہوا۔ روس میں ۱۳ یا ۱۴ لوگوں کو پولٹ بیورو کا ممبر بننے کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں سے صرف سٹالن بچ سکا۔ لینن اور دو ایک اور ممتاز کمیونسٹوں کو چھوڑ کر جن میں سے لینن قدرتی موت مرا اور باقی مشتبہ حالات میں لقمۂ اجل بنے، دوسرے تمام کمیونسٹ لیڈر ۱۹۴۰ء تک حکومت کی مدد سے ہلاک کیے گئے۔ ۱۹۳۴ء میں مرکزی کمیٹی کے ممبروں کی تعداد ۱۷ تھی ان میں سے ۱۹۳۸ء تک صرف ۲۱ بچے، ۳۶ لاپتہ ہو گئے، ۹ کو سرکاری طور پر گولی مار دی گئی، ایک قتل ہوا اور ایک نے خودکشی کر لی۔ (۴)

یہی کچھ جرمنی میں ہوا، جو دوسرا اہم کمیونسٹ ملک تھا وہاں بھی پرانے کمیونسٹوں کو ان ہی طریقوں سے ٹھکانے لگایا گیا۔ ان میں سے چند ایک کو نازیوں نے "گرفتار" کر لیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روس کے خفیہ ایجنٹوں نے جو نازی خفیہ پولیس سے مل کر کام کر رہے تھے انہیں نازیوں کے حوالے کر دیا اور کچھ روسی گورنمنٹ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ہنز نیومین اور ہرمان ریملے جو مشرقی جرمنی کی مرکزی کمیٹی کے ممبر تھے روس میں ہی قتل کیے گئے۔

برلن کی کمیونسٹ تنظیم کے سکریٹری ہینس پفیفر کو سنہ ۱۹۳۳ء کے بعد ناروے اور سویڈن بھیجا گیا اور سنہ ۱۹۳۶ء میں اسے روس میں ماسکو مقدمات کے دوران گولی ماردی گئی۔ کلاراز ٹیکسن اور فرٹز ہیکرٹ بھی ماسکو میں لقمۂ اجل ہوئے۔ نیو باؤر سنہ ۱۹۳۳ء سے سنہ ۱۹۳۹ء تک روس کے نظربندی کے کیمپوں میں رہا اور وہیں اس کی موت واقع ہوئی۔ ارنسٹ وول ویبر جو جرمنی میں سوویٹ فوجی خفیہ پولیس کا سٹاف ممبر تھا ماسکو میں خفیہ پولیس کے ہاتھوں ہلاک ہوا۔ کمیونسٹ روزنامے چیمبرز کے ایڈیٹر سوسکنڈ کو سنہ ۱۹۳۶ء میں گولی ماردی گئی۔ ہینسرچ بریڈلر کو سنہ ۱۹۳۹ء میں پارٹی بدر کردیا گیا۔ ہیوگوار باہنس، ورنر سکولم اور وہیم سچان کو سٹالن کی مخالفت کرنے کے الزام میں سنہ ۱۹۲۶ء میں پارٹی سے خارج کیا گیا۔ ولی منز نبرگ کو سنہ ۱۹۴۰ء میں جب وہ نازی کیمپ سے بھاگنے کی کوشش کررہا تھا سٹالن کے حامیوں نے فرانس میں پھانسی دے دی۔ مارکس ہوئلز مئی سنہ ۱۹۳۳ء کو روسی خفیہ پولیس کے ہاتھوں مارا گیا (۵) اس فہرست کو لامحدود طور پہ وسعت دی جاسکتی ہے۔

کمیونزم کو بڑی سُرعت سے شکست ہو رہی ہے اور اس کے پاؤں تلے سے زمین کھسک رہی ہے۔ یہ احساس روز بروز بڑھ رہا ہے کہ اس کا بنیادی تصوّر مسخ شدہ ہے اس کے دعاوی بے بنیاد ہیں، اعمال قابل نفرت ہیں اور اس کے سائنٹیفک نظریئے صرف دعویٰ بے دلیل ہیں۔ یہ صرف ہمارے مسائل کو حل کرنے میں ناکام ہی نہیں رہتا۔ بلکہ اُلٹا اُن میں اضافہ کر دیتا ہے اور انہیں پیچیدہ بنا دیتا ہے۔ انسان کی شخصیت اور اس کے وقار کی یہ مکمل ترین ضد ہے اور جھوٹے نعروں اور مصنوعی لباس کے بغیر ایسے کسی بھی آدمی کے لئے موجب کشش نہیں ہوسکتا، جس میں ذہانت یا اخلاقی حس کی خفیف سے خفیف رمق بھی موجود ہے۔

لیکن جہاں اس کے اخلاقی مفروضے بڑی سُرعت کے ساتھ محروم وقار ہوئے ہیں

وہاں اس کے اقتصادی مفروضوں کے متعلق یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ آخری نوعیت کے مفروضوں کی بنیاد پیداوار اور کھپت کے چند مروجہ خیالات پر ہے جو غیر کمیونسٹ حلقوں میں بھی مروّج ہیں۔ یہ تصورات ہمارے موجودہ انداز فکر کے خصوصی پہلو ہیں ۔ ان دنوں ہمارے سیاسی اضطراب اور سیاسی سرگرمیوں کا محور دو چیزیں ہیں: "معیار زندگی" اور "منصوبہ بندی"۔ اس وقت تمام دنیا میں یہ ہو رہا ہے کہ لوگ خرچ کے متعلق اپنے خیالات امریکی معیار سے اخذ کرتے ہیں اور پیداوار کے متعلق خیالات روس کے طور طریقوں سے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ روسی طریق پیداوار کو اپنا کر امریکی پیمانے پر خرچ کیا جائے۔ اس واقعے سے قطع نظر کہ یہ دونوں تصورات متضاد حقیقتوں اور متضاد امنگوں کا مظہر ہیں، ان دونوں میں گڑبڑ ڈالنے کی کافی صلاحیت موجود ہے، خصوصاً ایشیائی ملکوں میں جہاں آبادی بہت زیادہ ہے، ایشیائی ملکوں کو کچھ مخصوص قسم کے مسائل کا سامنا ہے اور ان کا حل بھی مخصوص ہونا چاہئے۔ یہ خیال کرنا کہ ایشیائی مسائل کو مغرب کے طور طریقوں سے حل کیا جا سکتا ہے غور و فکر کو جواب دینے کے مترادف ہے۔ ہمیں سب سے زیادہ ضرورت صحیح تصورات کی ہے ان تصورات کا تعلق نظام پیداوار سے بھی ہے اور خرچ سے بھی۔

خرچ کی علّتِ غائی

سب سے پہلا مسئلہ صحیح خرچ کا مسئلہ ہے۔ اس کا تعلق خرچ کا ایک ایسا معیار مقرر کرنے سے ہے جو انسان کی جسمانی اور ذہنی ضرورتوں اور فارغ البالی کا کفیل ہو سکے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ انہیں کھانا، کپڑا، جوتے اور مکان آسانی سے میسر آ سکیں، کام بھی مل سکے اور ان کی تفریح کا بھی مناسب انتظام ہو۔ ان تمام چیزوں کا انتظام کبھی مناسب طریق پر نہیں ہو سکا۔

عوام کو یہ سب چیزیں مہیا کرنا بہت بڑا مسئلہ ہے اور اس کے لئے صرف ہماری ہی

نہیں بلکہ ہماری آئندہ نسل کی تخلیقی اہلیتیں بھی درکار ہیں۔ غلط تصورات اور غلط قسم کی تنظیمیں اس مسئلے کو پیچیدہ بنا رہی ہیں۔ آج سیاستدانوں اور ماہرین اقتصادیات کے پیش نظر یہ مسئلہ نہیں کہ خرچ کا ایک صحتمندانہ معیار قائم کیا جائے بلکہ وہ ایک خیالی "معیار زندگی" اور روایتی "قومی آمدنی" کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ان چیزوں سے مراد یہ نہیں کہ اشیائے ضروریہ کو خوشی خوشی پیدا کیا جائے اور انہیں صحتمندانہ طریق پر صرف کیا جائے۔ بلکہ ان سے مراد خدمات اور اشیاء کا تبادلہ رہ گیا ہے۔ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تبادلے کی مقدار میں اضافہ قومی آمدنی میں اضافے کا منتظر ہے۔ مثال کے طور پر لوگ اگر غروب آفتاب کا منظر دیکھ کر لطف اندوز ہوں، خوشی سے ناچیں گائیں اور یہ سب کچھ ایک ایسی فضا میں ہو جو دھوئیں سے تیرہ و تار نہ ہو تو یہ کسی حساب کتاب میں شامل نہ ہوگا لیکن اگر یہی لوگ پیشہ ور مصور، گویئے اور ایکٹر بن جائیں اور صرف آمدنی کے لئے ناچیں اور گائیں تو آمدنی اور پیداوار کے اعداد و شمار میں اضافہ ہو جائیگا اور یہ چیز ماہرین اقتصادیات اور سیاسی شعبدہ بازوں کی آنکھوں میں چمک پیدا کردے گی۔

گذشتہ زمانے میں اور کچھ اقتصادی نظاموں میں اس وقت بھی ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو موجب تسکین تو ہوتی ہیں لیکن نہ ان کا شمار قومی آمدنی میں کیا جاتا ہے اور نہ روپے پیسے کے حساب سے ان کا ناپ تول ہی کیا جاتا ہے لیکن اب کئی اقتصادی نظاموں میں یہ چیزیں اشیائے تبادلہ کی فہرست میں داخل ہو گئی ہیں اور ان سے قومی آمدنی میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اب وہ تسکین کا باعث نہیں رہیں۔ روس میں ایک مزدور کی سوشل آمدنی میں اس قسم کی مدات شامل ہوتی ہیں: سیاسی لیکچروں میں شمولیت اور اخبار پڑھنا۔ یہ چیزیں اس کی آمدنی میں اضافہ کرتی ہیں لیکن ان کی حقیقی قدر و قیمت خرد کے لئے منفی نوعیت کی ہوتی ہے۔

ہندوستان میں ہم میں سے کئی ایک کو اس کا ذاتی تجربہ ہے چند دن ہوئے میں نے ہندوستان ٹائمز کے ایک عام شمارے میں ۱۳ مختلف لیڈروں کی ۱۳ تقریریں دیکھیں تقریریں چھاپتے وقت لیڈروں کی اہمیت کے اعتبار سے ان میں کمی بیشی کی گئی تھی اور ان سب میں انتہائی غیر دلچسپ یکسانیت کے ساتھ عوام کو ایک ہی بات بتائی گئی تھی "اچھے بنو" اس بے کیف روزمرہ سے بچنے کے لئے آدمی شاید کچھ خرچ بھی کر دے لیکن اسے اس کی آمدنی میں شمار کرنا تو واقعی ستم ظریفی ہے۔

اس فرضی اور خیالی پیمائش کے مطابق مہرشی رمن شری اروندھو یا بلیبوٹ جن کے الفاظ اور جن کا وجود ہزاروں لوگوں کے لئے موجب تسکین تھا اقتصادی طور پر ناکارہ اور دوسروں کی آمدنی پر گذر اوقات کرنے والے تصور کئے جائیں گے اور پیشہ ور لیکچرروں، ٹیچروں اور ماہرین تحلیل نفسی کی پوری فوج جو بیماری کا علاج کرنے سے کہیں زیادہ اس میں اضافہ کرتی ہے دولت کی خالق اور قومی آمدنی میں اضافہ کرنے والی کہلائے گی۔ یہ مالی واہمہ تبادلے کو غیر ضروری اہمیت دینے کا نتیجہ ہے لیکن حیرت ہے کہ اس واہمے کو سائنس کا درجہ دے دیا گیا ہے۔

درست نظام پیداوار کے چند اصول

ایک حقیقی اور صحتمندانہ معیار کی حد تک اشیائے ضروریہ کا حصول ممکن العمل ہے اور اس کے لئے ایک ایسا مؤثر نظام پیداوار موجود ہے جو مسائل میں اضافہ کئے بغیر انہیں حل کر سکتا ہے۔

اس کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ ذہن کو اس نظام پیداوار کے سراب سے بچایا جائے۔ جو مغربی ممالک میں رائج ہے اور جس کا جدیدترین نقشہ سوویٹ روس میں موجود ہے۔

پیداوار کے ایک مفید اور اچھے سسٹم کا پہلا اصول یہ ہے کہ اسے انسانی ضروریات سے غیر منقطع نہیں ہونا چاہیئے اور ان کے ساتھ اس کا گہرا سمبندھ ہونا چاہیئے۔ مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اور کمیونسٹ طریق پیداوار دونوں ہی اس شرطِ اوّل کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ یہ دونوں نظام اپنی پیدا کردہ اشیاء کو خود ہی ہڑپ کر جاتے ہیں صنعتیت کا موجودہ نظام ان معنی میں وافر پیداوار کا نظام ضرور ہے کہ یہ بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے۔ لیکن ان چیزوں کا انسانی ضرورتوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور وہ نظام پیداوار کا پیٹ بھرنے ہی کے کام آتی ہیں مثال کے طور پر لندن کے ٹرانسپورٹ سسٹم کی وسعتوں سے مرعوب نہ ہونا ناممکن ہے اور اسے دیکھ کر اس نظام پیداوار کی تعریف بھی کرنا پڑتی ہے جو اسے عالم وجود میں لایا۔ لیکن گہری نظر سے دیکھنے پر پتہ چلتا ہے کہ اس ٹرانسپورٹ سسٹم کا ۸۰ یا ۹۰ فیصدی استعمال اس مقصد کے لئے ہوتا ہے کہ لوگوں کو گھروں سے دفتروں اور کارخانوں تک پہنچایا جائے اور دفتروں اور کارخانوں سے گھروں تک۔ عورتوں کو گھروں سے خرید و فروخت کی مارکیٹ میں پہنچایا جائے اور خرید و فروخت کے بعد واپس گھروں میں۔ دوسرے لفظوں میں ٹرانسپورٹ سسٹم کا کام یہ نہیں کہ وہ لوگوں کی حقیقی ضرورتوں کو پورا کرے۔ بلکہ اس کا مقصد اسی نظام پیداوار کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے جو اسے عالم وجود میں لایا ہے۔

اس نظام کی پیدا کردہ اشیاء اگر انسانی ضرورتوں کی فہرست میں شامل بھی ہوتی ہیں تو ان کا تعلق صرف مقدار سے ہوتا ہے، جہاں تک افادیت کا تعلق ہے ان سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مثال کے طور پر سنہ ۱۹۰۹ء میں ایک امریکی شہری خوراک کی ۳۵۶۰ اکائیاں استعمال کرتا تھا۔ ۳۵ سال کے بعد بھی جب

امریکہ نے صنعتی ترقی کے بہت سے مرحلے طے کر لئے تھے اور ماہرین کے اعداد و شمار کی رو سے صنعتِ خوراک خاص طور پر ترقی کر چکی تھی۔ وہ تقریباً اتنی ہی اکائیاں استعمال کرتا تھا یعنی ۳۴۶۰۔ جہاں تک وٹامنوں کا تعلق ہے خوراک کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ تو پھر صنعتِ خوراک نے کس چیز میں اضافہ کیا۔ چھریاں، کانٹے اور دستمال! معیارِ زندگی! ترقی!

بعض حالتوں میں بالواسطہ نظامِ پیداوار عام استعمال کی چیزوں پر منفی انداز میں بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ نظامِ پیداوار صرف انہی چیزوں کو ہڑپ نہیں کرتا جنہیں یہ اپنے ہی استعمال کے لئے پیدا کرتا ہے۔ بلکہ ان چیزوں کو بھی نگل جاتا ہے جو انسانی ضروریات پوری کرنے کے لئے تیار کی جائیں۔ مثال کے طور پر روس میں "مارکیٹ کی دسترس سے باہر فنڈ" اشیائے ضروریہ کی مجموعی مقدار کے کافی حصے پر مشتمل ہوتا ہے۔ ۱۹۳۱ء میں یہ فنڈ مجموعی پیداوار کا ۴۳٫۶۹ فیصدی حصہ تھا۔ ۱۹۳۲ء میں کھانڈ کے ۴۳ فیصدی حصے سے انسانوں کو محروم کر دیا گیا اور یہ حصہ مختلف قسم کی صنعتوں میں استعمال ہو گیا (۶)

کچھ اور مثالیں بھی ہیں جو اتنی ہی شدید نوعیت کی ہیں۔ ہم ان مشینوں اور "سامانِ پیداوار" سے بحث کر چکے ہیں جو اگرچہ انسانی ضرورت کی چیزیں پیدا نہیں کرتے لیکن کم سے کم وہ دوسری مشینیں اور سامانِ پیداوار ضرور تیار کرتے ہیں لیکن بعض مشینیں ایسی ہیں جو یہ فرض بھی انجام نہیں دیتیں اور قطعاً بیکار ہیں۔ یہ مشینیں موجود اس لئے ہیں کہ حقیقت اور افادیت کے متعلق ہمارے تصورات چنتی ہیں لمسی نہیں۔ کیونکہ کچھ چیزیں ٹھوس شکل میں موجود ہوتی ہیں اس لئے ہم غلطی سے یہ فرض کر لیتے ہیں کہ وہ مفید بھی ہوں گی۔ ہمارا ذہن غیر شعوری طور پر اس استدلال کو اپنا لیتا ہے کہ جو چیز مادی طور پر موجود ہے وہ اقتصادی طور پر

بھی ضرور مفید ہوگی۔

جیساکہ ہم دیکھ چکے ہیں، روس میں ٹریکٹروں کی حیثیت یہی ہے۔ روس کی زراعت میں ان کے استعمال سے لاگت میں اضافہ ہوا ہے اور زمین کی زرخیزی کو نقصان پہنچا ہے۔

ٹریکٹر جب ہندوستان، چین، جاپان، ہند چینی، انڈونیشیا، سیلون اور ملایا جیسے ایشیائی ملکوں میں، جن کی آبادی ضرورت سے زیادہ ہے، استعمال ہوں گے تو وہ صرف اخراجات میں غیر ضروری اضافے کا باعث بنیں گے۔ یہاں زمین محدود ہے اور آبادی لامحدود۔ یہاں زمین کے مقابلے میں کام کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے لہٰذا یہاں ٹریکٹر اس افادیت سے بھی محروم ہیں جو مغرب میں ان کے ساتھ وابستہ کی جاتی ہے، انسانی محنت میں اضافہ اور ایک کسان کو زیادہ زمین میں ہل چلانے کے قابل بنانا۔ روس میں اس وقت تک ٹریکٹروں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا لیکن یہ ممکن ہے کہ وہ آگے چل کر کوئی فائدہ پہنچا سکیں کیونکہ دنیا کی بہت سی دھرتی پر روس نے اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔

اس نظام پیداوار کی مدو قر حیثیت مالی واہمے کی ہے سے نگاہوں سے پوشیدہ رہتی ہے۔ تیار شدہ مال چونکہ قیمت تبادلہ کا حامل ہوتا ہے اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اصل قدر و قیمت کا حامل بھی ہوگا۔ سامانِ پیداوار تیار کر کے ہم یہ سمجھ لیتے ہیں، کہ ہم نے انسانی استعمال کی چیزیں پیدا کر لیں۔ اس نظام پیداوار کے لئے ایک طویل اور مہنگی پیشہ ورانہ ٹریننگ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ٹریننگ دے کر ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے نوجوانوں کو تعلیم دے دی۔ ہمارا نظام پیداوار گندی بستیوں کو عالم وجود میں لاتا ہے، اس کی بدولت ٹھہری ! عالم وجود میں آتی ہیں جن کا ذرائع پیداوار کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ اپنی محنت کی یومیہ فروخت کے سہارے

زندہ رہتی ہیں اور بیکاری، بیماری اور بڑھاپے کا خوف ان پر ہر وقت مسلط رہتا ہے اور پھر جب ہم ان گندی بستیوں کو صاف کرنے اور انشورنس وغیرہ کی اسکیموں سے ان خطروں کے انسداد کے لئے کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو اپنے آپ کو مبارکباد دینے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور ان سوسائیٹیوں کی طرف وحشت اور رحم بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں جہاں گندی بستیوں کی صفائی کا کوئی انتظام نہیں، انشورنس کی کوئی سکیم نہیں اور بیکاری کا کوئی بھتہ نہیں۔ حالانکہ اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہاں نہ گندی بستیاں ہیں نہ بیکاری۔

جن چیزوں کو ایک مخصوص نظام کی لاگتوں میں تصور کیا جانا چاہیئے انہیں ایک مسخ شدہ معیار پیمائش کی بدولت آمدنی اور فائدے میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ کینیز نے جب یہ کہا کہ کسی قوم کی مجموعی آمدنی اس کے مجموعی خرچ کے برابر ہوتی ہے تو اس نے اس صورت حال کا دھندلا سا تصور کر لیا تھا لیکن اس صورت حال پر ماتم کرنے کی بجائے وہ الٹا اس کی تعریف کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کوئی ایسا طریق پیداوار تجویز کرنے کی بجائے جو لاگتوں میں اضافہ کئے بغیر ہماری پیداوار کو بڑھا دے، ہمیں یہ مشورہ دیتا ہے کہ ہم اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے لاگتوں میں مزید اضافہ کریں۔ ہمیں یہ بتانے کی بجائے کہ عام استعمال کی چیزوں میں اضافہ ہونا چاہیئے وہ ہمیں سامان پیداوار بڑھانے کا مشورہ دیتا ہے بلا لاگتوں میں اضافے کے ساتھ آمدنی۔ اس کا فارمولہ یہی ہے۔

اس نظام پیداوار کی بدولت یہ ممکن ہے کہ مشینوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے اور اشیائے ضروریہ، جن میں خوراک بھی شامل ہے، بتدریج کم ہوتی جائیں۔ آل ڈوس ہکسلے نے اپنے تازہ ناول APE AND ESSENCE میں اس نکتے کی بڑے مؤثر انداز میں وضاحت کی ہے "صنعت کی سطح اونچی سے اونچی ہوتی

جاتی ہے اور زمین کی زرخیزی کی سطح پست سے پست تر۔ عظیم اور بہتر، خوشحال اور قوی تر، لیکن اس کے بعد تقریباً یکایک مفلس اور مفلوک تر۔ جی ہاں! بیریل نے یہ سب کچھ بھانپ لیا۔ بھوک سے درآمد شدہ خوراک کی طرف، درآمد شدہ خوراک سے خوشحال آبادی کی طرف اور اس کے بعد بھوک کی طرف سفر مراجعت، جس میں صنعتی پرولتاریہ کی کثیر تعداد مبتلا ہو جاتی ہے۔ ایک ایسی بھوک جس میں شہری آبادی روپے، جدید رسل و رسائل، کاروں، ریڈیو سیٹوں اور دیگر اشیاء کی فراوانی کے باوجود مبتلا ہو جاتی ہے۔ یہ بھوک اجتماعی جنگوں کا باعث بنتی ہے اور یہ اجتماعی جنگیں مزید بھوک کا" (۷)

جس طرح یہ ممکن ہے کہ کاروں، ریڈیو سیٹوں اور سکوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جائے اور خوراک میں کمی (مغرب کے متعدد ملکوں میں ایسا ہوا ہے جو درآمد شدہ خوراک اور خام مال پر زندگی بسر کرنے کے لئے مجبور ہیں) اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ کاروں، ریڈیو سیٹوں اور رہنے کی جگہ میں کمی ہو جائے اور کوئلے، لوہے، ٹینکوں، ٹریکٹروں، دفتروں، فیکٹریوں اور سرمائے میں اضافہ ہوتا جائے۔ یہ دونوں عمل ایک ساتھ جاری رہ سکتے ہیں۔ پیداوار کی سطح بلند تر ہوتی جاتی ہے اور استعمال میں آنے والی چیزوں کی مقدار گھٹتی جاتی ہے اس میں کوئی تضاد یا عدم مطابقت نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک سسٹم ایک مرحلے پر ایک مخصوص معنی میں اضافۂ دولت کا باعث ہو سکتا ہے اور ایک دوسری سطح پر دیگر معنی میں لوٹ کھسوٹ کا موجب۔ ان دونوں باتوں کا اظہار بہ یک وقت ہو سکتا ہے۔ ایک ایسی دنیا میں، جس میں اشیا کے وجود کی کئی سطحیں ہیں یہ واقعہ رونما ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں کوئی تضاد نہ ہو۔ صنعتی اقتصادی نظام میں واقعی یہ ہوتا ہے بعض تیار شدہ چیزیں اقتصادی پیمانے کے مطابق ارزاں ہوتی ہیں لیکن اگر انہیں حیاتیاتی اعتبار سے

پر رکھا جائے تو وہ بہت گراں ہوتی ہیں۔ حیاتیاتی سطح کو اس لئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ انسان کی مستقل بہبود کے ساتھ اس کا گہرا رابطہ ہے۔ اس بہبود کو صرف سکوں کی اصطلاح میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ہم کسی نہ کسی طرح اس غلطی کا شکار ہو گئے ہیں کہ جب تک کسی لاگت کو سکوں کی اصطلاح میں بیان نہ کیا جائے وہ لاگت نہیں ہوتی۔ اور بہبود سے مراد صرف فوری بہبود ہے۔

ہمارے نظام میں مالی تبادلے کو جو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے اس کی وجہ سے یہ لاگتیں نظر سے اوجھل ہو سکتی ہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہماری بہت سی موجودہ اقتصادی سرگرمیوں کو لاگتوں میں ہی شمار کیا جانا چاہیئے۔ یہ اور بات ہے کہ ہم نے آمدنی کے لفظ کو جو پیچ در پیچ معانی پہنا رکھے ہیں ان کی بدولت ان لاگتوں پر آمدنیوں کا ہی شبہہ ہوتا ہے۔

اپنے ذرائع کے اتلاف اور ان کے خاتمے کو روکنے کے لئے ہمیں ایک ایسے نظام پیداوار کو مروّج کرنا چاہیئے جو ہماری قدرتی اور سماجی جمع شدہ پونجی کو ختم نہ کرے اور کم پونجی سے ہی اشیائے ضروریہ کی اتنی ہی مقدار مہیا کر دے جو موجودہ نظام سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ بات ممکن ہے ناممکن نہیں۔

مزید براں ہمارا اقتصادی نظام ایسا ہونا چاہیئے کہ اس کی ہر سال تجدید ہو سکے ہمیں اپنے معاملات کی تنظیم اس طرح کرنی چاہیئے کہ جو کچھ ہم قدرت سے لیں، اُسے لوٹا بھی سکیں۔ اگر ہم اپاہجوں کی طرح قدرت کے عطیوں پر انحصار رکھ کر زندگی بسر کرتے رہے تو دیر و زود ہماری تباہی یقینی ہے۔ ہمیں اس بات کا احساس کرنا چاہیئے کہ ہمارا ماحول صرف اقتصادی ہی نہیں بلکہ حیاتیاتی نوعیت بھی رکھتا ہے۔ ہمیں اس بات کا احساس کرنا چاہیئے کہ پودے اور حیوانات کس طرح مل جل کر زندگی گذارتے ہیں اور کس طرح ان کی زندگی ایک دوسرے کے لئے تقویت کا موجب اور نسل حیات

کا باعث بنتی ہے اور کس طرح ایک مرحلے پر کی گئی مداخلت سارے توازن کو بگاڑ دیتی ہے۔
جس چیز کو "ترقی پذیر" زراعت کا نام دیا جاتا ہے وہ دراصل زراعت ہے ہی نہیں یہ نکاسی صنعت ہے۔ اس کا مقصد دھرتی سے دولت نکال لینا ہے اور اس کا نتیجہ زمین کی زرخیزی کی پامالی، سیم اور جنگلوں کی بربادی کے ماسوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ اس طرح ہم زیادہ دور تک نہیں جا سکتے اور اگر ہم چاہیں تو اس راستے پر ہمیں زیادہ دیر تک چلنے کی ضرورت بھی نہیں ہم صحیح قسم کے نظریات اور صحیح قسم کی منصوبہ بندی سے مناسب اشیائے ضروریہ کی پیداوار نہ صرف قائم رکھ سکتے ہیں بلکہ اسے بڑھا بھی سکتے ہیں۔

اس کے لئے زمین کے ذرائع کا استعمال ضروری ہے۔ اناج اور دوسری اجناس زمین سے اس طرح حاصل کی جائیں کہ جو کچھ ہم لیں اسے کھاد کی شکل میں لوٹا بھی دیں جو انسانوں اور حیوانوں کے فضلے سے تیار ہو۔ اس بنیادی سرگرمی کے ارد گرد زرعی صنعتوں کے نظام کو پھیلایا جائے۔ کسانوں کو تنہا یا گروہوں کی شکل میں اس قابل بنانا چاہئے کہ وہ اپنی پیداوار کو استعمال کی چیزوں میں تبدیل کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے انہیں چھوٹی چھوٹی کارآمد مشینیں مہیا کی جائیں۔ ان کے لئے جو سرمایہ درکار ہو اسے مقامی طور پر ہی اکٹھا کیا جا سکتا ہے۔ ان دیہی صنعتوں کی تقویت کے لئے بھاری صنعتیں قائم کی جا سکتی ہیں۔ اس نظام میں زراعت اور استعمال کے لئے پیداوار بنیادی چیزیں ہیں۔ اور بڑی بڑی مرتکز صنعتوں کی حیثیت ثانوی اور امدادی ہے اس کے برعکس سرمایہ دار اور کمیونسٹ نظاموں میں بڑی بڑی مرتکز صنعتیں بنیادی چیزیں ہیں اور زراعت اور اشیائے ضرورت تیار کرنیوالی صنعتوں کی حیثیت امدادی اور اتفاقی ہے۔

ہندوستان کے لئے راستہ

یہ چیزوں کی پیداوار اور ان کے استعمال کے متعلق یہ بھاری بھرکم خیالات خواہ کتنے ہی غلط کیوں نہ ہوں لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ دبے پاؤں ایشیائی ملکوں میں نفوذ حاصل

کر رہے ہیں۔ پہلے وہ مبہم آدرشوں کی حیثیت سے بار پا رہے تھے، کبھی نظام فکر کی حیثیت سے، اور کبھی سیاسی مذہب کی حیثیت سے۔ اب وہ عوام کے جذبات اور ان کی امنگوں، ماہرین کے تخمینوں اور سیاسی پارٹیوں کے پروگراموں کا حصہ بن گئے ہیں۔ اس اعتبار سے ان کی قوتِ خیر و شر میں بڑا اضافہ ہو گیا ہے۔ یہ خیالات ایشیائی ماحول سے چونکہ کوئی مطابقت نہیں رکھتے لہذا جہاں تک ان ملکوں کا تعلق ہے انہیں بدی کی قوت ہی قرار دینا پڑے گا پہلے ان خیالات کے لئے کوئی معین نام موجود نہیں تھا لیکن اب بالعموم وہ کمیونزم کا نام اختیار کرتے ہیں، اور ان کی پشت پر سیسائٹی کا ایک منظم نظریہ اور طریق کار کا ایک باقاعدہ نظام موجود ہے۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ خود مغرب میں بھی ان خیالات کی قدر و قیمت مشکوک ہے۔ لیکن جہاں تک ایشیائی ملکوں کا تعلق ہے یہاں تو وہ صرف بیکار ہی نہیں خالص شر ہیں۔ ہم ایشیا کے باشندوں کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کیا سامان پیداوار کی تیاری کا نتیجہ اشیائے ضروریہ کی پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ روسی تجربہ بتاتا ہے کہ یہ ضروری نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وہاں اشیائے ضروریہ میں کمی ہوئی تھی۔ بخارن جو بولشویک پارٹی کی تعمیر میں لینن، ٹراٹسکی یا سٹالن کسی سے بھی کم رتبہ نہیں بدنام مقدمات ماسکو میں اپنے اعتراف میں یہ کہنے پر مجبور ہو گیا تھا "نفسیاتی اعتبار سے ہم لوگ جنہوں نے کسی وقت سوشلسٹ صنعت کی تعریف کی تھی اب یہ منظر دیکھ کر اپنے کندھے سکوڑنے لگے کہ ہماری دیو قامت بڑی بڑی صنعتیں ایک بھوکے جن کی طرح ہر چیز کو نگل رہی ہیں، اور عوام الناس کو اشیائے ضروریہ سے محروم کر رہی ہیں پہلے ہمارے رویے میں صرف طنز تھا لیکن بالآخر اس کی تہ میں غصہ بھی کارفرما ہو گیا" (۸)، یہ الفاظ ایک ایسے شخص کی زبان سے نکلے ہیں، جو زندگی بھر خوشحال سماج کے اُس تصور کے لئے مصروف جہاد رہا۔ جو صنعتی نظام سے عالم وجود میں آئے گا۔ لہذا ان کی اہمیت شک و شبہ سے بالا ہے۔ ہم اہلِ مشرق کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہمارے کام اور پیداوار کا مقصد نقد آمدنی ہے یا اشیائے ضروریہ کا حصول۔ ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہم ایسی بڑی بڑی دیو صفت صنعتوں کے لئے کام کریں گے جو اشیائے ضروریہ تک کو نگل جائیں

یا صرف اشیائے ضروریہ کی تیاری کے لئے کام کریں جن کے لئے کچھ بڑی صنعتوں کی ضرورت بھی پیش آسکتی ہے۔

اسی طرح خرچ کے متعلق غلط تصورات رواج پالیے ہیں، یہ درست نہیں، ہم بہت سی اشیائے ضروریہ کی قلت کا شکار ہیں اور چند بنیادی چیزوں سے بھی محروم ہیں۔ مثلاً متوازن خوراک، مناسب گرم کپڑے اور رہائش کے قابل مکان۔ لیکن محرومی کے اس احساس میں مغربی ممالک کے ساتھ موازنے کے غلط تصور سے مزید اضافہ ہوتا ہے۔ مغرب کے باشندوں کو اپنے جسم کو گرم رکھنے کے لئے زیادہ خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اور سردی سے بچنے کے لئے ان کو کپڑے بھی زیادہ درکار ہوتے ہیں۔ مشرق کے باشندے چونکہ مختلف آب و ہوا میں رہتے ہیں اس لئے ان کو اتنی خوراک اور اتنے کپڑوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن نہ معلوم کیوں ہمارے ملک کے باشندوں کو اس کا احساس نہیں ہوتا اور وہ اس بنا پر اپنی مذمت کرنے لگتے ہیں کہ ان کو مغرب کے پیمانے پر خوراک اور کپڑے میسر نہیں۔

کسی نہ کسی وجہ سے اشیائے ضروریہ کی اس مقدار کو جو مغرب میں استعمال کی جاتی ہے۔ پیمانہ مان لیا گیا ہے اور اس کی بنا پر ان لوگوں کی مفلسی یا خوشحالی کا فیصلہ بھی کر دیا جاتا ہے۔ جن کے خیالات اس معاملے میں مختلف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ہم فرنیچر کی بجائے چٹائیاں استعمال کرتے ہیں یا سیمنٹ کی بجائے گارے سے بنے ہوئے مکانوں میں رہتے ہیں تو ہمیں مفلس قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس میں کوئی منطق نہیں۔ اسی غلط موازنے کی بنا پر جاپانیوں کے متعلق یہ خیال کر لیا جاتا ہے کہ مغرب کے مقابلے میں ان کا معیار زندگی پست ہے۔ یہ بات غلط ہے ان کا معیار زندگی پست نہیں مختلف ہے۔ لیگ آف نیشنز کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تھا اور جاپان کے نمائندے نے اس کا خاطر خواہ جواب دیا تھا۔ جاپانی اہل مغرب کی طرح گوشت اور گندم نہیں بلکہ چاول کھاتے ہیں جو اُن کی قومی غذا ہے اور وہ اسے پسند بھی کرتے ہیں۔ جاپانی مغربی طرز کے فرنیچر کی بجائے لکڑی کے تخت، موٹی موٹی چٹائیاں اور گدے پسند کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک کرسیوں کے

مقابلے میں چٹائیاں زیادہ آرام دہ ہیں۔ ٹرانسپورٹ کے لئے وہ بائیسکل استعمال کرتے ہیں تعلیم وہاں عام ہے اور اخبار ہر گھر میں پہنچتے ہیں، وہ ہر روز نہاتے ہیں اور ان کے کپڑے صاف ہوتے ہیں۔ بیشتر گھروں میں خواہ وہ شہر میں ہوں یا دیہات میں، بجلی کا استعمال عام ہوتا ہے۔ کسانوں کے پاس ٹریکٹر نہ سہی لیکن ریڈیو ضرور ہوتے ہیں۔ پھول غریب سے غریب گھر میں بھی موجود ہوتے ہیں۔ ان کا معیار زندگی کم خرچ، کفایت شعارانہ اور فن کارانہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنی زراعتی زمین کی اتنی حفاظت کرتے ہیں جس کا دعویٰ بہت کم ملک کر سکتے ہیں۔

ہم اپنی حالت کو ان وسائل اور ذرائع کی مدد سے ہی بہتر بنا سکتے ہیں جو ہمیں میسر ہیں، غیر ملکی معیار اور حل درآمد کرنے سے کچھ نہیں بنے گا۔ مقامی مقاصد کی تکمیل، مقامی ذرائع سے ہی ہوگی۔ مقامی بیماریوں کا علاج مقامی طریقوں سے ہی ہوگا۔ مقامی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے ہمیں پیداوار بڑھانے کے وہی طریقے اختیار کرنے پڑیں گے جو مقامی حالات کے مطابق ہوں۔ کامیاب اقتصادی منصوبہ بندی کی کنجی یہی ہے۔

طریق، وسائل اور معمول

اس بحث کے بعد کہ کس قسم کا سماج موزوں ہے دوسرا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ یہ سماج قائم کس طرح کیا جائے؟ حالات کی موجودہ شکل کو مناسب نظام کے سانچوں میں کس طرح ڈھالا جائے؟ جہاں تک ممکن ہو سکے ہمارے طریق کار کو پاکیزہ اور غیر متشدد ہونا چاہیئے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ جہاں ہمیں یہ علم ہوتا ہے کہ جو قدم ہم اٹھا رہے ہیں اس کی نوعیت کیا ہے، وہاں منزل کا جو کافی دور ہوتی ہے پوری طرح تصور کر لینا ہمارے لئے ممکن نہیں ہوتا۔ ہم ایک نامعلوم دور کی منزل کے لئے جسے ہم اچھا محسوس کرتے ہیں کوئی ایسا فوری قدم نہیں اٹھا سکتے جو ہمارے نزدیک بدیہی طور پر غلط ہے" میں ایک دور دراز راستے کا طالب نہیں، میرے لئے ایک قدم کافی ہے" دوم یہ کہ بحالات موجودہ دیرپا اور مستحسن تبدیلی لانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ طریقہ مفاہمت

معاملہ فہمی، آزاد تجسس اور آزاد بحث کا طریقہ ہے۔

آئندہ سوال کا تعلق معمول سے ہے۔ تبدیلی لانے والے کو یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہئے کہ جس چیز کو وہ تبدیل کر رہا ہے وہ خود کیا ہے۔ ایک طرف ارتکاز اور مرکزیت کے حامی کمیونسٹ ہیں جو مشرق کے دیہی لامرکزی نظام کو ایک ہاتھ میں لیں گے اور دوسرے ہاتھ سے ایک کاری ضرب لگا کر اسے پاش پاش کر دیں گے اور پھر چشم زدن میں اس برباد شدہ نظام کے ٹکڑوں کو جوڑ کر اسے ایک مرتکز صنعتی نظام کی شکل دے دیں گے دوسری طرف ولفرڈ ویلوک جیسے حامیان لامرکزیت ہیں جنہیں کمیونسٹوں کی ضد سمجھنا چاہئے۔ یہ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی طوفانی حملے سے مغرب کے وسیع پیداوار اور تبادلے پر مبنی صنعتی نظام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور پھر صرف ایک لمحے میں ان منتشر شدہ اجزاء کو لامرکزی نظام میں تبدیل کر دیا جائے۔ یہ دونوں طریقے غلط ہیں اور غیر ضروری بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان دونوں کی بنیاد حقائق وجود کے استرداد اور اس کی تکذیب پر ہے کسی چیز کو بہتر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کی نوعیت کو پیش نظر رکھا جائے۔ کامیابی کا گر یہی ہے کہ کسی چیز کی ترتیب اور نظام کو ملحوظ رکھ کر کاروائی کی جائے۔

اس رویئے میں نہ ماضی کی طرف سفر مراجعت کی مریضانہ خواہش کی گنجائش ہے اور نہ مستقبل کے متعلق غیر ضروری جوش و خروش کی۔ سپینگلر نے ان دونوں کو "آدرش واد کی دو خوفناک اقسام" قرار دیا ہے۔ ایک تاریخ کو پیچھے کی طرف گھمانا چاہتا ہے اور دوسرا تاریخ کو غائیت بخشتا ہے۔ یہ دونوں ہی اس ناگزیر ناکامی سے بے پروا ہوتے ہیں جس کے چکر میں یہ اس ملک کو ڈال دیتے ہیں جس کی تقدیر ان کے ہاتھ میں آ جائے۔ سیاست کا دائرہ ممکنات کی حد تک ہے، ممکنات کی حدوں سے نکل کر ہوائی قلعے بنانا اور اپنی قوت عمل کو ضائع کرنا مزید تباہی کو دعوت دینا ہے۔

کمیونزم، لامرکزی سماج کی ضد

کمیونزم اپنے بنیادی تصور، اپنے عمل اور طریق کار کے اعتبار سے لامرکزی سماج کی ضد ہے۔ اس کا نصب العین ایک ایسے سماج کا قیام ہے جس کی بنیاد مرتکز صنعتیت پر ہو اور اس کے عوام پرولتاری ہوں۔ اس سماج کا قیام دھوکے اور تشدد سے عمل میں آئے گا۔ اور انہی کے زور پر اسے قائم رکھا جائے گا۔ اس کا تاریخ کا تصور یک رنگ ہے اور یہ تصور مغرب کے طبقۂ بورژوا کا عکس ہے۔ کمیونسٹوں کا دعویٰ ہے کہ تمام قابل ذکر اقتصادی نظام خواہ ان کا تعلق انسانی ارتقا کے کسی بھی مرحلے سے ہو، بیسویں صدی کے یورپی نظام کی طرف بڑھ رہے ہیں اور وہی ان کا نکتۂ تکمیل ہے۔ اس مجسم ناگزیریت کو وہ جدلیات کا نام دیتے ہیں اور باقی ہر چیز مثلاً اخلاق، ذہن اور ضمیر کو اس کا غلام بنا دیتے ہیں۔ بیسویں صدی کے اس وحشی صفت دیوتا کی بارگاہ میں ہر جرم، ہر خباثت روا ہے اور غداری، قتل اور غارتگری تک قابل جواز ہیں۔ اس دیوتا کے نام پر سیاسی جنون، دیوانگی اور شیطانی رقص کی اجازت ہے اور اس معاملے میں ضمیر کی سرزنش اور دل و دماغ کی ہلکی سے ہلکی خلش کا بھی امکان نہیں۔ اس احمقانہ قربانی کے جنون سے کسی بھی مسئلے کے حل کا امکان نہیں۔

چند گذارشات

(۱) ہم ہر قسم کی صنعتیت کے خلاف نہیں۔ اس کے برعکس ہمارا خیال یہ ہے کہ انیسویں صدی کی صنعتیت ایک ایسی برائی، ہرگز نہیں تھی جس کا کوئی روشن پہلو نہ ہو۔ اس نے تخلیقی قوتوں کو ایسی مہمیز لگائی، جس کی نظیر نہیں ملتی۔ غلط راستے پر گامزن ہونے کے باوجود اس نے اس بات کا غیر مبہم ثبوت مہیا کر دیا کہ آدمی اگر عزم کرلے تو اپنی ذہانت کی مدد سے بہت کچھ کر سکتا ہے۔ اس نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ صرف لامرکزیت اور زمانہ قبل از صنعتیت کی دستکاریوں سے

کام نہیں چلے گا۔ عوام کے لئے قابل قبول بنانے کے لئے ان کی پیداوار کی قوت میں اضافہ کرنا پڑے گا اور اس کے لئے سائنس اور مشینوں کی مدد لینا ضروری ہے۔ انیسویں صدی کی صنعتیت نے سائنس اور مشینوں کی اہمیت کو ناقابل تردید حد تک ثابت کر دیا ہے۔ بسرو دے کے منصوبے تیار کرنے والوں کے لئے یہ ایک انتباہ ہے، صرف اداروں کے قیام اور تنظیمی منصوبہ بندی سے کام نہیں چلے گا۔ جس جوش و خروش کا مظاہرہ وہ دیہی صنعتوں کو جاری کرنے اور برقرار رکھنے میں کر رہے ہیں اگر اسی جوش و خروش کا مظاہرہ انہیں بہتر بنانے میں نہ کیا گیا تو ان کی سکیمیں بے جان کاغذی سکیمیں بن کر رہ جائیں گی۔

(۲) اسی طرح کمیونزم سے جو سبق مل سکتے ہیں ہم ان کی اہمیت کو بھی نظر انداز کرنا نہیں چاہتے۔ تاریخ کے متعلق کمیونسٹوں کا زاویہ نگاہ کتنا ہی غلط سہی اور ان کے تجویز کردہ حل کتنے ہی خطرناک بلکہ مہلک سہی لیکن کمیونزم نے ایک کام ضرور کیا ہے۔ اس نے انیسویں صدی کی برائیوں کے خلاف عوام کی بے چینی کو زندہ رکھا ہے۔ مزید براں روسی تجربے نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ کن کن باتوں سے ہر قیمت پر پہلو بچانا ضروری ہے۔

(۳) جہاں ہم مرتکز اقتصادی نظام کے مقابلے میں لامرکزی نظام کو انسانوں کی تنظیم کا بہتر انداز سمجھتے ہیں وہاں ہم ان لوگوں سے مکمل طور پر اعلانِ لاتعلقی کرتے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مرتکز اقتصادی نظام ہی ہر ممکن برائی کی جڑ اور اس کا نقطۂ تکمیل ہے۔ ولفرڈ ویلوک جیسے حامیانِ لامرکزیت جوئے، جنگ، بدحالی اور اس قسم کی ہر برائی کی ذمہ داری مرتکز اقتصادی نظام پر ہی ڈالتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے آؤ ہم اپنے نظام کو لامرکزی بنا لیں۔ اس کے بعد امن، خوشی، خود اظہاریت کا آغاز ہو جائے گا اور ایک سے زائد شادیوں کا سلسلہ بھی از خود ختم ہو جائے گا۔ یہ انداز فکر دو غلطیوں کا شکار ہے۔ اوّل یہ کہ اس نے یہ فرض کر لیا کہ موجودہ مرتکز اقتصادی نظام کو جو ان کے نزدیک تمام برائیوں کی جڑ ہے، ختم کرنے کے مقابلے میں اس نظام کے نتائج جنگ، جوئے اور دوسری برائیوں کو ختم کرنا آسان بھی ہے اور فوری طور پر ممکن بھی!

دوسری غلطی یہ ہے کہ یہ لوگ لامرکزی سماج کی حمایت روحانیت کے نام پر کرتے ہیں۔ روحانی زندگی کا یہ تصور بہت ناقص ہے کہ روح کا تمام تر انحصار اس کی مادی شکل پر ہے "جدید مصلحین" کی افتادِ طبع ایسی ہے کہ وہ ہر اس طریقے کو جس کی فوری طور پر وہ حمایت کرتے ہوں روحانی زندگی کے مترادف قرار دے دیتے ہیں اور ہر اس چیز کو جو ان کے مخصوص طریق سے مختلف ہو، غیر روحانی 'مصیبت'، لوٹ کھسوٹ اور جنگ کا نام دے دیتے ہیں۔ اس کے برعکس قدیم ہندوستانی فکر کی رُو سے روح سے مراد ہمارے وجود کا ایک ایسا اصول ہے جو اس مخصوص سماجی، اخلاقی اور جسمانی شکل سے آزاد ہوتا ہے۔ جو روح عارضی طور پر اختیار کرے۔ کم سے کم روح کو قالب پر فوقیت ضرور حاصل ہوتی ہے۔ یوگ یا سادھنا سے اس آزادی اور بالائیت کو تقویت ملتی ہے لیکن کسی نہ کسی حد تک یہ موجود ہر سطح پر ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر مغربی ملکوں میں بڑھتی ہوئی مرکزیت کی بدولت افراد کی زندگیوں پر ڈکٹیٹرانہ کنٹرول اس حد تک ممکن ہو گیا ہے جتنا پہلے کبھی ممکن نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود وہاں اس کنٹرول پر ایسی سیاسی اور سماجی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں جن کی بدولت نظریاتی موشگافیوں کے باوصف لوگوں کو معاشی تحفظ بھی مل گیا ہے اور سیاسی اور شخصی آزادی بھی۔ پھر جو لوگ روحانیت کے نام پر اپیل کرتے ہیں انہیں یہ مناسب نہیں کہ جب بھی کوئی شخص جوا کھیلے یا سینما جائے وہ اخلاقی زوال کے ماتم میں مصروف ہو جائیں۔ اگرچہ بعض سیاسی اور سماجی تنظیمیں دوسری تنظیموں کے مقابلے میں زیادہ اطمینان بخش ہو سکتی ہیں لیکن انسانی خوشحالی اور فرد کی نشو و نما کو میکانکی انداز میں کسی ایک نظام سے وابستہ کرنا غلط ہے۔ رُوح اپنے اظہار کیلئے ایسے ایسے قالب اختیار کرتی ہے جو بظاہر متضاد ہوں اور انہی متضاد قالبوں کو وہ اپنی نشو و نما کیلئے استعمال بھی کرتی ہے۔ لہذا بہتر سماجی اور سیاسی نظاموں کے لئے سرگرم اور صدقدلانہ کوشش کرنے کے باوجود ہمیں مسرت کے اس اصول کو خیرباد نہیں کہنا چاہیئے۔ جو ہمارے

اندر ہمہ وقت موجود ہے۔ مسرت کا یہ اصول جامد نہیں لچکیلا ہے اور مختلف طریقوں سے مسرت، وقار اور باطنی مفہوم کی تلاش اور تخلیق کر سکتا ہے۔ ہمیں ان خادمان خلق سے مکمل طور پر کنارہ کشی کر لینی چاہیئے جو جہنم کی تخلیق اور تصور کے بغیر جنت کے تصور اور اس کی تخلیق کے اہل نہیں۔ ہر ملک کا ماحول عظمت اور معنیٰ کا حامل ہے۔ ایسا سمجھنا تعمیری مقاصد کے لئے سرگرم کوشش کے منافی نہیں۔

(۴) آخر میں ہم ایک اور بات کا اضافہ کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ مناسب سماجی تنظیم اور پالیسی سے بہت سے مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے لیکن بعض مسئلے ایسے بھی ہیں جنہیں کسی بھی سماجی اقدام سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ آل ڈوئس ہکسلے نے ان مسائل کو روح برتر کے ساتھ صحیح تعلق قائم کرنے کا نام دیا ہے۔ ٹی، ایس ایلیٹ کے مطابق یہ مسئلہ "اس نکتے کے تصور کا نام ہے جہاں زمان اور لازمان ملتے ہیں" اس نکتے کا صرف تصور ہی کافی نہیں، بلکہ وہاں تک رسائی بھی ضروری ہے۔ بشری آرونڈھو کے مطابق اس کا تعلق مملکت شعور سے ہے۔ جب تک ہم شعور کی موجودہ سطح سے اوپر نہیں اُٹھتے اس وقت تک ہم اپنے بہت سے سماجی مسائل کا بھی کوئی حل نہیں ڈھونڈ سکتے۔ مثال کے طور پر ایسا کیوں ہے کہ اگرچہ ہم سب صداقت کے خواہاں اور متلاشی ہیں لیکن اس کے مختلف تصوروں کے متعلق ہم آپس میں لڑنے جھگڑنے میں مصروف ہیں۔ ایسا کیوں ہے کہ منزل تک پہنچنے کی کوشش ہمیں منزل سے اور دور لے جاتی ہے۔ روس کا انقلاب ایسے لوگ لائے تھے جو صاحب عقیدہ تھے، جو صدق دلی کے ساتھ مساوات اور خوشحالی کے آدرشوں کے گرویدہ تھے لیکن ان تمام آدرشوں کی روح فوت ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ آمدنیوں کے بڑے سے بڑے فرق اور عوام کے انتہائی افلاس کے ساتھ بھی ان آدرشوں نے سمجھوتہ کر لیا ایسا کیوں ہوا؟ وہ کونسا عارضہ ہے جو ہمارے عزیز ترین آدرشوں کو لاحق ہو جاتا ہے اور ان کی ہڈیاں تک چاٹ جاتا ہے؟ عین لمحۂ کامرانی میں شکست ہماری تقدیر کیوں بن جاتی ہے۔ ہم جنگ جیتتے ہیں لیکن یہی ہماری شکست ہوتی ہے۔ ہمارے پانچسالہ منصوبے کامیاب ہو جاتے ہیں

لیکن افلاس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ یہ سب کیوں ہے؟ ان باتوں کا جواب یہ ہے کہ جب تک ہم شعور کی موجودہ حدوں سے باہر نہیں نکل جاتے اور ہمارا ذہن بہتر شعور اور زیادہ قوتِ ارادی کا اہل نہیں بن جاتا اس وقت تک اختلاف، تضاد اور جدلیاتی حرکتیں رونما ہوتی رہیں گی۔

لیکن موجودہ محدودیتوں کے اندر بھی بہتر معاملہ فہمی، مروت اور اشیاء کے ربط باہم کے بہتر تصور کا امکان موجود ہے۔ کچھ ٹیکنیکل نوعیت کے مسئلے بھی ہیں۔ مثلاً دنیا کی آبادی کے لئے روٹی اور کپڑے کا انتظام کرنا۔ انہیں کامیابی سے حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ ہم تعصبات، نظریاتی وابستگیوں اور شدید سیاسی اقدامات سے دامن بچا کر انہیں حل کرنے کی کوشش کریں۔ مصنوعی طریقوں سے خیالی دنیا کی تخلیق سے دستبردار ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بہتر دنیا کے تصور اور اس کی آرزو سے دستبردار ہو جائیں۔ ہر چند کہ یہ بات بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے عقیدے کو مبتذل ہو کر اندھ وشواس بننے سے روکنے کے لئے اس پر ہمہ وقت نظر ثانی کے لئے آمادہ رہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم عقیدے سے ہی دستبردار ہو جائیں۔ اگر ہم فوری طور پر انتہائی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتے تو اس کی بنا پر یہ سمجھنے کی ہرگز ضرورت نہیں کہ پستی میں رینگنا ہماری مستقل تقدیر ہے۔ ہمیں اپنی نگاہوں کو بلند رکھتے ہوئے آگے کی طرف دیکھنا چاہئے اور یہ دعا کرنی چاہئے کہ ہمارے قدم ہماری نگاہوں کا ساتھ دے سکیں۔

حوالے

(یہ کتابیں سب کی سب انگریزی میں ہیں)

باب اوّل

۱- سٹالن۔ پرابلمز آف لینن ازم

۲-۳ مارکس اینگلز۔ سیلیکٹڈ ورکس۔ جلد اوّل

۴ لینن 〃 جلد ۹

۵ سٹالن۔ پرابلمز آف لینن ازم

۶ لینن۔ سیلیکٹڈ ورکس جلد ۱۰

۷ 〃 〃 〃 ۱۱

۸ سٹالن۔ پرابلمز آف لینن ازم

۹ 〃 〃 〃 〃

۱۰ 〃 〃 〃 〃

۱۱ 〃 〃 〃 〃

۱۲ 〃 〃 〃 〃

۱۳ لینن۔ سیلیکٹڈ ورکس جلد ۹

۱۴ 〃 〃 〃 〃

۱۵ سٹالن۔ پرابلمز آف لینن ازم

۱۶ 〃 〃 〃 〃

۱۷ اے ٹیکسٹ بک آف مارکسسٹ فلاسفی

۱۸ سٹالن۔ پرابلمز آف لینن ازم

١٩ سٹالن - پرابلمز آف لینن ازم

٢٠ " " " "

٢١ " " " "

٢٢-٢٣ " " " "

٢٤ لینن - سیلیکٹڈ ورکس جلد دوم

٢٥ " " "

٢٦ " " "

٢٧ " " "

٢٨ " " جلد اول

٢٩ " " "

٣٠-٣١ " " "

٣٢-٣٣-٣٤ " "

٣٥ " " "

٣٦ " " جلد دوم

٣٧ " " "

٣٨ " " "

٣٩-٤٠-٤١ " " "

٤٢-٤٣ " " "

٤٤ سٹالن - پرابلمز آف لینن ازم

٤٥ " " " "

٤٦ " " " "

۴۷ سٹالن - پرابلمز آف لینن ازم

۴۸ " " " "

۴۹ " " " "

۵۰ " " " "

۵۱ " " " "

۵۲ " " " "

۵۳ لینن - سیلیکٹڈ ورکس - جلد دوئم

۵۴-۵۵ " " " سوئم

۵۶ " " " اوّل

۵۷ سٹالن - پرابلمز آف لینن ازم

دوسرا باب

۱ کارل مارکس - سیلیکٹڈ ورکس جلد اوّل

۲ " " "

۳ نیو ٹائمز نمبر ۲۳ ۱۹۵۰ء کے مضمون سوویٹ ٹریکٹر کی سالگرہ میں حوالہ

۴ کارل مارکس - سیلیکٹڈ ورکس جلد اوّل

۵ Die New Zeit جلد ۳ ۱۹۵۲ء ڈیوڈ مٹرانی کی کتاب مارکس اگینسٹ پیزنٹ میں حوالہ

۶ Leipziger Hochverratsprozess. ۱۸۹۲ء مارکس اگینسٹ پیزنٹ میں حوالہ

۷ کارل مارکس - سیلیکٹڈ ورکس - جلد اوّل

۸ " " "

۹ سٹالن - پرابلمز آف لینن ازم

۱۰ " " " "

۱۱ موسی تنگ - پیپلز ڈیموکریٹک ڈکٹیٹر شپ فارن لنگویج پریس پیکن

۱۲ سٹالن - پرابلمز آف لینن ازم

۱۳ پیپلز چائنا ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۰ء جلد دوم صفحہ ۱۳

۱۴ لینن - پرابلمز آف لینن ازم

تیسرا باب

۱ ویب - سوویٹ کمیونزم - اے نیو سولیزیشن

۲ " " "

۳ لینن - سیلیکٹڈ ورکس - جلد دوم

۴ " " "

۵ " " جلد ۱۰

۶ مورس ڈوب - سوویٹ اکنامک ڈیویلپمنٹ سنس ۱۹۱۷ء

۷ لینن - سیلیکٹڈ ورکس - جلد دوم

۸ ٹراٹسکی - مائی لائف

۹ ویب - سوویٹ کمیونزم - اے نیو سولیزیشن

۱۰ السٹریٹڈ ہسٹری آف دی رشین ریوولوشن جلد دوم

۱۱ ویب - سوویٹ کمیونزم - اے نیو سولیزیشن

۱۲ لینن - سیلیکٹڈ ورکس - جلد دوم

۱۳-۱۴ " " " "

۱۵ " " " "

۱۶ لینن ۔ سیلیکٹڈ ورکس ۔ جلد دوم

۱۷ " " جلد ۲۰

۱۸ E. Preobrazhensky 'the fundamentel law of Socialist accumulation' in V.iestnik komm. Akademia VOL VIII, And Novaia Econonika.

۱۹ بخارن ۔ انٹرنیشنل پریس کارس پونڈنس جلد ۵ نمبر ۵

۲۰ سٹالن ۔ پرابلمز آف لینن ازم

چوتھا باب

۱ لینن ۔ سیلیکٹڈ ورکس جلد دوم

۲ سٹالن ۔ پرابلمز آف لینن ازم

۳ انا لوئی سٹرانگ ۔ سوویٹ ڈکٹیٹرشپ (امریکی پرچے مرکری کی اکتوبر ۱۹۳۲ء کی اشاعت میں)

۴ سٹالن ۔ پرابلمز آف لینن ازم

۵ شولوخوف ورجن سوئل اپر وٹڈ

۶۔۷۔۸ ویب ۔ سوویٹ کمیونزم

۹ شولوخوف ۔ ورجن سوئل اپر ٹرڈ ٹد

۱۰ ہورس ہنڈس ۔ دی گریٹ آفینسو

۱۱ سٹالن ۔ پرابلمز آف لینن ازم

۱۲ اے نزیکوف ۔ سوویٹ اکنامک سسٹم

۱۳ سٹالن ۔ پرابلمز آف لینن ازم

۱۴ لینن - سیلیکٹڈ ورکس - جلد ۱۰

۱۵ " " "

۱۶ " " "

۱۷ " " "

۱۸ ویب - سوویٹ کمیونزم

۱۹ " "

۲۰ فریڈا اوٹلے - لاسٹ الیوشن

۲۱ سٹالن - پرابلمز آف لینن ازم

۲۲ " " " "

۲۳ کراؤ جینکو - آئی چوز فریڈم

۲۴ سوشلسٹ ایگریکلچر یکم جون ۱۹۳۶ء و ۷ نومبر ۱۹۳۷ء سوشلسٹ ری کنسٹرکشن آف ایگریکلچر نومبر دسمبر ۱۹۳۷ء

۲۵ ازویستیہ - ۳۱ر جنوری ۱۹۳۳ء

۲۶ ویب - سوویٹ کمیونزم

۲۷ سٹالن - پرابلمز آف لینن ازم

پانچواں باب

۱ لینن - سیلیکٹڈ ورکس - جلد دوئم

۲ سٹالن - پرابلمز آف لینن ازم

۳ مورس ڈوب - سوویٹ اکنامک ڈیویلپمنٹ سنس ۱۹۱۷ء

۴ سٹالن - پرابلمز آف لینن ازم

۵ این ووزنسکی - وار اکانومی آف دی یو ایس ایس آر ان دی پیریڈ آف دی

پیرٹی آٹک وار

۶ سوشلسٹ ایگریکلچر ۲۰ جنوری ۱۹۴۶ء
۷ مورس ڈوب۔ سوویٹ اکنامک ڈیولپمنٹ سنس ۱۹۱۷ء
۸ مورس ہنڈس۔ دی گریٹ سوویٹ آفینسو
۹ اے بائی کوف۔ سوویٹ اکنامک سسٹم
۱۰ پراودا اور ازویستیہ یکم جولائی ۱۹۵۱ء
۱۱ این ووزنسکی۔ وار اکانومی آف دی یو، ایس، ایس، آر اِن دی پیریڈ آف دی پیٹری آٹک وار
۱۲ سٹالن۔ پرابلمز آف لینن ازم
۱۳ مورس ڈوب۔ سوویٹ اکنامک ڈیولپمنٹ سِنس ۱۹۱۷ء
۱۴ ایکون زِزن، ۲۰ ستمبر ۱۹۲۸ء
۱۵ اے بائی کوف۔ سوویٹ اکنامک سسٹم
۱۶ این، ڈی باسلی۔ رشیا انڈر سوویٹ رول
۱۷ ایل، ای ہیوبرڈ۔ دی اکنامکس آف سوویٹ ایگریکلچر
۱۸ سوزانے لابن۔ سٹالنز رشیا
۱۹ اکانومسٹ لندن ۱۱ مارچ ۱۹۵۰ء
۲۰ ایل، ای ہیوبرڈ۔ دی اکنامکس آف سوویٹ ایگریکلچر
۲۱ لیون ٹراٹسکی۔ دی ریوولوشن بیٹریڈ
۲۲ ایل، ای ہیوبرڈ۔ دی اکنامکس آف سوویٹ ایگریکلچر
۲۳ سٹالن۔ پرابلمز آف لینن ازم
۲۴ ″ ″ ″ ″

۲۵ اے بائی کوف۔ سوویٹ اکنامک سسٹم

۲۶ این۔ ووزنسکی۔ وار اکانومی آف دی یو، ایس، ایس، آر ان دی پیریڈ آف دی پیٹری آٹک وار

۲۷ " " " " " " " " " " "

۲۸ سٹالن۔ پرابلمز آف لینن ازم

چھٹا باب

۱ سٹالن۔ پرابلمز آف لینن ازم

۲ ویب۔ سوویٹ کمیونزم

۳ لوئی فشر۔ ۱۳ ہو فلیڈ

۴ دی گاڈ دیٹ فیلڈ

۵ موریس ہنڈس۔ ہیومینٹی اپیروٹڈ

۶ این، ووزنسکی۔ وار اکانومی آف دی یو، ایس، ایس، آر

۷ ناؤم جاسنی۔ دی سوشیلائزڈ ایگریکلچر آف یو، ایس، ایس، آر مطبوعہ سنہ ۱۹۴۹ء

۸ ایز وی سی رشیا۔ مختلف مصنفین۔ مطبوعہ نیویارک

۹ باسنی۔ رشیا انڈر سوویٹ رول

۱۰ ٹراٹسکی۔ دی ریوولوشن بیٹریڈ

۱۱ ویب۔ سوویٹ کمیونزم

۱۲ ٹراٹسکی۔ دی ریولوشن بیٹریڈ

ساتواں باب

۱-۲ Sovetskoye Gosudarstovei Prave No 9. Nov 1949.

۳ " " " " " " No 7, JULY 50

٤ آن دی ڈکٹیٹرشپ آف پیپلز ڈیموکریسی Sovetskayakiniga
نمبر ٣۔ مارچ سنہ ١٩٥١ء

٥ کمیونسٹ یکم جنوری سنہ ١٩٤٩ء

٦ Sovetskoye gosudarstvo I Pravo No 10, Dec 1949.

٧ Sovetskoye gosudarstvo I Pravo No 7, July 1950

٨ N.P. Farberov, Sovetskoye gosudarstvo I Pravo No 9, Nov 1949.

٩ B.S. Mankovsky, Sovetskoye gosudarstvo I Pravo No 7. July 1950.

١٠ Tarsadalmi Szemle March-April 1949.

١١ Voprosy Ekonomiki № 10, Oct 29. 1949

١٢ ایی پوکھلوف۔

١٣ A.Z. Begiyan, Sovetskoye gosudarstvo I Pravo, Aug 1950

١٤ ریڈرز ڈائجسٹ جون سنہ ١٩٤٩ء

١٥ اکانومسٹ ٢٧ مئی سنہ ١٩٥٠ء

١٦ نیویارک ٹائمز ١٢ مارچ سنہ ١٩٥١ء

١٧ " " ١٢ اپریل "

١٨ Zemedelsko Znami, Feb 6. 1947.

۱۹ Szabad Nep, May 6, 1950

۲۰ Szabad Szo, Dec 7, 1948

۲۱ N. P. Farberov, So Sovetskoye gousdarstvo i Pravo № 9, Nov 1949.

۲۲ اکانومسٹ - ۱۸؍مارچ ۱۹۵۰ء

۲۳ ازویستیہ - ۱۵؍ستمبر ۱۹۴۹ء

۲۴ " اور پراودا ۱۴؍جولائی ۱۹۵۱ء

۲۵ " ۱۶؍ستمبر ۱۹۴۹ء

آٹھواں باب

۱ سٹالن، پرابلمز آف لینن ازم

۲ موسی تنگ - بحوالہ Voprozy Filosofii نمبر ۳ ۱۹۵۰ء
اور بولشویک میگزین نمبر ۱۷ ۱۹۵۰ء

۳ موسی تنگ، چائنا نیوزین ڈیموکریسی، پیپلز پبلشنگ ہاؤس لمیٹڈ - بمبئی اکتوبر ۱۹۵۰ء

۴ لیوشاؤچی - آن دی پارٹی - فارن لنگویج پریس - پیکن

۵ موسی تنگ - چائنا نیوزین ڈیموکریسی - پیپلز پبلشنگ ہاؤس لمیٹڈ - بمبئی - اکتوبر ۱۹۵۰ء

۶ " " " " " " " " " " " " "

۷ لیوشاؤچی - آن دی پارٹی -

۸ موسی تنگ - آن دی پیپلز ڈیموکریٹک ڈکٹیٹر شپ

۹ موسی تنگ - چائنا نیوزین ڈیموکریسی - پیپلز چائنا اکتوبر ۱۹۵۰ء

۱۰ ہسٹری آف دی سی پی ایس یو (بی)

۱۱ لیوشاؤچی آن دی پارٹی

۱۲ موسی تنگ آن پیپلز ڈیموکریٹک ڈکٹیٹرشپ

۱۳ پیپلز چائنا - ۱۶ر جولائی ۱۹۵۰ء جلد دوم

۱۴ موسی تنگ - دی پریزنٹ سیچوایشن اینڈ اَور ٹاسک دسمبر ۱۹۴۷ء

۱۵ پیپلز چائنا - ۱۶ر جولائی ۱۹۵۰ء جلد دوم

۱۶ " " " " " " " "

۱۷ " " " " " " " "

۱۸ " " " " " " " "

۱۹ " " " ستمبر " " "

۲۱-۲۰ " " " " " " " "

۲۲ Ch'ang Chiang jih pao, Hankow Oct 9, 1951

۲۳ Hsing Tao jih pao, Nov 13, 1951

۲۴ پیپلز چائنا ۱۶ر جون ۱۹۵۰ء

۲۵ " " " جولائی "

۲۶-۲۷-۲۸-۲۹-۳۰ لیوشاؤچی - آن دی پارٹی

۳۰ دی گریٹ سوویٹ انسائیکلو پیڈیا - جلد ۳۲

۳۱ ہاؤ ٹو اینے لائز کلاس سٹیٹس ان دی کنٹری سائڈ ان دی ایگریرین ریفارم لا آف دی پیپلز آف چائنا

۳۲ " " " " " " " " " " " "

۳۳ - ۳۴ - ۳۳ - پیپلز چائنا - ۱۶ ر جولائی ۱۹۵۰ء

۳۵ کمیونسٹ ۴ جلد ۲ جون - جولائی ۱۹۴۹ء

۳۶ " " " "

۳۷ " " " "

۳۸ " " " "

۳۹ " " " "

۴۰ بحوالہ لینن: سیلیکٹڈ ورکس جلد ۱۲

۴۱ دی سٹیٹسمین - ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲ مئی ۱۹۵۰ء

۴۲ سکریپنک کے نام خط جو ۱۹۰۵ء میں لکھا گیا۔ ۱۹۲۶ء میں لینن کی یادگار میں شائع شدہ متفرق تحریروں میں بھی شامل ہے۔

۴۳ کمیونسٹ کرائمز ان حیدرآباد - حیدرآباد گورنمنٹ ۱۹۵۰ء

۴۴ کمیونسٹ ۴ - جون جولائی ۱۹۴۹ء

۴۵ کمیونسٹ ۲ - جلد ۳ - فروری مارچ ۱۹۵۰ء

۴۶ فار اے لاسٹنگ پیس، فار اے ڈیموکریسی ۲۷ ر جنوری ۱۹۵۰ء

۴۷ کمیونسٹ ۴ جون - جولائی ۱۹۴۹ء

۴۸ " " "

۴۹ کمیونسٹ ۲ فروری مارچ ۱۹۵۰ء

۵۰ کمیونسٹ ۴ جون جولائی ۱۹۴۹ء

۵۱ فار اے لاسٹنگ پیس - فار اے پیپلز ڈیموکریسی ۲۷ ر جنوری ۱۹۵۰ء

۵۲ کمیونسٹ ۲ فروری مارچ ۱۹۵۰ء

۵۳ " "

۵۴ کمیونسٹ ۴ جون جولائی سنہ ۱۹۴۹ء

۵۵ کمیونسٹ ۲ فروری مارچ سنہ ۱۹۵۰ء

۵۶ " " "

۵۷ فار لے لاسٹنگ پیس۔ فار اے پیپلز ڈیموکریسی ۲۷ جنوری سنہ ۱۹۵۰ء

۵۸ سٹیٹسمین دہلی۔ ۹ نومبر سنہ ۱۹۵۱ء

۵۹ لینن۔ سیلیکٹڈ ورکس جلد دوئم

۶۰ " " ۱۰

نواں باب

۱ لینن۔ سیلیکٹڈ ورکس۔ جلد ۱۲

۲ ایگریکلچرل سٹیٹسٹکس سنہ ۱۹۴۶ء

۳ ایربک آف فوڈ ایگریکلچرل سٹیٹسٹکس سنہ ۱۹۴۷ء

۴ ایگریکلچرل اکنامک ریسرچ جولائی سنہ ۱۹۴۹ء

۵ اے بائی کوف۔ سوویٹ اکنامک سسٹم

۶ ناؤم جاسنی دی سوشیلائزڈ ایگریکلچر آف دی یو، ایس، ایس، آر

۷ دی نیٹ ورک آف ورلڈ ٹریڈ لیگ آف نیشنز۔ سنہ ۱۹۴۲ء

۸ سٹیٹسٹیکل ابسٹریکٹ آف دی یونائیٹڈ سٹیٹس سنہ ۱۹۴۹ء

۹ ایگریکلچرل سٹیٹسٹکس سنہ ۱۹۴۶ء

۱۰ سوزانے لابن۔ سٹالنز رشیا

۱۱ پیپلز پلان۔ انڈین فیڈریشن آف لیبر دہلی۔ مارچ سنہ ۱۹۴۴ء

۱۲ کولن کلارک۔ دی اکنامکس آف سنہ ۱۹۶۰ء

دسواں باب

۱-۲ ستیش چندر داس گپتا۔ دی انڈین کاؤ۔ دیباچہ از مہاتما گاندھی

۳ رام سروپ۔ رشین امپیریلزم۔ ہاؤ ٹو اسٹاپ اِٹ؟
۴ ولیم ووگٹ۔ روڈ ٹو سروائول
۵ ہندوستان ٹائمز ۱۲ر مارچ سنہ ۱۹۵۰ء
۶ سٹیٹسمین۔ ۱۶ر جنوری سنہ ۱۹۵۲ء
۷ کاٹیج انڈسٹریز اِن جاپان
۸ مہاتما گاندھی۔ ہریجن ۱۲ر فروری سنہ ۱۹۳۶ء اور سینٹ پرسینٹ سودیشی
۹ " " ۲۲ر جون سنہ ۱۹۳۵ء " " "
۱۰-۱۱ " " ۲ر نومبر سنہ ۱۹۳۴ء " " "

گیارھواں باب

۱ سٹالن۔ پرابلمز آف لینن ازم
۲ لینن۔ سیلیکٹڈ ورکس۔ جلد دوم
۳ دی گاڈ دیٹ فیلڈ
۴ والٹر ڈیورنٹی۔ سٹالن اینڈ کو
۵ روتھ فشر۔ سٹالن اینڈ جرمن کمیونزم
۶ سوویٹ ٹریڈ (نمبر ۱ سنہ ۱۹۳۴ء) این، ڈی باسلی کی کتاب "رشیا انڈر سوویٹ رول" میں محوّلہ
۷ الڈوئس ہکسلے۔ ایپ اینڈ ایسنس
۸ رپورٹ آف کورٹ پروسیڈنگس اِن دی کیس آف دی اینٹی سوویٹ "بلاک آف رائٹسٹس اینڈ ٹراٹسکائٹس"

کتابیات

Russia

1. J. Stalin, Problems of Leninism, Foreign Languages Publishing House, Mascow 1947.
2. History of the C.P.S.U.(B) Foreign Languages Publishing House, Mascow, 1949.
3. V.I. Lenin, Selected Works, Two-Volume Edition, Lawrence and Wishart, London, 1947.
4. V.I. Lenin, Selected Works, 1-12, Lawsence and Wishart, London.
5. Karl Marx, Selected Works, Foreign Languages Publishing House Mascow.
6. Marx-engels, Selected Works, Foreign Languages Publishing House Mascow. 1950
7. A, Text Book of Marxist Philosophy, Prepared. By the Leningrad institute of Philosophy, Kitab Mahal Allahabad (INDIA Edition 1944)
8. N. Voznesensky, War Economy of the USSR in the Period of the Patriotic War. Foreign Languages Publishing House Mascow. 1948.
9. Mikhail Sholokhov, Vergin Soil Upturned, Putnam, London. June 1948 Edition

10. Illustrated history of the Russian Revolution 1928
11. Report of court proceedings in the Case of the Anti-Soviet "Block of Rights and Trotskyites" Moscow 1938.
12. Maurice Dobb, Soveet Economic Development since 1917 Routledge & Kegan Paul Ltd, London 1948.
13. Sidney & Beatrice Webb, Soviet Communism A New Civilization, Longmans & Co 1944.
14. Alexandar Baykov, the Development of the Economic System, the National Institute of Economic & Social Research Cambridge and N. Delhi.
15. Naum Jasny, the Socialised Agriculture of the USSR Stanford University Press, Stanford, California 1949.
16 L.E. Hubbard, the Economics of Soviet Agriculture Macmillan Co, Ltd, London 1939.
17. N. De Basily, Russia Under Soviet Rule, George Allen and Unwin Ltd London 1938.
18. Trotsky, the Revolution Betrayed Faber & Faber Ltd.
19. Trotsky, My Life, Charles Scribner's Sons. N. York 1930
20. Maurice Hindus, The Great Offensive Victor Gollancz Ltd London.
21. Maurice Hindus, Humanity Uprooted 1929.
22. Ruth Fischer, Stalin an German Communism Harverd Univercity Press. Cambridge 1948.

23 The God that failed. Hamish Hamilton London 1950
24. Suzanne Labin, Stalin's Russia, Victor Gollancz Ltd London 1949.
25. Victor Kravchenko, I Chose Freedom, Robert Hale Ltd, London 1947.
26. Walter Duranty, Stalin & Co. Secker and Warburg London 1949.
27. David Mitrany, Marx Against the peasant, George Weidenfeld and Nicholson Ltd London 1951.
28. Freda Utley, Lost illusion, George Allen & Unwin Ltd London 1949.
29. As We See Russia, E.P. Dutton & Co, Inc. New York.

China,

30. Mao tse-tung. China's New Democracy, People's Publishing House Ltd, Bombay Oct, 1950 ED.
31. Mao Tse-tung, on the people's democratic Dictatorship, Foreign Language Press Peking, China, 1951.
32. Liu Shao-chi, on the Party. Foreign Languages. Press, Peking, China, 1950.

General Section

33. Mahatma Gandhi, Cent per Cent Swadeshi or the Economics of Village Industries. Navajivan Publishing House Ahmedabad. Jan 1954.
34. Satish Chandra Dasgupta, The Cow in India, Khadi Pratisthan 15, College Square, Calcutta 1954.

35. William Vogt, Road to Survival, William Sloane Association, Inc. New york, 1948.

36. Cottage Industries in japan, Asian Relations Conference. New Delhi 1947.

37. Louise E. Howard, The earth Green Carpet.

38. E.B. Balfour, The Living Soil.

39. M.E. Bruca, Commonsense Compost making.

40. F.H. King, Farmers of forty Centuries or Permanent Agriculture in China, Korea & japan.

41. Aldous Huxley, Ape & Essence Chatto + Windus. London.

42. People's Plan, Indian Federation of Labour Delhi 1944.

43. Agricultural Statistics 1946. U.S. Department of Agreculture, Washington.

44. Statistical Abstract 1949 U.S. Govt Washington.

45. Yearbook of food and Agricultural Statistics 1947. Food and Agricultural Organisation of the United Nations. Washington 1947.

46. The Network of World Trade, League of Nations 1942

47. Incyclopaedia of the Social Sciences, Makmillan & Company New yark.

Newspaper, Gournals and periodicals.

1. For a Lasting peace, For a peoples Democracy.
2. New Times. No 23. 1950

3. Izvestia, March 17, 1950, July 1, 1951. july 31, 1951.
4. Pravda jan 26, 1934. APRIL 28, 1934. April 12, 1935. May 17, 1935. May 8, 1936. March 17, 1950. July 1. 1951. July 31, 1951.
5. Moscow Daily News. oct 15, 1932.
6. Econ zhizhn, September 20, 1928.
7. Socialist Reconstruction of Agriculture NOV. DEC. 1937.
8. Komsomolskaya Pravda, May 30, 1933.
9. Sovietzkay justitzia. April 1933.
10. Sotsialisticheskoye Selskoye Khozyaistvo No. 8. Augi
11. Voprosy ekonomiki. No 3. 1950.
12. Voprosy filosofii No 3. 1950.
13. Planned Economy. Gosplan, Moscow.
14. Bolshevik Magazine № 17, 1950
15. Socialist Agriculture june 1, 1936. Nov. 7, 1949. № 12, 1939. jan 20, 1946.
16. Sovetskaya Gosudarstvo i Pravo No 9. Nov, 1949. No 10 DEC. 1949. No 7. july 1950, and August 1950.
17. Sovetskaya Kniga, № 3, March 1951.
18. Soviet Trade no 1, 1934.
19. Tarsadalmi Szemle, March-April 1949.
20. Zemedelsko Znami Feb. 6. 1947.
21. Szabad Nep, May 6. 1950.

22. Szabad Szo, Dec. 7, 1949.

23. People's China june 16, 1950. july 16. 1950. September 16, 1950. oct 16. 1950.

24. Ch'ang Chiang jih Pao, Hankow, Oct 9. 1951.

25. Hsing Tao jih Pao Nov, 13, 1951.

26. China Reconstructs, 3. May-June 1952.

27. New York Times, March 12, 1951. April 12. 1951

28. Reader's Digest, june 1949.

29. American Mercury, Oct 1934.

30. The Reporter june 26, 1951.

31. Agricultural Economic Research july 1949.

32. Economist, London Feb 18. 1950, March 18 and April 12, 1951.

33. Statesman, May 8, 9, 10, 11, 12, 1950. Nov 9, 1951 and january 16, 1952.

34. Hindustan Times New Delhi. March 21. 1951.

35. Communist, january 1, 1949. june-july 1949. February-March 1950.

36. Harijan, November 2, 1934. June 22, 1985. and February 12, 1938.